

تاریخ اسلام

محمد احسن



حضرت ابن عرب

# بغرافہ عرب

جہ تسمیہ: اہل لغت کے نزدیک عرب اعراب سے مشتق ہے جس کے معنی فصاحت اور زبان آوری ہے ہیں۔ چونکہ عرب نہایت فصیح اللسان اور زبان آور تھے۔ اس وجہ سے انہوں نے اپنا نام عرب رکھا۔ دنیا کی اقوام کو عجم کے نام سے پکارا۔ عجم کے معنی ثولیدہ اور گونگے کے ہیں۔

دوسری رائے کے مطابق لفظ عرب عربہ سے نکلا ہوا ہے جس کے معنی صحرا کے ہیں۔ چونکہ اس ملک کا تر حصہ ریگستان پر مشتمل ہے اس لئے سارے ملک کو عرب کہا جانے لگا۔

عرب یا جزیرۃ العرب تین بڑا عظیموں یعنی ایشیا، یورپ اور افریقہ میں مرکز کے طور پر ہے اور تین طرف سے سمندر سے گھرا ہوا ہے۔ مشرق میں خلیج فارس اور بحر عمان جنوب میں اور بحر ہند مغرب میں بحر احمر عرب خشکی اور تری دونوں راستوں سے دنیا اپنے دائیں اور بائیں ہاتھ سے ملا کر ایک کر رہا ہے۔

عرب کی پیمائش حقیقی طور پر نہیں ہوئی وہ ہندوستان سے بڑا ہے اور ملک جرمن اور فرانس سے چار گنا۔ طول تقریباً چودہ سو میل اور عرض مختلف جنوب میں زیادہ اور شمال میں کم ہوتا گیا ہے۔ مجموعی رقبہ ۱۰ لاکھ مربع میل ہے۔

اس ملک کا ایک بڑا حصہ ریگستان ہے۔ شمالی حد میں شام اور عرب کے درمیان ایک ریگستان ہے جس کو بادیر شام یا بادیر عرب کہا جاتا ہے۔ جنوبی حد میں یمن، عمان اور یمامہ کے درمیان ایک وسیع صحرا ہے جس کو الدھنا یا ربح خالی کہا جاتا ہے۔

اس ملک میں سب سے بڑا طویل السلسلہ جبل السراۃ ہے جو جنوب میں یمن سے شروع ہو کر شمال شام تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کی سب سے اونچی چوٹی آٹھ ہزار فٹ ہے۔

اس طرح حجاز کا سب سے بڑا پہاڑ جبل الہدیٰ طائف کا جبل انکرا نجد کا جبل ارض و طریق اور یمن کا جبل کوکبان ہے۔ ملک عرب میں کوئی دریا نہیں ہے۔ پہاڑوں سے چشمے جاری

۶۷۹

رہتے ہیں کبھی کبھی یہ چٹے چٹے پتھر گر ٹھوڑی دور تک ایک مصنوعی دریا بن جاتے ہیں پھر ریگستان میں جذب ہو جاتے ہیں یا پتھر روں میں گر جاتے ہیں۔

عرب کے وہ حصے جو سواحل بحرِ ہند واقع ہیں وہ سرسبز و شاداب اور زرخیز ہیں۔ خاص طور پر یمن کا صوبہ بہت ہی زرخیز ہے۔ عمان، حضرموت، نجد، حجاز میں طائف عرب کے شاداب و سرسبز علاقے ہیں۔

**اقطاع عرب** عرب کا ایران سے ملتا ہوا حصہ عراق عرب کے نام سے مشہور ہے جس میں بصرہ اور کوفہ کے مشہور اسلامی شہر آباد ہیں۔ شام سے ملتا ہوا حصہ عرب شام کہلاتا ہے اور حلب تک چلا گیا ہے۔ موجودہ ملکی تقسیم میں عرب سے الگ نظر آتے ہیں۔ ان کے علاوہ عرب حسب ذیل چار صوبوں میں منقسم ہے۔ عسرومن، نجد، یمن اور حجاز۔ آگے ہر صوبہ متفرق چھوٹے چھوٹے حصوں میں منقسم ہے۔

**عارض:** مشرقی نجد اور حدود عراق سے سواحل خلیج فارس تک پھیلا ہوا ہے اس صوبہ میں یامہ، بحرین، عمان تین اقطاع ہیں۔

**نجد:** وسط عرب میں ایک سرسبز شاداب زرخیز اور بلند قطعہ ملک ہے۔ تین طرف سے صحراؤں سے محیط ہے۔ شمال میں صحرائے شام مغرب میں صحرائے حجاز مشرق میں صحرائے دھنا اور جنوب میں صوبہ یامہ ہے۔ یہ صوبہ سطح سمندر سے ۱۲۰۰ میٹر بلند ہے۔ آجکل نجد شمر، قصیم اور عارض تین حصوں میں منقسم ہو کر دو شیرج کے زیر حکومت ہو گیا ہے۔ نجد کے گھوڑے اور اونٹ بہت مشہور ہیں۔ ہر قسم کے میوے یہاں پیدا ہوتے ہیں۔ وادیوں اور پہاڑوں کے دامن میں زراعت ہوتی ہے۔ قبائل عطفان اور سلیم وغیرہ اس جگہ آباد تھے۔

**یمن:** عرب کا سب سے زیادہ زرخیز، سرسبز اور آباد علاقہ ہے جو اسلام سے قبل اور اسلام کے بعد بھی علم و ہنر کا مرکز رہا۔ محققین آثارِ قدیمہ نے یہاں سے ایسے آثار پائے ہیں جو قدیم تمدن کا پتہ دیتے ہیں۔ یمن کو مندرجہ ذیل اقطاع میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ حضرموت، احتاف، صنعاء، بحرین، عیساء علی الترتیب مشرقی جنوبی حدود یعنی حضرموت سے جنوب مغربی حدود یعنی حجاز تک ساحل بحرِ احمر واقع ہیں۔ احتاف وہی حصہ ہے جہاں کبھی عادی کی زبردست قوم آباد تھی جس کی تباہی کا ذکر قرآن مجید میں آتا ہے۔ سبکی قوم ایک زمانہ میں یہیں آباد تھی۔

**حجاز:** مغرب میں بحرِ احمر کے ساحل پر ایک مستطیل کی شکل میں حجاز کا مشہور پہاڑی علاقہ

ہے۔ جس میں مکہ مدینہ اور طائف کے مشہور شہر آباد ہیں۔ اس کی دو بڑی بندرگاہیں ہیں جدہ جہاں سے مکہ معظمہ کو جاتے ہیں۔ یسوع جہاں سے مدینہ منورہ کو جاتے ہیں۔ مکہ حجاز کا دارالخلافہ ہے۔ یہ ایک بے آب و گیاہ آبادی میں واقع ہے۔ اس کے چاروں طرف خشک پہاڑیاں ہیں۔ اس کے تین نام ہیں۔ مکہ۔ ام القریٰ اور البلد۔ اس کی آبادی کی ابتداء حضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانے سے ہے۔ اسی شہر میں سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے۔ اسی شہر میں خانہ کعبہ ہے جس کے معمار دو نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ اسی سے دنیا کی روحانی پیاس کو بجھانے کے لئے توحید کا چشمہ جاری ہوا۔ اور تا ابد جاری رہے گا اور دلوں کی خشک کھیتوں کو سیراب کرتا رہے گا۔ ظہور اسلام کے وقت عرب مستعربہ میں سے قبائل بنو کنانہ، قبائل بنو ذیل، قبائل ہوازن، بنو قحطان اور ان کا قبیلہ مدینہ: مدینہ کا پرانا نام یثرب ہے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے یہاں تشریف لائے تو اس کا نام مدینہ النبی پڑ گیا۔ بعد میں صرف مدینہ کہلانے لگا۔ بعض تاریخی قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر کی تعمیر ۶۱۰ء قبل مسیح اور ۲۲۱۰ء قبل مسیح کے درمیان ہوئی سب سے پہلے اعمالیق آباد ہوئے۔ اعمالیق کے بعد یہاں سب سے پہلے یہود آکر آباد ہوئے۔ اس کے بعد قبیلہ ازد کی دو شاخیں اوس اور خزرج آباد ہوئیں۔ اسلام کا سب سے پہلا دارالخلافہ بنا۔ مدینہ مکہ سے ۲۶۰ میل شمال کی جانب ہے۔ یہاں زراعت ہوتی ہے۔ میوہ دار درخت پائے جاتے ہیں۔

**طائف:** حجاز کی جنت ہے۔ بہت زرخیز اور شاداب علاقہ ہے۔ رؤساء حجاز عموماً گرمیوں کا موسم یہیں بسر کرتے تھے۔ یہ مکہ معظمہ سے مشرق کی طرف قدرے جنوب کو واقع ہے۔ سمندر سے پانچ ہزار فٹ بلند ہونے کی وجہ سے یہاں پانی عام ہے اس لئے پھل اور سبزیاں بہت ہوتی ہیں۔ ابتداً قبیلہ عدوان کا مسکن تھا۔ بعد میں قبیلہ ثقیف کے قبضہ میں آ گیا۔ ہجرت سے قبل رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعوت اسلام لے کر یہاں تشریف لائے۔ اہل طائف نے غرور کے نشہ میں بدست ہو کر دعوت حق کو قبول نہ کیا۔ ۸ ہجری میں آپ نے طائف کا محاصرہ کیا۔ ۹ ہجری سردار ثقیف عردہ بن مسعود نے اسلام قبول کیا اور اپنی قوم کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور اس سال وفد ثقیف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور فاتحہ اسلام میں داخل ہوا۔

# ازمت و دہم کی تہذیبیں

ظہور اسلام سے قبلے دنیا کے مختلف ممالک کے  
سیاسی اور اقتصادی حالات کا تہذیبی جائزہ

ظہور اسلام سے قبل پچھٹی صدی مسیحی بلا اختلاف اٹلانی تاریخ کا تاریک ترین دور تھا۔ دنیا بھر کے لوگوں کی حالت ہر لحاظ سے ڈگرول تھی۔ ہر تہذیب و ملت کا دور دورہ تھا۔ لوگوں کے غلبے میں جان و مال اور آبرو کا احترام سٹ چکا تھا، اوجید کا چراغ جو مختلف انبیاء علیہم السلام نے مختلف ادوار میں روشن کیا تھا۔ گل ہو چکا تھا کہیں بھی صحیح عقیدہ موجود تھا۔ دین و دارا شخاص مذہبی عقائد کی بنیاد پر زندگی کے میدان سے کنارہ کش ہو کر دیر کلبسا اور صحراؤں کی تنہائیوں میں پناہ گزین ہو گئے تھے۔

غرض کہ دنیا کے مختلف حصوں اور ملکوں میں اجتماعی بے نظمی، انتشار اور اخلاقی تشرل و زوال اور دینی عظمت و نامتھی کہیں معلوم ہوتا تھا کہ تمام ملک تشرل و انحطاط اور شرف و فساد میں ایک دوسرے سے باہری لے جانا چاہتے ہیں۔ دنیا کے مختلف ملک کے حالات کا جائزہ لینے سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ کس طرح اس سماجی تہذیبات سے روشناس ہونے کے بعد ان ملک کے باشندے اپنی سماجی، سیاسی، مذہبی، اخلاقی حالت درست کر کے ترقی کی راہ پر گامزن ہوئے اس وقت تک قدیم تمدنوں کے تہذیبی نقطے قرار دیتے گئے ہیں۔

اول: مشرقی بحیرہ روم کے فراع کا خط جس میں مصر، بابل، کرطب، فلسطین، ایران، روم وغیرہ شامل ہیں کہا جاتا ہے کہ اگر جزیرہ قبرص (Cyprus) کو سکن قرار دے کر اس کے گرد و دہر اسرائیلی کے نصف قطر سے ایک دائرہ کھینچا جائے تو اس کے اندر یہ سب

بلکہ آجائیں گے ان ممالک میں جس ملک کو زیادہ عروج ہو وہ تقریباً باقی ماندہ سب ممالک پر حکمران ہو گیا۔

ہم قدیم تمدن کا دوسرا خطہ چین، ہندوستان اور تاتاریا پر مشتمل ہے یہاں کے قدیم حالات بمقابلہ خطہ اول کے کم معلوم ہیں۔

تیسرا خطہ :- امریکہ کے پرانے باشندوں کا ہے اور اس تمدن کے حالات سب سے بعد میں کمی کے ساتھ معلوم ہوتے ہیں لہ

حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے تھے حام، حام، یافث، سام  
**مصر** سے سامی نسل چلی یعنی عرب یہودی وغیرہ یافث ترکوں اور دوسری عجمی قوموں کا بزرگ تھا۔ حام کی نسل بر اعظم افریقہ میں پھیلی، حام کے دوسرے فرزند کا نام "مصر" تھا جسے عبرانی میں "مصراتم" کہتے تھے معلوم ہوتا ہے کہ مصر یا مصراتم نے اپنی اولاد کے لئے وہی خطہ سنبھالا جسے ہم مصر کہتے ہیں۔ (مختصر تاریخ اسلام مصنفہ مولانا غلام رسول)

بحر روم سے متصل اور جانب جنوب "مصر" واقع ہے۔ جب سے انسان نے اجتماعی زندگی شروع کی تو انہیں زندگی کا کاروبار چلانے کے لئے حکومت کا انتظام کرنا پڑا اور بادشاہیوں کی بنیاد پڑی۔ مصر میں کئی کئی چھوٹی چھوٹی شہری حکومتیں قائم ہو گئیں اور وہ ایک دوسرے سے برسبیر پیکار رہتی تھیں۔ اس لئے طاقتور حکومتیں کمزور کو ضم کرتی گئیں۔ یہاں تک کہ وہاں صرف دو حکومتیں باقی رہ گئیں ایک بالائی مصر اور دوسری وسط مصر، بالآخر وسط مصر کی حکومت غالب آگئی اور دوسری شہری حکومتیں مرکزی حکومت کی باج گزار بنتی گئیں جس سے نظام جاگیرداری کی ابتدا ہوئی بالائی اور وسط مصر کے بعد وہ رقبہ آباد ہوا جہاں نیل کی سائٹ شاخیں ہو جانے سے چھوٹے چھوٹے جہازیں مصر کھلاتا ہے۔ مصر میں ابتداء سے لے کر سکندریوں کے زمانے تک یکے بعد کے آئیں خاندانوں نے حکومت کی۔

شاہی اختیارات و طرز حکومت :- مصری حکومت شخصی

اور مطلق العنان تھی۔ تمام اختیارات کا منبع اور مصدر

بادشاہ کی ذات ہوتی تھی وہ اپنا جانشین نامزد کرتا تھا اور اپنے بیٹوں میں سے کسی کو اپنی زندگی میں ہی شریک حکومت کر لیتا تھا عموماً بیٹا ہی اس کا جانشین ہوتا تھا بادشاہ خود

لہ قدیم شہنشاہیاں مولانا سید طفیل احمد منگلوری ص ۱۱

سپہ سالار عدالت کا قاضی اور انشطا میہ کا حاکم اعلیٰ ہوتا تھا اس کا فیصلہ آخری فیصلہ تھا اور اس کا حکم قانون تھا۔ دستوری طور پر اس کے اختیارات کی کوئی حد بندی نہیں کی جاسکتی تھی۔

مصری بادشاہ کا لقب "فرعون" فرد (PHARAOH OR PHERO) تھا جس کے معنی ہیں بڑے محل میں رہنے والا یہ لقب خود ہی بادشاہ کی اعلیٰ حیثیت اور عوام پر اس کی برتری کو ظاہر کرتا ہے اور حقیقتاً وہ سب سے بڑے محل میں رہا کرتا تھا۔ شان و شوکت تزک و احتشام خشم و خدم اور سطوت و جلال کے اعتبار سے کوئی اس کا مد مقابل نہ تھا۔

**نظام مملکت** بادشاہ کے بعد دوسرا اہم رکن وزیر تھا۔ وزارت کا عہدہ چوتھے خاندان کے حکمرانوں نے قائم کیا اداتل میں صرف دلی عہد اس منصب پر فائز ہوتا تھا

پھر رفتہ رفتہ غیر شاہی خاندان کے افراد بھی اس عہدے پر مقرر کئے جانے لگے۔ نوعیت کار کے لحاظ سے وزیر تمام محکوموں کا حاکم اعلیٰ تھا خزانہ، مالیات اور عدلیہ براہ راست اس کے پاس تھے وزیر کے علاوہ دوسرے بڑے عہدیدار اور بے شمار محرر تھے جن سے متعلق مختلف محکمے تھے

**عدالت و قوانین** مقدمات کے فیصلہ جات کے لئے ہر جگہ عدالتیں قائم کی تھیں عدلیہ انشطا میہ میں مدغم تھی۔ انشطا میہ کے حکام ہی عدلیہ کے فرائض بھی

انجام دیتے تھے۔ وزیر مملکت ملک کا سب سے بڑا قاضی تھا جس کے فیصلے پر نظر ثانی کا اختیار صرف بادشاہ کو حاصل تھا۔

مصر کے تعزیریاتی اور دیوانی قوانین واضح اور متعین تھے۔ تزک اور میراث کے قوانین بھی

وضع ہو چکے تھے۔ دروغ حلفی، قتل اور چوری کی سزا قتل تھی۔ جلا وطنی کی سزا بھی عام طور پر دی جاتی تھی۔ بجاوت اور اس طرح سے سنگین جرائم میں پچاسی دینے اور زندہ جلا دینے کی سزائیں دی جاتی تھیں، عدالت کے اندر امتیاز نہیں برتا جاتا تھا۔ قوانین کی توضیح کے لئے دکلا مقرر تھے مجرم کو صفائی کا پورا موقع دیا جاتا تھا۔ تمام شواہد اور بیانات کو غور کرنے کے بعد قاضی اپنا فیصلہ صادر کرتا تھا۔ بعض مواقع پر قاضیوں کی ایک جماعت مقدمہ کی سماعت کے لئے مقرر کر دی جاتی تھی اس کے حدود متعین کر دیے جاتے تھے۔

حکومت کا دوسرا اہم محکمہ فوج کا تھا۔ ابتدا میں مصری فوجیں صرف پیادہ سپاہیوں

**فوج**

پر مشتمل تھیں۔ ہکیسوس کے دور میں گھوڑے استعمال کئے گئے۔

سے مختصرتاً۔ یح اسلام مصنفہ مولانا غلام رسول مہر صاحب



## مذہب اخلاق اور رسم و رواج

قدیم مصر کا مذہب شرک و بت پرستی کی بنیادوں پر قائم تھا۔ آسمان زمین آفتاب ماہتاب ستارے ہوا پانی حیوانیات سب کے سب دیوتا اور دیوتیاں تھیں۔ اجرام فلکیہ صرف اجرام نہ تھے بلکہ طاقتوں کے مظہر تھے۔ اخلاق کا رشتہ مذہب سے نہایت گہرا ہے جیسے عقائد ہوں گے ویسے اعمال ظہور پذیر ہوں گے۔ مصر کے اندر سب سے مضبوط مذہبی طبقہ پروتھوں اور کاهنوں کا تھا وہ عیش میں ڈوبے ہوئے اور دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹ رہے تھے وہ جادو منتر ٹوٹکے اور ہدایت ناموں کے اجراء میں مشغول رہے تھے۔

## عورت کی حیثیت اور غلام

مصر میں فحشہ گری تھی۔ مصری فراغت کے حرم میں بے انتہا عورتیں ہوتی تھیں اکثر وہ اپنی سگی بہنوں سے شادی کرتے تھے اور کبھی کبھی بیٹیوں سے بھی محرمات کے اندر صرف سگی ماں داخل تھی۔ بلکہ ان میں شرفاکی بیٹیاں اور وہ عورتیں بھی شامل تھیں جو تختہ بادشاہ کے پاس بھیجی جاتی تھیں۔ مصر میں غلامی کا عام رواج تھا غلام بادشاہوں کے حملوں اکاہنوں اور سپہ سالاروں کے گھروں میں موجود رہتے جنگ میں جو قیدی بنائے جاتے وہ حکومت کے غلام تصور ہوتے، سب کی ضرورتوں کے مطابق کام انجام دیتے یا ملک کی آرائش اور اس کے حسن کی تشکیل کے متقاضی فراغت کی تکمیل کیا کرتے تھے اس کے علاوہ قومی مصلحتوں اور عام حاجتوں کو بھی پورا کیا کرتے تھے۔

## تعمیرات

مصریوں نے تعمیرات میں کمال حاصل کر لیا، اہرام جیسی عمارتیں دنیا بھر میں کہیں نہیں ملتی، بادشاہوں کے مقبرے میں عجائبات کی چیزوں میں سے ایک ابو الہول ہے ایک بہت بڑا بت ہے جس کا دھڑ پیچر کا ہے اور سر انسان کا،

## فن تخریب

مصریوں نے تخریب کا فن تین ہزار سال قبل مسیح ایجاد کر لیا۔ مصریوں نے ایک خاص قسم کا کاغذ ایجاد کر لیا جو ان کا شاندار کارنامہ ہے۔

وادی دجلہ و فرات کی تہذیب و سمیری تہذیب :- مشرق کا دوسری قدیم تہذیب تازیخ میں سمیری تہذیب کے نام سے موسوم ہے۔ یہ تہذیب دجلہ اور فرات کی وادی میں پھلی پھولی۔ وادی دجلہ اور فرات میں ان کی آمد کا زمانہ تو صحیح طور پر نہیں بتایا جاسکتا مگر ۵۰۰۰ ق۔ م سے ان کے شہر کے نشانات ملتے ہیں یہ کہاں سے آئے اور کس نسل سے تعلق رکھتے تھے؟ یہ بھی معلوم نہیں چونکہ ان کی تخریبوں سے پہاڑوں کا تذکرہ ملتا ہے اور ان کی زبان قدرے سنگولی زبان سے ملتی جلتی

ہے اس لئے قیاس کیا جاتا ہے وہ منگولی النسل تھے اور کوہ قاف، وسطی ایشیا یا ارمینیا کے پہاڑی علاقوں سے ترک وطن کر کے یہاں آئے تھے۔ یہاں آنے کے بعد انہوں نے چند شہر آباد کئے، جن میں کیش، نغز اور بخ، آر، لغاش، آنا اور لریا نے زیادہ شہرت حاصل کی۔ ابتدا میں ان میں شہنشاہیت کا رواج نہ تھا اور نہ وہ سیاسی زندگی سے واقف تھے ان کے قبیلے کے ممتاز لوگ جو زیادہ تر کاہن اور بجا رہی ہوتے تھے شہر کی دیکھ بھال اور اس کا انتظام کرتے تھے۔ جنگ کی ضرورت نے ملک کی فوجی سپہ سالاروں کا ایک طبقہ پیدا کر دیا تھا اس لئے ان کے اقتدار میں رفتہ رفتہ کمی ہوتی گئی بالآخر فوجی سالاروں نے تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لے کر شہری ریاستوں کی بنیاد رکھ دی ان شہری ریاستوں میں جو سیری سالاروں نے قائم کیں پہلا نام کیش کا آتا ہے جس کے پہلے حکمران کا نام سلیم تھا اور جن کی اطاعت غالباً جنوب کے حکمرانوں نے قبول کر لی۔

اس عہد میں کیش کے بعد جس کی ریاست نے زیادہ طاقت و شہرت حاصل کی وہ لغاش کی ریاست تھی جس کے نامور حکمرانوں میں لوغل شاغندر (LUGAL-SHA GENGUR) سب سے پہلے آتا ہے اس کے بعد ارینین کا نام ملتا ہے ارینین کے بعد ایک حکمران اروچ آغن (URUKAGINAI) کا نام ملتا ہے جس کا نام زمانہ ۲۸۰۰ ق.م کے قریب متعین کیا گیا ہے یہ ایک مصلح اور شریف النفس فرمانبردار تھا جس نے اپنی سلطنت کے اندر اہم اصلاحات نافذ کیں، فراینین کے ذریعہ پروہتوں اور دولت مندوں کے اختیارات کو محدود کر کے عوام کو ان کے دست برد سے بچا یا۔ تدفین کی عیس میں تخفیف کی اور مذہبی طبقہ کو مندروں کی آمدنی سے محروم کر دیا چونکہ اصلاحات دولت مند مذہبی طبقے کے خلاف تھیں انہوں نے اروچ آغن

کی حکومت کا تختہ الٹنے کی سازشیں شروع کر دیں اس سے ملک میں انتشار اور افتراق پیدا ہو گیا اس داخلی انتشار سے فائدہ اٹھا کر آنا کے حاکم لوغل زغیشی (LUGAL-ZAGGISI) نے لغاش پر حملہ کر دیا اور بادشاہ اور اس کے مخالفین دونوں کا خاتمہ کر دیا اس کے بعد خلیج فارس سے لے کر بحرہ روم تک کے تمام علاقے کو روند ڈالا۔ اس کے بعد اس کا سیاسی زوال شروع ہوا ایک سامی النسل قوم نے جو اکادمی (AKKADANS) کے نام سے موسوم ہے لوغل زغیشی کو شکست دے کر سیری سلطنت پر قبضہ کر لیا اس طرح تقریباً ۲۸۵۰ ق.م میں خالص سیری حکومت و تمدن ختم ہوا۔ ایک مخلوط تہذیب وجود میں آئی جس کو سیری، اکادمی تہذیب کہتے ہیں معاشرتی تقسیم :- معاشرہ مندرجہ ذیل طبقات پر مشتمل تھی۔

۱۔ فرمانروا :- اس طبقہ کے ہاتھ میں ہی تمام حکومت تھی۔ اسے قانون بنانے کا فائدہ اور حکومت کرنے کا اختیار حاصل تھا۔

۲۔ کاہن و پجاری :- وہ مذہبی طبقہ تھا جو عوام اور خواص کا مزاج اور علوم و فنون کا واحد اچارہ دار تھا۔ سیاسی اور مذہبی اختیارات کی علیحدگی نے گوندروں اور محلوں کو دو مخالف مرکزوں میں تقسیم کر دیا تھا پھر بھی فرمانرواؤں کو اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے پجاریوں کے سامنے سھکنا پڑتا تھا۔  
۳۔ امرا :- یہ طبقہ بڑے بڑے زمینداروں، تاجروں اور شاہکاروں پر مشتمل تھا۔ ملک کے تمام مادی وسائل پر قابض تھا اس وجہ سے اس کا اثر و نفوذ پورے معاشرہ پر گہرا تھا۔

۴۔ اہل ہنر و اہل پیشہ :- اس طبقہ میں اطباء، قانون گو، صنایع اور ملازمین شامل تھے۔ سمیری معاشرہ کا یہ بھی ایک با اثر طبقہ تھا۔

۵۔ زرعی مزدور و کاشت کار :- یہ طبقہ اپنی دست و منگولیاں اس کی حالت غلاموں سے بہتر نہ تھی۔ اپنی عرق ریزیوں کا معاوضہ اتنا کم پاتا تھا کہ اپنے اہل و عیال کو فالتے سے بچانا بھی اس کے لئے دشوار تھا۔

۶۔ غلام :- معاشرہ کا سب سے گہرا ہوا اور پست طبقہ تھا اس طبقہ میں زیادہ تر اسیران جنگ شامل تھے مجرم اور مقروض بھی اکثر غلام بنائے جاتے تھے اور اس طبقہ میں شامل کر دیئے جاتے تھے جو تمام انسانی اور شہری حقوق سے محروم تھا سمیری عدالت اور مذہب سے ان کو تمام حقوق سے محروم کر رکھا تھا۔

**مذہب** مصریوں کی طرح سمیری بھی منظر قدرت اور تہوں کی پوجا کرتے تھے۔ چاند، سورج، زمین اور تارے سب کے سب دیوتا اور دیوی خیال کئے جاتے تھے۔ انتساب کی پرستش کو زیادہ اہمیت حاصل تھی۔

**شاہی اقتدار** سمیری بادشاہ مطلق العنان ہوا کرتے تھے ان کی حکومت تمام قبود سے آزاد اور ان کی ذات تمام غلیبوں سے پاک سمجھی جاتی تھی وہ خدا کے نائب ہی نہیں بلکہ اس کے شریک سمجھے جاتے تھے ان کو عدالت اور فوج پر پورا اختیار حاصل تھا۔

**عدالتیں اور قانون** مقدمات کے فیصلہ جات کے لئے شہروں میں عدالتیں قائم تھیں سمیری تاجروں کی نظر میں تمام باشندے بھی یکساں نہ تھے ایک ہی جرم کی سزا مجرم کی حیثیت بدلنے سے بدل جاتی ہے مجرم اگر غریب ہو تو اس کو سخت سزا نہیں دی جاتی

اور اگر امیر متہ تا تو محض جرمانہ وصول کر کے رہا کر دیا جاتا۔

**عورت کی حیثیت** عورت اپنے جہیز پر پورا اختیار رکھتی تھی۔ شوہر اور بیٹے کی غیر موجودگی

میں اپنی املاک کا انتظام بھی کر سکتی تھی اسے تجارت اور کاروبار کرنے کی بھی اجازت تھی مگر عام طور پر ان کی حالت بہت ہی گری ہوئی تھی مرد عورتوں کا نگران اور مالک سمجھا جاتا بعض حالتوں میں وہ اپنی بیوی کو بیچ بھی سکتا تھا مردوں کے لئے زنا قابل تلافی جرم تھا مگر زانیہ کی سزا قتل تھی یا بچھ بیوی بغیر کسی مزید سبب کے علیحدہ کی جاسکتی تھی۔

**علوم و فنون** شہروں میں متعدد مدرسے تھے جہاں بچے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ سمیری علم ریاضی کے ابتدا اصولوں سے واقف تھے۔ فن طب کی طرف توجہ دی۔ سمیریوں نے لکھنے کا فن بھی ایجاد کر لیا تھا۔

**اکادی** تقریباً ۲۸۵۰ ق۔ م میں سمیری حکومت ختم ہوتی تو اکادی قوم وادی دجلہ و فرات میں چھا گئی۔ اکادی سامی النسل تھے۔ صدیوں پہلے جزیرہ نما عرب سے نقل مکانی کر کے

وادی دجلہ و فرات کے شمال مغربی گوشہ پر ایک شہر اکادہ (AGADE) بسا کر رہنے لگے تھے اکادی چونکہ غیر تہذیب اور وحشی تھے اس لئے سیاسی غلبہ حاصل کرنے کے بعد بھی سمیریوں کے دست نگر

رہے اور ان کے تہذیبی اثرات کو قبول کرنے پر مجبور ہوئے تھے یہی وجہ ہے کہ مورخین نے اکادی تہذیب کو خالص اکادی تہذیب کہنے کے بجائے سمیری، اکادی تہذیب کے نام سے موسوم کیا ہے اکادی

قوم کے زوال کے بعد کوفہ قاف کا ایک قبیلہ گوتیاں نے (GUTIANS) وادی دجلہ و فرات پر قبضہ کیا اور تقریباً سو سال تک اس علاقے کو لوٹے رہے پھر جب ان کی طاقت کو بھی زوال آیا تو سمیری

اکادی خاندان سے مختلف سرداروں نے مختلف شہروں پر تسلط قائم کر کے نئی ریاستوں کی بنیاد رکھی اور ایک نئے دور میں آغاز کیا جو نیا سمیری دور کہا جاتا ہے اس دور کے مشہور حکمرانوں میں پہلا

نام جو دیا کا آتا ہے جس نے اپنی دینداری اور مذہبی رجحان کی وجہ سے وہ قدر و منزلت حاصل کی کہ اس کی موت کے بعد اس کی قوم اس کو دیوتا کی طرح پوجنے لگی اس حکومت کے بعد ہیلا جی کمر اقتدار

آئے ہیلا جیوں کے زوال کے بعد اموری خاندان پر سمر اقتدار آیا۔ اموری خاندان کے چھٹے بادشاہ حمورابی (HAMURABI) نے دریائے دجلہ اور فرات کی تمام طاقتوں کو زیر

کر کے ایک مضبوط حکومت کی بنیاد ڈالی اور شہر بابل کو وہ عظمت اور رونق عطا کی جو اس سے پہلے شاید ہی کسی شہر کو حاصل ہو سکتی ہے حمورابی کے جانشین نا اہل تھے اس لئے حمورابی کی وفات کے بعد

دوسرے قبیلوں نے اس وادی کو اپنے حملوں کی آماجگاہ بنایا۔ شمال کی طرف آشوریوں نے ایک حکومت کی بنیاد رکھی اور جنوب و مشرق میں ایک قبیلہ کاسی نامی نے ایک چھوٹی سی ریاست قائم کر لی اور بابل حکومت کے جنوبی حصے کو اپنی ریاست میں شامل کرنا شروع کر دیا۔ پھر حیتیوں (HITTITES) نے حملے کر کے اموری خاندان کی حکومت کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ حیتوں کے زوال کے بعد کاسی، سمیری اور اکادی شہروں پر غالب آگئے کاسیوں نے تقریباً چھ سو سال تک وادی دجلہ و فرات میں حکومت کی ان کے طویل دور میں عام طور پر امن و امان رہا، صنعت و تجارت اور زراعت کو ترقی ہوئی۔

چھ سو سال بعد میتانی،

عیلامی

آرمینی قبیلہ ناشی، نے کاسیوں پر حملے شروع کر دیئے اور ان کی طاقت کو پارہ پارہ کر دیا مگر یہ نئے حملے اور خود بھی کوئی باقاعدہ حکومت قائم نہ کر سکے اس لئے کاسیوں کی شکست کے بعد یہ علاقہ بد نظمیوں کا شکار ہوتا رہا اور تقریباً چار سال تک ایک طرح کی طوائف الملکوں کی پھیل رہی اس دور کے حالات پر وہ تاریک ہیں۔

اس حلقہ کے بعد تقریباً ۷۵۰ ق۔ م جبکہ آشوریوں نے طاقت پکڑی تو انہوں نے تمام طاقتوں کا قلع قمع کر کے شہر بابل پر قبضہ کر لیا اور قدیم سمیری اور اکادی شہروں و علاقوں کو اپنی سلطنت میں ملا لیا اور آشوری سلطنت کے زوال کے بعد ایک اور طاقتور سامی قبیلہ جو کلدانی بادشاہ نے میدیوں کی مدد سے آشوری دارالحکومت نینوا، پر قبضہ کر لیا۔ آشوریوں کی شکست کے ساتھ اس علاقہ کی تمام طاقتیں کلدانی اقتدار کے آگے سرنگوں ہو گئیں۔ کلدانیوں کے زوال کے بعد ایرانی بادشاہ سورس اعظم نے میدی حکمران استیا تھیس

کو مغرب کر کے بابل پر چڑھائی کی اور دیار سے دجلہ و فرات کی سرزمین ایران کی وسیع مملکت کا ایک جز بن گئی۔ ایرانیوں کا عروج تقریباً دو سو سال رہا اس کے بعد سکندر اعظم نے ایرانی شہنشاہ دارا سوم کو ہرا کر ایران کو مع عراق یونانی سلطنت میں ضم کر لیا۔

عراق یا وادی دجلہ و فرات کا سیاسی پس منظر بیان کرنے کے بعد بابل اور آشوری تہذیب کا ذکر کیا جاتا ہے۔

دنیا کے قدیم شہروں میں شہر بابل (BABYLON) ایک اہم تہذیب اور

بابل تہذیب

طویل تاریخ کا مالک ہے حضرت مسیح سے تقریباً تین ہزار سال پیش یہ شہر

کلڈانیوں کے نام سے مشہور ہے شمالی علاقوں پر حملہ آور ہوا

دریائے فرات کے بائیں جانب آباد ہوا۔ لفظ بابل دو لفظ "باب" (بہ معنی دروازہ اور "ایل" بہ معنی  
 تاملو سے مرکب ہے یعنی اللہ کا دروازہ، چونکہ یہ دونوں الفاظ سامی ہیں۔ (یا قدیمی عبرانی  
 میں اس لئے یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے اس کو آباد کرنے والے سامی النسل  
 لوگ ہیں۔

### عمورابی کا قانون

جیسا پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ اکادیوں کے بعد اموریوں نے وادی دجلہ فرات  
 پر تسلط قائم کیا ان کے ایک سردار سومو ابور (SUMU-ABU) کی  
 سرکردگی میں کیش تک پھیل گئے اور ایک غیر معروف شہر بابل پر تسلط قائم کر کے ایک نئے شاہی خاندان  
 کی بنیاد رکھی۔ جو بابل کا پہلا شاہی خاندان کہلاتا ہے اسی خاندان کے اندر تقریباً ۲۱۰۰ ق م عمورابی  
 (HUMBARABI) پیدا ہوا جو اس خاندان کا چھٹا بادشاہ سمجھا جاتا ہے اس نے اپنی  
 فوجی عظمت اور طاقت سے تمام مخالف طاقتوں کو زیر کر کے ایک مضبوط شہنشاہیت کی بنیاد رکھی  
 عمورابی کی اہمیت اور شہرت محض فوجی معرکوں اور فتوحات کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کا عظیم نشان  
 کا نام وہ قوانین ہیں جو اس نے وضع کر کے اپنی سلطنت میں نافذ کئے۔

یہ ضابطہ قانون پورے کاپورا ۱۸۹۷ء میں شہر سوسہ کی کھدائی کے سلسلہ میں ایک پتھر پر کندہ  
 دست یاب ہوا ہے یہ پتھر محض دو ملی ستون کی شکل کا ہے اس کی لمبائی سات فٹ چار انچ اور چوڑائی  
 چوڑا ہے پتھر کی دونوں اطراف پر بابل کے قدیم رسم الخط میں قانون کندہ ہے۔ یہ ستون  
 آج کل پیرس کے مشہور لوور میوزیم (LOUVE MUSEUM) میں رکھا ہے۔ عمورابی کے  
 قوانین میں کھار، درزی، معمار، ملاح اور انسانوں کے ڈاکٹر اور مویشیوں کے ڈاکٹر وغیرہ کی کم  
 سے کم اجرتیں مقرر کر دی ہیں۔ نیز مویشیوں اور کشتیوں تک کا کم سے کم کرایہ مقرر کر دیا ہے تاکہ  
 غریبوں پر کوئی شخص زیادتی نہ کر سکے اور ان سے کم اجرت میں یا بلا اجرت کام نہ لے سکے اسی  
 شخص حکومت کے زمانہ کا مقابلہ آج کل دنیا کی جمہوری اور مہذب حکومتوں سے کیا جاتے جن  
 کے زیر سایہ اب تک بیگار کا سلسلہ جاری ہے اور غریبوں کی حالت کمپرسی کی ہے بابل میں  
 غلام کو اجازت تھی کہ اپنی کمائی سے اپنی قیمت اپنے مالک کو ادا کر کے آزاد ہو جائے اور  
 خود جاتے اور مالک نے اس قانون کی رو سے زیورچی کو شوہر سے علیحدگی کا حق مردوں  
 کے برابر ہے اور جاتے اور مالک کی ملکیت اور دیگر اعتبارات سے عورتوں کا مرتبہ اس قدر بلند ہے  
 یورپ کی عورتوں کو اس کی مانند صرف انیسویں صدی سے حاصل ہوا ہے بے حیائی اور زنا کی نراہیں

نہایت سخت تھیں بدکار مرد و عورت دونوں کو پانی میں ڈبو دیا جاتا تھا ایک پجاری عورت اگر شراب کی دکان پر چلی جائے تو اسے زندہ جلادیا جاتا۔ اس قانون کی وضاحت و مطلق قوانین فریج ہیں زراعت آب پاشی، پٹ، بٹائی، اباغبانی، چرائی اور سود وغیرہ سے دنیا کے اس سب سے پہلے لکھے ہوئے قوانین کا جو اس وقت چار ہزار سال پرانا ہے اس زمانہ کی کتاب توریت سے جو حضرت موسیٰ پر کسی صدی بعد نازل ہوئی مقابلہ کر کے دکھایا گیا ہے کہ مورابی کے احکام کی ۳۲ نفعات میں سے ۲۱ نفعات یعنی توریت میں ملتی ہیں۔

**شاہی اختیارات اور نظام حکمرانی** | بابلی حکومت شخصی اور مطلق العنان تھی بادشاہ تمام قوانین سے بالا سمجھا جاتا تھا دستور سے اس کے اختیارات کی حد بندی نہیں کی جاسکتی تھی ریاست کے اندر اس کی ذات سب سے بلند اور مقتدر تھی وہ عدالت کا حاکم اعلیٰ توج کا سردار اعلیٰ اور مذہبی پیشوا تھا اس کے رہنے کے لئے پایہ تخت میں بڑے بڑے تلخے تھے جہاں وہ شان و شوکت اور دیدار کے ساتھ رہتا تھا۔

ملکی انتظام کے لئے ریاست صوبوں اور ضلعوں میں منقسم تھی جس کے اعلیٰ حکام کو خود بادشاہ مقرر کرتا تھا اعلیٰ حکام مقامی سرداروں اور زمینداروں کی مدد سے اپنے علاقے کا انتظام کرتے تھے ہر صوبے میں توج کا ایک دستہ بھی ہوتا تھا جس کا خرچ صوبے کے خرچ سے پورا کیا جاتا تھا بعض علاقوں میں جاگیردار اور زمیندار ہی نظم و نسق کا کام انجام دیتے تھے۔ صوبائی حاکم عہد شاہی مطالبات اور محصولات وصول کر کے بادشاہ کے پاس بھیجتا تھا۔ خرچ اور محصول نقد اور جنس دونوں کی شکل میں ادا کئے جاتے تھے۔

**توج** | بابلی توج جنگی رتھ اور پیادہ سپاہ پر مشتمل تھی ہر سپاہی کے پاس کم از کم تین اونٹ اور چھوٹا تیر اور بھونڈا تھا۔

**عدالتیں** | بابلی عدالتیں تین قسم کی تھیں مذہبی عدالتیں، ۲۱ سرکاری عدالتیں (۱۳ پنچائتیں، آغاز میں مذہبی رسوم کے علاوہ مقدمات کے فیصلے بھی کاہن اور پرمہنسا ہی کرتے تھے۔ بعد میں سرکاری عدالتیں قائم ہوئیں ان عدالتوں میں ہر قسم کے دیوانی اور نوعداری مقدمات کی سماعت ہوتی تھی اور میاں کے قاضی بادشاہ کے مقرر کردہ ہوتے تھے پنچائتی نظام بہت ہی قدیم ہے بابل میں بھی پایا جاتا تھا تقریباً ہر آبادی میں پنچائتیں تھیں جو مقامی مقدمات کی سماعت کرتی تھیں اور ان کے فیصلے بالعموم تسلیم کر لئے جاتے تھے۔ پنچائتوں اور عدالتوں کے فیصلے کے خلاف اپیل کی اجازت بھی تھی اپیل صوبائی اور مرکزی عدالتوں میں ہوتی تھی بادشاہ خود بھی اہم مقدمات کی سماعت کرتا تھا۔

Good

## قوانین

حکومت کے قانون کا ذکر پہلے بھی کر چکا ہے یہ ضابطہ قانون کلڈانی عہد تک ملک میں نافذ رہا، بعض بادشاہوں کے دور میں اس میں تخفیف و تبدل اور ترمیم بھی ہوتی بعض احکام منسوخ بھی ہوتے پھر بھی مجموعی طور پر اس ضابطہ کو ملکی قانونی حیثیت حاصل رہی

## اہل بابل کا مذہب

اہل مذہب کی اساس شرک و بت پرستی پر قائم تھی۔ مختلف کاموں کی انجام دہی پر مختلف دیوتا مقرر تھے۔ قبیلوں اور شہروں کے معبود جدا جدا تھے پھر بھی چند ایک ایسے تھے جو اپنی عالمگیر طاقت کے باعث پوری آبادی کے معبود سمجھے جاتے تھے سب سے بڑا دیوتا "ای" تھا جو عموماً "پھلی نما ہوتا تھا۔ ساتھی زیادہ تر "ای" کے بیٹے "مردوک" کے پجاری تھے۔ مردوک کے علاوہ شمس یعنی سورج اور دوسرے ستاروں اور سیاروں کی بھی پوجا بھی ہوتی تھی جس کی وجہ سے وہ لوگ صابئی یعنی ستارہ پرست کہلاتے تھے بارہ برج کی مناسبت سے "اینو" "ای" اور "بل" کی تثلیث قرار دی گئی تھی، ستارہ پرستوں کی عبادت کا جزو اعظم غسل تھا وہ دن میں تین بار نہا کر عبادت کرتے تھے ان کی عبادت کے اوقات یہ تھے۔

اول صبح صادق سے طلوع آفتاب تک، دوسرے دوپہر کو آفتاب کے عین زوال کے وقت تیسرے شام کو آفتاب غروب ہونے تک ان کا قبیلہ قطب ستارہ تھا۔ اسی طرف رخ کر کے دعائیں مانگتے تھے اور وہ روزہ رکھتے تھے مگر ان کا روزہ یہ تھا کہ کوئی جانور نہ ماریں اور نہ گوشت کھائیں مگر ناقہ کرنا ان کے میاں ممنوع تھا۔ اس لئے وہ اور غذا بہت خوب کھاتے اور دن بھر آرام کر لیتے ہی ان کا روزہ تھا۔ یہ لوگ بھوت پرست اور جادو سے بہت ڈرتے تھے ان سے بچانے کے لئے جادوگر اور عامل ان کے لئے تعویذ بناتے تھے۔

ان کا عقیدہ تھا کہ برائی کرنے پر آسمان کے دیوتا ناراض ہو جاتے تھے اور دنیا پر بیماری قحط نازل ہوتی ہے اس لئے وہ برائی سے اجتناب کرتے تھے۔

اہل بابل کے نزدیک ستاروں کا اثر انسانوں کی قسمتوں پر پڑتا ہے اس لئے ستاروں اور سیاروں کی حرکت کا مطالعہ کرنے کے لئے بلند مندر بناتے جاتے تھے۔

## اخلاق

عقائد اور اخلاق کا گہرا رابطہ ہے۔ عقائد میں جتنا خلوص اور خشنی پاکیزگی ہوگی اخلاق میں ویسی ہی شائستگی شرافت اور لطافت نظر آئے گی، بابل مذہب کی بنیاد شرک بھی تھی اور شرک ہی تمام برائیوں کا سرچشمہ ہے۔ اس وجہ سے اہل بابل ہر قسم کی برائی میں ملوث تھے مذہبی راہنما عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے تھے، عیاشی اور شراب نوشی مذہبی اور قانونی طور پر جائز تھی عورتوں اور مردوں کے آزادانہ میل جول میں کوئی سے حائل نہ تھی ہر مندر



سے کینز عورتیں والبتہ تھیں جو پردہ تنوں کی پیرواں اور لونڈیاں سمجھی جاتی تھیں ملک میں کثرت سے شراب خانے  
 تھے جن کو عورتیں چلاتی تھیں۔ دولت کی فراوانی کو بوسے لوگوں میں خوش وضعی اور ہانکین پایا جاتا ہے  
 مردوں کے فیشن پر نسوانیت غالب تھی نوجوان بالوں کو رنگ لیتے تھے اور عورتوں کی طرح جوڑا باندھنے  
 تھے۔ سرخ غازہ ملتے تھے۔ ہار، کنگن، بالیاں اور اسی طرح کے زیورات پہنتے تھے۔ شریف گھرانے  
 کی عورتیں زیادہ سے زیادہ حسین بن کر دوسروں کے سامنے نمائش کرتی تھیں، رنگاریاں منانے کے لئے  
 ہزاروں اڈے قائم تھے۔ اہل بابل نے عیاشیوں کے اتنے طریقے ایجاد کر لئے تھے کہ ان کو دیکھ کر  
 سکندر بھی حیران رہ گیا تھا۔

عورتوں کی حیثیت اور غلامی | قدیم قوموں کا یہ نظریہ تھا کہ بیٹی باپ کی جائیداد کا ایک حصہ ہے  
 اسے بیٹی کو بیچنے کا حق ہے بابل میں بھی یہی نظریہ کارفرما تھا۔

لڑکے کے نکاح کی ذمہ داری باپ پر تھی وہ اس کے لئے کوئی لڑکی خرید کر لے آتا تھا اور اس سے اس کی شادی  
 کر دیتا تھا عام رواج یہ تھا کہ لڑکے کا باپ لڑکی کے باپ کے پاس جاتا اور اس کی قیمت طے کرتا اور قیمت  
 طے ہو جاتی تو باضابطہ ایک معاہدے کے ذریعے نکاح نامہ تحریر کر دیا جاتا جس پر متعلقہ اشخاص اور گواہوں  
 کی ہر سی شہادت کر دی جاتی۔ باپ کی جائیداد پر چھبڑ کے علاوہ کوئی اور حق نہیں رکھتی تھی وہ قانونی اور مذہبی  
 طور پر ترک اور میراث سے محروم تھی۔ مرد کو طلاق دینے کا حق حاصل تھا وہ کسی غذا اور کسی بنا پر بیوی کو علیحدہ  
 کر سکتا تھا اسے بیوی کو فروخت کرنے اور انہیں رکھنے کا بھی حق حاصل تھا عورت کسی حالت میں بھی اپنی  
 خوشی سے شوہر سے علیحدہ نہیں ہو سکتی تھی اسے قلع کا حق حاصل تھا۔ اگر قلعی سے بھی وہ شوہر سے کہہ  
 دیتی کہ تنم میرے شوہر نہیں ہو تو اسے بڑا جرم سمجھا جاتا اور اس جرم میں اسے ڈبو دیا جاتا۔

بابل میں کثرت ازدواج کا بھی رواج تھا بیویوں، لونڈیوں کی تعداد مرد کی مالی حالت پر منحصر تھی  
 بابل شہروں میں غلاموں اور عورتوں کی خرید و فروخت کے لئے بازار لگتے تھے ان بازاروں باپ اپنی بیٹیوں کو  
 بیچنے کے لئے لے جاتے تھے اور زیادہ داموں پر انہیں فروخت کرنے کی کوشش کرتے اس طرح کی خرید و فروخت  
 مذہبی اور قانونی طور پر جائز تھی۔

تخریروادب | بابل رسم الخط سینی ر... تھا بائیں سے دائیں جانب لکھا  
 جاتا تھا بابل زبان میں نہیں تھے بلکہ Syllables تھے تقریباً تین سو

بجا ایجاد کئے جا چکے تھے۔ بابل ادب میں جانوروں کی کہانیاں، احسانے اور نظیہ طنی ہیں مذہبی نرانوں  
 میں عرض کی سختی سے پابندی کی گئی ہے نظموں میں سب سے دلچسپ مجلس کی رزمیہ نظم ہے جو بارہ ہکستہ

تختیوں پر لکھی ہوئی ہے۔

بابل کا تاریخی ادب تختیوں پر موجود ہے جو شاہی فتوحات امجد کی تبدیلیوں اور شہر کے اہم واقعات پر مشتمل ہے۔

**سائنس** | اہل بابل نے علم نجوم، ریاضیات اور علم ہیئت کے مبادیات سیکھے تھے اپنے دور عروج میں ان شعبوں کو انہوں نے مزید ترقی دی۔ علم نجوم اور علم ہیئت سے ان کو خاص لگاؤ تھا اسی سائنس کی وجہ سے قدیم دنیا میں ان کو شہرت ملی۔

بخت نصر کے عہد تک وہ آنتاب ماہتاب اور زمین کے محور سے واقف ہو چکے تھے اور سب سے پہلے اہل بابل نے ستاروں اور سیاروں کا فرق بتایا تھا اور وہ سیاروں کی چال بہت سے حد تک واقف تھے کہ گرہن کا ٹھیک ٹھیک وقت بتا دیتے تھے انہوں نے وقت کی پیمائش کے لئے دو سو پانچ گھنٹے کی ایجاد کر لیا تھا بابل سال قمری تھا جو بارہ قمری مہینوں میں منقسم تھا اہل بابل نے طب کی طرف بھی توجہ دی تھی مگر اس سائنس کو زیادہ ترقی نہ دے سکے۔

**صنعت، دست کاری اور فنون لطیفہ** | اہل بابل نے صنعت، دست کاری اور فنون لطیفہ میں خوب ترقی کی انہوں نے سوئی اور ادنی کپڑے کے کارخانے

قائم کئے اور طرح طرح کے رنگ وضع سے کپڑے بنانے لگے وہ ظروف، زیورات اور پتھر کی اینٹوں پر جلا دینا چاہتے تھے اس فن میں بھی انہیں بھارت حاصل تھی ان کے بڑھی عمدہ عمدہ کریاں، میزیں، مسہریاں اور دوسرے چوبی سامان تیار کرتے تھے اور ان پر رنگ چڑھانا جانتے تھے ان کو زیورات اور نگینہ سازی سے بھی لگاؤ تھا اہل بابل کے صناعتوں، دھات پگھلانا صاف کرنا اور ڈھالنا جانتے تھے۔

بابل تہذیب میں گانے بجانے اور ناچنے کا بھی رواج تھا ان کے ساز میں سازنگی، بانسری، بربط، شہنائی، ڈھولک، طبلہ، باجھا، ناقوس اور تنبورے شامل تھے۔ مصوری اور سنگ تراشی کا فن بابل میں پایا جاتا تھا۔

**تعمیرات** | اہل بابل نے تعمیرات میں بہت ترقی کی بابل کی تمام عمارتیں اینٹوں کی بنی ہوئی ہیں عمارتوں میں سب سے بلند اور جاذب نظر وہ مینار ہے جو تاریخ میں مینارہ بابل کے نام سے مشہور ہے یہ مینارہ ۷۵ فٹ بلند اور سات منزلوں پر مشتمل ہے مینارہ بابل کے شمال میں تقریباً چھ سو گز کے فاصلے پر بخت نصر کا مشہور آفاق تلہ تھا جو قصر کے نام سے مشہور ہے محل کے قریب ہی مدور دیووں کے اوپر وہ مشہور آدیباں باغ تھا جو زمین سے پچھتر فٹ بلندی پر واقع تھا جس کو یونانیوں نے دنیا کے سات عجائبات میں سے ایک شمار کیا ہے۔

# اشوری تہذیب

**سیاسی پس منظر** | وادی دجلہ و فرات کی دوسری اہم تہذیب کا نام اشوری تہذیب ہے۔ اس تہذیب کو بھی جنم دینے والا اور فروغ دینے والا ایک سامی قبیلہ ہے۔ جو اموریوں کی طرح جزیرہ نما عرب سے ہی اٹھا تھا اور ایک بت کی پرستش کرتا تھا جو آشور (ASHUR) کے نام سے مشہور تھا۔ اس بت کی طرف منسوب ہو کر وہ قبیلہ آشور اور اس کی ریاست آشوریہ کے نام سے مشہور ہوئی۔

اشوریوں نے اس دیوتا کے نام پر ایک شہر بھی بابل سے شمال کی طرف تقریباً تین سو میل کے فاصلہ پر وریائے دجلہ کے کنارے آباد کیا۔ اشوری حکومت کے دور اول میں وہی ریاست کا پایہ تخت رہا۔ مسئلہ دق م کے قریب اس ریاست نے بہت ترقی کی۔ اشور ناصر (نیزر) پال (ASUR - PAL) نے ۸۸۴-۵۹ ق م میں حکومت کی تریسٹھ کی۔ ۲۴ سال حکومت کرنے کے بعد ۸۵۹ ق م میں مرا۔ اشور ناصر پال کی موت کے بعد اس کا جانشین شلمان ناصر دوم (SHALM NASIR II) ۷۲۰-۶۴۵ ق م میں حکمران رہا۔ اس زمانہ میں حضرت یونس تبلیغ مذہب کے لئے نینوا آئے تھے۔ جہاں وہ قید کر لئے گئے۔ اس کے ایک صدی بعد تغل بل سوسوم (TIGLATH PILASER II) نے ۷۴۵-۶۲۵ ق م میں حکومت کی۔ اور اس کے زمانہ میں سلطنت کو بہت عروج ہوا۔ اس نے شہر بابل فتح کیا۔ اس وقت تمام دنیا کی بڑی حکومتوں کے مالک کا جس قدر رقبہ تھا۔ اس میں سے بیالیس فیصد تنہا بابل کی حکومت کے قبضہ میں تھا۔

شاہ موصوف کے بیٹے کی چند سالہ حکومت کے بعد ایک سپہ سالار نے تخت و تاج پر قبضہ کر کے اپنی حکومت کا اعلان کیا۔ سارگن دوم لقب اختیار کیا۔ اس نے بنی اسرائیل پر حملہ کر کے ان کے دس قبائل کو اپنے گھروں سے اجاڑ کر دوسرے علاقوں میں آباد کیا۔ اور مغرب کی طرف سلطنت کو بہت وسیع کیا۔ اشور بنی پال (ASHUR BANI PAL) نے ۶۴۵-۶۲۵ ق م میں مصر و شام سے لیکر ایران تک اور ارمینیا سے لے کر شمال عرب تک حکومت کی۔ اس نے پہلی بار لڑنے کے ہتھیار استعمال کئے۔ شاہ مذکور نے نینوا میں عظیم الشان کتب خانہ قائم کیا۔ جس کی دس ہزار لکھی ہوئی اینٹیں پچھلے زمانہ میں برآمد ہوئی ہیں۔ اس کے انتقال پر نینوا کی حکومت ختم ہو کر پھر بابل کی طرف منتقل ہو گئی۔

## طرز حکومت

اشوری حکومت شخصی اور مطلق العنان تھی۔ باپ کے بعد بیٹے کی تخت نشینی کا رواج تھا۔ عموماً بڑا بیٹا باپ کی جگہ لیتا تھا۔ مگر بڑے بیٹوں کی موجودگی میں چھوٹے کی جانشینی کی مثال ملتی ہے۔

## فوجی تنظیم

بڑی تعداد میں فوج رکھی جاتی تھی۔ فوجی افسر بڑی بڑی جاگیروں کے مالک تھے۔ ان کی فوجیں اس دور کے جدید اسلحہ سے آراستہ ہوتی تھیں۔ ان کے اسلحوں میں تیرکمان، برچھے، بھالے، نیزے، تیغے، گرز، کلہاڑے، گندھے اور مہینت تھے۔ اشوری فوج، رنڈھ سواروں، گھوڑے سواروں، پیادہ اور قلعہ شکن دستوں پر مشتمل تھی۔

## مذہب و اخلاق

اشوری مشرک اور بت پرست تھے۔ ان کا سب سے بڑا اہم اور قومی دیوتا اشور (ASHUR) تھا یہ سورج دیوتا (SUN GOD) تھا۔ جو نہایت جنگجو اور دشمنوں کے مقابلے میں بڑا ظالم سمجھا جاتا تھا۔

اشور کے علاوہ وہ چند سمیری اور بابلی معبودوں مثلاً شمس، بیل، عشر، نار کی بھی پرستش کرتے تھے۔ اشوری معاشرہ پر مذہب کا اثر بہت ہلکا اور سطحی تھا۔ مذہبی امور کو انجام دینے کے لئے گوپردہتوں کا ایک طبقہ موجود تھا۔ مگر اس کے اثر و اقتدار کا دائرہ بہت مختصر تھا۔ اشوریوں کی صرف ایک مذہبی کتاب دستیاب ہوئی ہے۔ جس میں بدشگونوں کی ایک فہرست ہے اور ان سے بچنے کی تدابیر درج ہیں۔

اشوری ایک جنگجو اور سفاک قوم تھی جب کسی قوم پر فتح حاصل کر لیتی تو مردوں، عورتوں بچوں کو تہ تیغ کر دیتے یا قید کر کے غلام بنا لیتی۔ ظلم و سفاکی کے ساتھ ان میں دوسری اخلاقی برائیاں بھی تھیں۔ شراب نوشی، عیاشی عام تھی۔ طوائف کا پیشہ ان کے نزدیک معیوب نہ تھا۔ بیویوں کی تعداد پر کوئی پابندی نہ تھی۔ عورتوں کی فروخت و خرید ہوتی تھی۔ مرد اپنی بیویوں کو بیچنے کا حق رکھتا تھا۔ عورتوں کی حیثیت

بابل کی نسبت وہاں زیادہ گری ہوئی تھی۔

## قوانین اور عدالتیں

جنگ، عدلیہ، انتظامیہ میں بدعظم تھا۔ بادشاہ عدلیہ کا حاکم اعلیٰ تھا۔ چونکہ مذہبی پیشوا اور دیوتا کا اقرار بھی تھا۔ اس لئے اس کا ہر حکم قانون اور خدائی ارادہ کا منظر تھا۔ اس کی اطاعت لازمی تھی۔

شہروں میں بادشاہ کے مقرر کردہ حکام اور جاگیردار تھے۔ جو عدالتی فراتن انجام دیتے تھے۔

مذہبی نوعیت کے مقدمات کا فیصلہ کرنے کا حق پر وہتوں کو بھی حاصل تھا۔

اشوری قوانین سامری اور بابلی ضابطہ قانون سے ماخوذ تھا۔ بعض حالتوں میں ان کے قوانین زیادہ سخت تھے۔ سزاؤں میں درے لگانا، کان کاٹنا، آنکھیں نکالنا، زبان کھینچ لینا، صلیب پر چڑھانا، زندہ جلادینا، پانی میں ڈبو دینا اور قتل کرنا شامل تھا۔ زنا بالجبر، چوری اور ڈاکہ زنی سنگین جرم سمجھے جاتے تھے۔ اسقاطِ حمل ان کے نزدیک سخت گناہ تھا۔ اس کو کشش میں کوئی عورت مر بھی جاتی تو اس کی لاش کو صلیب پر لٹکا دیتے تھے۔

**علم و ادب** اشوری مینی بال کے کتب خانے کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے۔ اس زمانہ میں اتنی تختیوں کو اکٹھا کرنا علمی ذوق کا ثبوت دیتا ہے۔ اور یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ علمی ذوق ان میں بڑھا ہوا تھا۔ ان تختیوں میں ادب، لغت، تاریخ اور سائنس کا مواد پایا جاتا ہے۔ اشوری لکھنا پڑھنا بنائے تھے۔ کھنے کا فن انہوں سے ارمیوں سے سیکھا تھا۔

**سنگ تراشی** فنِ حرب کے بعد دوسرا فن جس کو آشوریوں نے خاص طور پر ترقی دی، سنگ تراشی ہے۔ ان کے سنگ تراشی کے نمونے بکثرت دستیاب ہوئے ہیں۔ بادشاہوں کے جنگی کارنامے وسیع منگلی تھما دیو کے ذریعے دکھائے گئے ہیں۔ بادشاہوں کے مجسموں میں آشور ناصر بال دوم کا مجسمہ سب سے دلکش ہے۔ اس فن کی تمام خوبیاں اس میں پائی جاتی ہیں۔ آج کل یہ مجسمہ برطانیہ کے عجائب گھر میں رکھا ہوا ہے۔

**تعمیرات** آشوریوں نے تعمیرات کے فن کو بھی ترقی دی۔ آشوری بادشاہوں نے بڑے بڑے محلات اور عمارتیں بنوائیں۔ اب صرف نشانات ملتے ہیں۔ سرخون دوم نے ایک عظیم قلعہ نینوا کے شمال مشرق میں بنوایا۔ یہ عمارت پچیس ایکڑ قطعہ ارض میں واقع ہے۔ اس کا احاطہ ایک میل مربع تھا۔ اسی طرح ایک محل ساختریب نے بھی بنوایا۔ جسکو وہ "بے نظیر" کہا کرتا تھا۔

**دستکاری و ہنر** آشوریہ میں بڑے بڑے ماہر کارِ یگرِ صنایع اور اہل ہنر موجود تھے وہ اینٹوں اور ظروف پر پالش کرنا، جلادینا اور رنگ چڑھانا جانتے تھے۔ آبنوس اور ہاتھی دانت کا سامان تیار کرتے تھے۔ ان کے کارِ یگرِ طرح طرح کے چمبی سامان بناتے تھے جو سونے چاندی سے منڈھے ہوئے اور جواہرات سے مزین ہوتے تھے۔

**صنعت اور کارخانے** آشوریہ میں صنعت اور کپڑے کے بڑے بڑے کارخانے تھے۔ اسلحہ پتیل اور تانبے کے ظروف، مجسمے کثرت سے بنتے تھے۔

اشوریہ زراعتی ملک تھا۔ گیہوں، جو، باجرہ، تیل کے بیج اور والیں پیدا ہوتی تھیں۔

**زراعت**

زرعی اور صنعتی ملک ہونے کی وجہ سے تجارت کو بہت فروغ ہوا تھا۔ اشوریہ سلطنت کی مصنوعات اور نارج باہر جاتا تھا۔

**تجارت**

## فلسطین

فلسطین ایک چھوٹا سا ملک صرف ڈیڑھ سو میل لمبا اور سچاس میل چوڑا ہے۔ زمانہ قدیم میں اس خطہ کی اہمیت اس وجہ سے تھی کہ وہ مصر، شام اور بابل کی عظیم الشان حکومتوں کے درمیان واقع تھا۔ اور ان ممالک کا گزرگاہ تھا اس لئے وہاں کوئی پائیدار اور مستقل حکومت قائم نہ ہو سکی۔ اور جب ہوتی تو بڑے پایہ کی ہوتی۔

فلسطین کی دوسری اہمیت اس وجہ سے تھی کہ وہاں یکے بعد دیگرے کثیر التعداد پیغمبر مبعوث ہوئے۔ جن کی وجہ سے وہ بڑا مرکز بن گیا۔ یہودیوں کی روایات کی رو سے فلسطین ابتدا میں حضرت نوح کے پوتے اور ہام کے بیٹے کنعان اور اس کی اولاد کا مستقر تھا۔ اس نام کی مناسبت سے فلسطین کے اس حصہ کو کنعان کہا جاتا تھا۔ جو دریائے اردن کے مغربی کنارے بحیرہ روم کے ساحل تک پھیلا ہوا تھا۔ جسے آج کل فلسطین کہتے ہیں۔ یہاں کے باشندے کنعانی یا فینیقی کہلائے۔

فینیقی (PHOENICIAN) فینیقیوں نے جہاز ران، صنایع اور تاجر ہونے کی حیثیت سے دنیا میں بے مثال شہرت حاصل کی۔ فینیقی بہت بڑے من چلے تھے۔ وہ سمندر کے کنارے آباد تھے۔ ان کی توجہ بحری تجارت کی طرف ہوئی۔ ساحل شام پر صور اور حیدان کی مشہور بندرگاہیں تھیں۔ جہاز تیار کر کے انہوں نے پہلے اپنا مال جزیرہ قبرص میں پہنچایا۔ جو زیادہ دور نہ تھا۔ آہستہ آہستہ آگے بڑھتے بڑھتے جزیرہ کریٹ میں گئے پھر افریقہ اور یورپ کے ساحلوں پر جا بجا تجارتی کوٹھیاں بناتے اور سسلی (صقلیہ) کارسیکا، سارڈینیا ہوتے ہوئے اسپین تک جا پہنچے۔ بلکہ جبل طارق سے گزر کر یورپ اور افریقہ کے مغربی ساحلوں پر بھی تجارت کے مراکز قائم کئے۔ ایشیا میں ان کی تجارت بین کے راستے ہندوستان تک تھی۔ دوسری طرف تھفاز تک ان کے تعلقے جاتے تھے۔ واسکو ڈی گاما (VASCO-DE-GAMA) نے تقریباً دو ہزار سال قبل، سن ۱۴۹۸ء میں انہوں نے راس امید کار راستہ

معلوم کر لیا تھا۔

**فلسطین میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آمد** | حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق کے شہر قدان آرام میں بائیسویں

صدی قبل مسیح ازر کے گھر میں پیدا ہوئے۔ مگر تورات کے مطابق حضرت ابراہیم شہر عور کے باشندے اور تارج کے بیٹے تھے۔ ولدیت کے اس اختلاف کی وجہ سے تومولوی حفظ الرحمن صاحب سیر ہاروی نے اپنی کتاب قصص القرآن میں بتائی ہے کہ اوار کالدی زبان میں بڑے پجاری کو کہتے ہیں۔ اور عربی میں یہی ازر کہلایا۔ تارج بت تراش اور سب سے بڑا پجاری تھا۔ اس لئے ازر کے نام ہی سے مشہور ہو گیا۔ حالانکہ یہ نام نہ تھا بلکہ لقب تھا۔ چونکہ لقب نے نام کی جگہ لے لی تو قرآن عزیز نے بھی اسی نام سے پکارا۔ جب عراق کے بت تراش بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سچی خدا پرستی کی بنا پر وطن سے نکال دیا۔ تو آپ اپنی بیوی سارہ کو ساتھ لے کر فلسطین پہنچے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید کی اشاعت کے لئے دو بڑے مرکز قائم کئے۔ ایک مرکز کعبہ تھا۔ جس کے آس پاس مکہ معظمہ آباد ہوا اور اپنے بڑے بیٹے اسماعیل کو اس کی نگرانی سونپی۔ دوسرا مرکز فلسطین تھا جس کی تولیت اپنے دوسرے لڑکے حضرت اسحاق کے سپرد کی۔ حضرت اسحاق کے بیٹے حضرت یعقوب تھے۔ جن کا دوسرا نام اسرائیل تھا۔ ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد بنی اسماعیل مشہور ہوئی۔

**بنو اسرائیل مصر میں** | فلسطین میں قحط پڑ گیا۔ جس سے تنگ آکر اسرائیل مصر گئے اور وہاں رہ

پڑے۔ وہاں کے قیام کے زمانے میں حضرت یوسف جو حضرت یعقوب کے بیٹے تھے۔ مصر کے وزیر ہو کر عزیز مصر کہلائے۔ آپ کے عزیز مصر ہو جانے کے چند سال بعد آپ کا خاندان بھی مصر منتقل ہو گیا۔ اور اس مقام پر آباد ہوا جسے "جشن" یا "گوشن" (GOSHEN) کہتے ہیں۔ آپ نے تقریباً اسی سال مصر پر حکومت کی۔ بائبل کی روایت کے مطابق ایک سو دس سال کی عمر میں وفات پائی۔ اور ان کی وجہ سے بنی اسرائیل کو وہاں بڑا عروج ہوا۔ اس زمانہ میں سامیوں کے خاندان "ہیکسوس" کی حکومت تھی۔ جب انکی حکومت ختم ہو کر پھر قدیم مصریوں کی حکومت قائم ہوئی۔ تو فرعون وقت نے اسرائیل پر بڑے مظالم ڈھائے۔ تب خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا جو چھ لاکھ بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے رستہ رستہ میں نکال لائے۔

**یہودیت کی تاریخ** | حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو یکر مصر سے نکلے اور کہ سینا کے

قریب چیسہ زن ہوئے۔ یہاں تقریباً ایک سال ٹھہرے اور یہیں آپ کو حکم ہوا کہ فلسطین کی طرف بڑھ کر اسے فتح کر لیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے بارہ اشخاص کو راض کنعان و فلسطین کی حالت دریافت کرنے کیلئے بھیجا۔ وہ چالیس دن کے بعد واپس آئے اور کل حال بیان کیا۔ ان میں سوائے کالب اور یوشع کے بقیہ وس نے یہ اطلاع دی کہ وہاں کے باشندے بڑے قد آور اور جنگجو ہیں ان کا مقابلہ کرنا سخت دشوار ہے یہ سن کر بنی اسرائیل گھبرا گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صاف کہہ دیا کہ وہ لوگ ہرگز فلسطین کی جانب نہیں جائیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں بہت تسلی دی کہ خدا نے وہ علاقہ بنی اسرائیل کو دینے کا وعدہ کیا ہے اس لئے وہ ضرور کامیاب کئے گا۔ ان کو بہت سے کام لینا چاہیے۔ مگر بنی اسرائیل آگے بڑھنے پر رضامند نہ ہوئے۔ اور آخر میں یہ کہہ دیا کہ "اے موسیٰ! جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں ہم ہرگز نہیں جائیں گے۔ پس تم اور تمہارا رب دونوں جاؤ اور لڑو۔ ہم نہیں بیٹھتے ہیں (القرآن) ان کے اس انکار اور سرکشی کے جرم میں خدا نے چالیس سال کے لئے ان پر سکت اور ذلت مسلط کر دی۔ چنانچہ چالیس سال تک دشت سینا میں مارے مارے پھرتے رہے۔ اسی بلویہ پیمائی کے زمانے میں حضرت موسیٰ پر دس مشہور احکام اور عبادت و سیاست سے متعلق دوسرے احکام نازل ہوئے۔ جو کتب مقدسہ میں درج ہیں۔ اور یہیں بنی اسرائیل نے مری کے بسکانے پر بچپڑے کی پرستش شروع کر دی۔ اس چالیس سال کے عرصے میں وہ تمام لوگ سوائے کالب اور یوشع کے بن کی عمر مصر سے خروج کے وقت بیس سال تھی۔ انتقال کر گئے۔ حضرت موسیٰ اور ہارون کا بھی انتقال ہو گیا۔ چالیس سال بعد نئی نسل یوشع کی سرکردگی میں آخر فلسطین کے علاقے میں داخل ہوئے۔ پہلے اس ریجن (JERCHO) کو فتح کیا۔ اس کے بعد یعنی خروج سے تقریباً ۵۰ سال بعد فلسطین کو شکست دی کہ فلسطین کے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ یہاں سے ان کی سیاسی زندگی کا آغاز ہوا۔ مگر اوائل میں انکی حکومت قائم ہوئی وہ بہت ہی مختصر علاقے کے اندر محدود تھی۔ اس کا سربراہ بنزہ قاضی ہوا کرتا تھا جو مقدمات کے فیصلے اور کاروبار کی دیکھ بھال کیا کرتا تھا۔ اس طرح قبائلی باعداتی نظام تقریباً تین سال تک چلتا رہا اس کے بعد بنی اسرائیل کی ایک سلطنت وجود میں آئی۔

۲۰۔ ق م بنو اسرائیل نے اپنے نبی سموئیل (SAMUA) سے درخواست کی کہ ان کے لئے بادشاہ مقرر کرے۔ چنانچہ طالوت بادشاہ مقرر ہوا۔ ۱۰۰۰ ق م میں طالوت نے وفات پائی۔ ان کے بعد ۱۰۰۰ ق م میں حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہ بنے۔ ۹۶۰ ق م میں وفات پا گئے۔ حضرت داؤد نے یروشلم کے قدیم شہر کی از سر نو تعمیر کی۔ ۹۶۰ ق م سے ۹۲۵ ق م



تک حضرت سلیمان علیہ السلام کا زمانہ ہے۔ انہوں نے قلعہ سلیمانی اور بیت المقدس کی تعمیر کی۔ بیت المقدس کی تعمیر میں سات سال لگے۔ حضرت سلیمان کے انتقال کے بعد بنی اسرائیل کی سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی۔ شمالی حصہ میں بنی اسرائیل کے دس قبیلے آباد تھے اس کا نام سلطنت اسرائیل تھا اور اس کا دارالخلافہ سامریہ (SAMARIA) تھا جس کو عمری بادشاہ اسرائیل (OMARI) نے آباد کیا۔

جنوبی سلطنت کو سلطنت جوڈا (JUDAH) کہتے تھے اور بن یامین (BENJAMIN) کی اولاد ہوتی تھی۔ اس کا دارالخلافہ یروشلم رہا۔ یہ دونوں سلطنتیں ہمیشہ برسرِ پیکار رہیں باہمی جنگ و قتال کی وجہ سے ہمسایہ سلطنتوں نے خوب نائدہ اٹھایا۔ ۱۶۱۶ ق۔ م میں شاہاں آشور بنی اسرائیل کے دس قبیلوں کو گرفتار کر کے لے گئے اور آشور اور میدیا کے درمیان انہیں آباد کیا اس طرح ۵۸۶ ق۔ م میں بابل کے بادشاہ نبخت نصر نے اہل فلسطین کی سرکشی اور محصول نہ دینے کے قصور میں یروشلم پر حملہ کیا مسجد بیت المقدس کو برباد کیا اور نین سرواروں پر مقدمہ قائم کر کے معہ دس ہزار یہودیوں کے بابل لے گیا یہ لوگ وہاں پچاس سال رہے ۵۳۶ ق۔ م میں ایران کے بادشاہ کیمخسرون نے بابل کو شکست دے کر یہودیوں کو قید سے رہائی دلائی اور یہ لوگ اپنے وطن میں واپس آئے تب حضرت دانیال نے برباد شدہ بیت المقدس کی از سر نو تعمیر شروع کی مورخین کا خیال ہے کہ بنی اسرائیل کو قید بابل کے زمانہ میں جہاں ایرانیوں کی حکومت تھی پوری آزادی تھی۔ اس آزادی نے ان کے تمدن و معاشرت کو بلند کیا اور ان میں قومی احساس پیدا کیا اسی زمانہ میں جوہم ۴۴۴ ق۔ م کے قریب تھا ان کے پیشواؤں کو صحائف آسمانی جمع کرنے کا خیال پیدا ہوا اس بارہ میں حضرت عزرا اور ہزقیل کے نام خاص طور پر آئے ہیں جنہوں نے عہد نامہ قدیم کی ترتیب دی

یہودی عقائد اور رسوم یہودی اہل کتاب میں اور شریعت موسوی کی پیروی کرتے ہیں چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توحید کی تعلیم دی تھی اس لئے یہو موحد سمجھے جاتے ہیں مگر ان کا خدا یعنی یہو و یا یہوہو صرف بنی اسرائیل کا خدا ہے کبھی بھی ان کے ذہن میں ایک قادر مطلق رب العالمین کا تصور جگہ نہ پاسکا۔ انہوں نے خدا کی رحمانیت کو بنی اسرائیل کے لئے محدود اور اس کی تپاہینا اور عذابِ خیر اسرائیل کے لئے منحصر کر دیا ہے۔ توحید کا صحیح تصور ذہن میں نہ آنے کی وجہ سے یہود اکثریت پرستی میں مبتلا ہوئے خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں

سامری کے بہکانے پر بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ بعد ازاں حضرت عزیر کو جو دین موسوی کے مجدد تھے اتنی تعظیم و تکریم کی کہ ان میں سے بعض نے ان کو خدا کا بیٹا (ابن اللہ) بنا لیا۔ یہود آخرت اور رسالت پر ایمان رکھتے ہیں اور رسل کے پیرو ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

یہود کے مذہبی رسوم میں قربانی اور ختنہ کو اہمیت حاصل ہے۔ یوم السبت یعنی ہفتہ کا دن متبرک اور محترم سمجھا جاتا ہے۔ دوسری اہم رسوم یہ ہیں کہ جب کوئی ان کے مذہب میں داخل ہوتا تو اسے غسل دیتے اس کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ گناہوں سے پاک ہو گیا ہے۔ اس رسم کو مذہبی اصطلاح میں "اصطباغ" یا پستہ کہتے ہیں۔

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کے احکام عشرہ

- ۱۔ میرے سوا کسی دوسرے کو معبود نہ بنانا۔
- ۲۔ کسی جاندار کی صورت نہ بنانا اور اسے سجدہ نہ کرنا۔
- ۳۔ خدا کے نام کی تعظیم کرنا۔ بے فائدہ اس کا نام نہ لینا۔
- ۴۔ سبت کے دن کی تعظیم کرنا۔ چھ دن کام کرنا اور ساتویں دن کوئی کام نہ کرنا۔
- ۵۔ خون نہ بہانا۔
- ۶۔ ماں باپ کی عزت کرنا۔
- ۷۔ زنا نہ کرنا۔
- ۸۔ چوری نہ کرنا۔
- ۹۔ اپنے پڑوسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دینا۔
- ۱۰۔ اپنے ہمسایہ کے مکان، بیوی، خادم، خادمہ، مویشی اور چیز کی طرف لالچ کی نگاہ نہ ڈالنا۔

## عیسائیت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ پیدائش اور جائے پیدائش کے متعلق بہت اختلاف ہے۔ اگر مشی کی انجیل کے مطابق احتیاط سے حساب لگایا جائے تو حضرت مسیح کی پیدائش کا زمانہ ۹۸ء اور ۱۰۰ء قبل مسیح کے درمیان ہے۔ موجودہ تحقیق کی رو سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش گیلی (GALILEE) کے علاقہ میں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا،

جس کا نام یہودی کتب میں بیتھلین الناصریہ (BETHLEHEN-EN-NOSIRYAH) لکھا ہے اس گاؤں میں مریم اور ان کی بہن کا آبائی مکان تھا۔ جب حضرت مریم حاملہ ہوئیں تو وہ بیت اللحم کے قصبہ میں اس آبائی مکان میں اپنی بہن کے پاس آگئیں۔ انجیلوں میں حضرت عیسیٰ کو کئی ایک جگہ یسوع گیلیلی والا یسوع ناصری کہا گیا ہے۔ لوقا (۲: ۱۶) میں لکھا ہے کہ یسوع کا اپنا شہر ناصرہ (NAZARETH) تھا۔ جہاں وہ پیدا ہوئے اور پرورش پائی۔ بائبل کی انسائیکلو پیڈیا (COL. ۳۳۶) میں صاف لکھا ہے کہ مسیح بیت اللحم جو ڈا میں نہیں بلکہ ناصرہ میں پیدا ہوئے۔

ان کی پیدائش اعجازی رنگ میں بغیر باپ کے ہوئی۔ یہودیوں نے اس وجہ سے آپ کی والدہ حضرت مریم پر تہمت لگائی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو حکم دیا کہ جب لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بارہ میں سوال کریں تو تم صرف یہ کہہ دو کہ یہ بچہ خود سب کچھ بتائے گا۔ چنانچہ جب حضرت مریم سے دریافت کیا گیا۔ تو اس کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے خود بچہ کی زبان سے کرانی۔ تَلَا اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اِسْتٰی اَلْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا (مریم ۱۹: ۳۰) عیسیٰ نے کہا میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا۔ جب حضرت مسیح علیہ السلام تیس سال کے ہوئے تو انہوں نے یوحنا سے پتہ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اسرائیل کی ہدایت کے لئے نبی بنا کر بھیجا۔ آپ یہود کی ضلالت اور برائیوں کی نشاندہی کرتے تھے اس لئے وہ آپ سے برہم ہوئے۔ یہودی علمائے ان پر حکومت کا باغی ہونے کا الزام لگایا اور رومی گورنر سے پھانسی کی سزا کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ سلطنت روم کے مقامی گورنر پلاطوس نے یسوع مسیح کو صلیب پر لٹکا دینے کی سزا کا حکم صادر کر دیا۔ قرآن مجید کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی طرف اٹھایا۔

**اناجیل** عیسائیوں کی مقدس کتاب انجیل ہے۔ انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے کافی دیر بعد لکھی گئی۔ چار مختلف اشخاص نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال کو مرتب کیا۔ اس لئے اناجیل کی تعداد چار ہے۔ انجیل مٹی، مرقس، لوقا اور یوحنا۔ یہ چاروں صحیفے عہد نامہ جدید کے اندر شامل ہیں۔ اور بائبل کا ایک حصہ ہیں۔

انجیل مٹی کے زمانہ تالیف کے متعلق عام نظریہ یہ ہے کہ یہ ۳۰ء اور ۷۰ء کے درمیان تالیف ہوئی۔ لیکن پروفیسر ہارنگ کی تحقیق کے مطابق اس کا زمانہ تالیف ۳۰ء اور ۷۰ء کے درمیان ہے۔ انجیل مرقس کا زمانہ تالیف ۷۰ء اور ۸۰ء کے درمیان ہے۔ انجیل لوقا کا زمانہ تالیف ۸۰ء کے قریب ہے۔ انجیل یوحنا کا سن تالیف ۹۰ء سے لے کر ۱۰۰ء

تک بیان کیا جاتا ہے۔ یہ چاروں اناجیل مرتبہ کے ناموں سے منسوب کی گئی ہیں

دوسرے انبیاء کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم بھی توحید، اخوت، جزا و سزا اور ایمان بالرسالت پر مبنی ہے۔ آپ نے فروتنی، عاجزی، قناعت اور صبر پر زیادہ زور دیا ہے۔

## تعلیمات

توحید :- انجیل مرقس میں لکھا ہے مدائے اسرائیل سن! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے اور تو خداوند خدا سے اپنے سارے دل سے اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ

اخوت - جزا و سزا :- منی میں لکھا ہے کہ فرشتے بدکاروں کو اس کی بادشاہی میں سے جمع کریں گے اور ان کو آگ کی بھٹی میں ڈال دیں گے۔ وہاں رونا اور دانت پینا ہوگا۔ اس وقت راست باز لوگ اپنے باپ کی بادشاہی میں افتاب کی مانند چکیں گے،

دریسوع نے پکار کر کہا کہ جو مجھ پر ایمان لاتا ہے وہ مجھ پر نہیں بلکہ میرے بھیجنے والے پر ایمان لاتا ہے۔

## ایمان بالرسالت

انجیل منی میں لکھا ہے "مبارک ہیں وہ جو دل کے غریب ہیں جو علیم ہیں۔ راست بازی کے بھوکے اور پیاسے ہیں جو رحم دل ہیں جو پاک دل ہیں جو صلح کرتے ہیں۔ جو راست بازی کے سبب تھائے گئے۔"

## اخلاقی تعلیم

آپ نے فرمایا "تم نے سنا ہے کہ جیسا کہ کہا گیا ہے آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت۔ مگر میں تم سے کہتا ہوں کہ تم شریک کا مقابلہ نہ کرو بلکہ جو کوئی تیرے دائیں گال پر طمانچہ مارے تو تو دوسرا بھی اس کی طرف موڑ دے اور اگر کوئی تجھ پر نالیش کر کے تیرا کرتہ لینا چاہے تو تو اپنا چغہ بھی اسے دے دے اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگاری میں لے جائے تو تو دو کوس اس کے ساتھ چلا جا۔"

سینٹ پال (پوس) کی ابتدائی زندگی کے حالات تقریباً پردہ تاریک میں ہیں البتہ کتاب اعمال اور اس کے خطوط سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابتدا میں ایک کٹر فریسی یہودی تھا۔ اور اس کا نام ساؤل تھا۔ اور یہ روم کے شہر کورنٹھس

## سینٹ پال کی تعلیمات

کا باشندہ تھا۔ مسیح کی زندگی میں آپ کا مخالف تھا۔ اور شب و روز انہیں تکالیف پہنچانے اور ان کی بیخ کنی میں مصروف رہتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے بعد اپنا نام ”پولس“ رکھ لیا۔ موجودہ عیسائی مذہب کے بنیادی عقائد و نظریات کا بانی یہی شخص ہے۔ وہ عقائد حسب ذیل ہیں **عقیدہ تثلیث** :- اس عقیدہ کی رو سے الوہیت کے تین اقنوم ہیں باپ (خدا) بیٹا (عیسیٰ علیہ السلام) اور روح القدس۔ ہر ایک الگ الگ ہستی کا مالک، قادر، مطلق، ابدی، اور نامخلوق ہے ہر ایک اپنی الگ حقیقت میں خدا ہے۔ پھر بھی خدا ایک ہی ہے۔ عیسائیوں کے عقیدہ کی رو سے تینوں خدا صفات میں برابر و مساوی ہیں

جارج ولیم فاکس مصنف مضمون عیسائیت انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے تبصرہ کے مطابق **”عقیدہ تثلیث کا فکری سانچہ یونانی ہے اور یہودی تعلیمات اس کے اندر ڈھالی گئی ہے“**

عیسائیوں کے نزدیک ہر انسان پیدا ہونے کا گناہ ہے آدم اور حوٰنہ جو گناہ **موروثی گناہ** کیا وہ دراصل ہر شخص کی فطرت میں چلا آ رہا ہے۔ جس وجہ سے ہر شخص گناہ گار ہے **کفارہ** اس عقیدہ کی رو سے خدا کے عدل کو اس موروثنی گناہ کے غم سے میں خون کی قربانی درکار تھی یہ قیمت یسوع مسیح نے ادا کی یسوع مسیح نے صلیب پر جان دے کر تمام بنی آدم کے گناہوں کا کفارہ ہو گئے ہیں اور ان کے لئے نجات کا موجب بن گئے ہیں۔

**مسیحیت کی ابتدائی تاریخ** ابتدائی صدیوں کے ابتداء اور امرانہ دور میں مسیحیت کی اشاعت نہ ہوئی۔ رومی اقتدار کے تنزل کے ساتھ ہی عیسائیت کی اشاعت شروع ہو گئی۔ ہر ملک کے دوسرے مذاہب کے بالمقابل یسوع مسیح کی دلآویز شخصیت اس مذہب کی ترقی اور ترویج میں مدد و معاون رہی۔ اس وقت کے تمام مذاہب کے بانیوں میں سے کسی کا کردار اتنا بلند اور ارفع نہ تھا۔ جتنا مسیحیت کے بانی کے باوجود مسیحیت اس وقت تک کامیاب نہ ہوئی۔ جب تک اس نے اپنے مد مقابل مذاہب میں سے بہت کچھ اخذ نہ کیا جس وجہ سے یسوع مسیح کا مذہب اپنی اصلیت کھو بیٹھا۔

چوتھی صدی میں قسطنطین پہلا رومی بادشاہ ہے جس نے عیسائیت اختیار کرنے کے بعد ۳۲۵ء میں مذہب تثلیث کو اصل عیسائیت اور سرکاری مذہب قرار دیا اس نے اشاعت عیسائیت میں زبردست حصہ لیا۔ نیفہ میں اس نے ایک کونسل بلوائی جہاں انجیل کو مدون و مرتب کیا گیا ۳۳۵ء میں قسطنطین کی وفات کے بعد چرچ کو رومی حکومت پر پورا تسلط حاصل ہو گیا عیسائیت

کی اشاعت سرعت کے ساتھ ہونے لگی۔ جبراً، حرباً، حتیٰ کہ ہندوستان میں بھی عیسائیت کو فروغ نصیب ہوا۔

یسوع کے فوراً بعد جب اس کا مذہب یونانی ماٹل یہودیوں میں پھیلا۔ مسیحیت دو فرقوں میں بٹ گئی۔ ۱۔ یہودی مسیحیت جس کا صدر مقام یروشلم تھا۔ یہ گروہ کم و بیش یسوع کی صحیح تعلیم سے وفادار رہا ان کے عقائد کی خصوصیات یہ تھیں۔ ۱۔ وحدت ذات پر ایمان ۲۰۔ یسوع کو ہی یہودیوں کا یسوع مانتے تھے۔ ۲۔ شریعت موسوی کی پیروی کو بھی ضروری سمجھتے تھے۔

۲۔ یونانی مسیحیت :- انہوں نے یونانیوں کے بہت سے مذہبی عقیدے اور رسوم اپنائیں اور یسوع کو قربانی کا برہ مانتے اور یہ ایمان رکھتے تھے کہ اس کی صلیبی موت سے انسان کے موروثی اور دوسرے گناہوں کا کفارہ ہو گیا ہے انہوں نے یسوع کو کلام ختم بھی بنا دیا۔ علاوہ انہیں اس فرقے نے مسیحیت کے دروازے غیر یہودیوں پر بھی کھول دیے۔ اور موسوی شریعت اور رسوم کا خاتمہ کر دیا۔ اس کی تعلیمات مسیحی کلیسا کے بنیادی عقیدوں کی حیثیت اختیار کر گئیں جو تین عقیدوں سے مترشح ہے۔ تثلیث، موروثی گناہ، کفارہ، ان عقائد کی تشریح سے گزر چکی ہے۔

مشرقی کلیسا جو کٹر یونانی (ORTHODOX GREEK CHURCH) کہلاتی ہے یہ کلیسا مرکز بیت اور پایائیت کی قائل نہ تھی اور چودہ مختلف کلیساؤں پر مشتمل تھی۔ اور جزیرہ تانہ بلقان، یونان اور روس میں مقبول ہوئی۔

مغربی کلیسا جو رومن (ROMAN CATHOLIC) کہلاتی ہے۔ اس کی بنیاد بیت پرستی، مریم پرستی اور پاپائیت ہے۔

ایک اور مستقل تقسیم کئی صدیوں بعد پروٹیسٹنٹزم کے نام سے ہوئی اس تحریک کے رہنما جرمنی میں لوٹھر، سوئٹزر لینڈ میں کیلون (CALVIN) اور زونگلی (Zwingle) اور سکاٹ لینڈ میں جان فاکس گزرے ہیں۔

رومن کیتھولکوں اور پروٹیسٹنٹوں کے اختلافات ہولناک اور طویل جنگوں پر منتج ہوئے جن کے باعث پورے پورے مکرے ہو کر رہ گئے۔ تمام عیسائی ممالک ناقابل بیان مظالم بربریت کا شکار ہوئے اگرچہ رومن کیتھولک اور پروٹیسٹنٹ، ہر دو تثلیث، الوہیت یسوع، موروثی گناہ اور کفارہ کے عقائد پر متفق ہیں۔

اسٹریٹزائس، مغربی جرمن میں رومن کیتھولک کی اکثریت ہے اور انگلستان، ہالینڈ اور

اور شمالی جرمن میں پروٹسٹنٹ مذہب کو مقبولیت حاصل ہے۔

تھیں صدی عیسوی تک رومن ایمپائر دو حصوں میں بٹ گئی تھی۔ مشرقی رومن ایمپائر

**روم** کو بازنطینی سلطنت کہتے تھے اس کا دار الخلافہ قسطنطنیہ تھا اور بادشاہ کا لقب قیصر تھا۔ وہ اپنے آپ کو زمین پر نخل سبحانی سمجھتا تھا۔ تمام انتظامی امور میں اسے پوپ کی حمایت حاصل تھی۔ ۵۶۵ء میں قیصر جسٹینین نے دنیا کو اپنے قوانین کا مجموعہ دیا اس کے جانشینوں نے مغربی ایشیا اور شمالی افریقہ کے ممالک کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا اور ایرامینوں سے جنگیں ہوتی رہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت ہرقل مشرقی سلطنت کا شاہ تھا۔ حضور نے ہرقل کے پاس بھی اسلام کا دعوت نامہ بھیجا تھا۔ لیکن شام کے عثمانی حکمرانوں نے ہرقل کو ابھار کر مسلمانوں سے جنگ پر آمادہ کیا۔ ہرقل نے مسلمانوں سے بے دریغ شکستیں کھائیں۔ شام، فلسطین اور مصر اس کے قبضے سے نکل گئے۔ آہستہ آہستہ مسلمان سارے ایشیا پر قابض ہو گئے۔ ۱۲۵۳ء میں سلطان محمد فاتح عثمانی نے قسطنطنیہ کو فتح کر کے مشرقی رومی سلطنت کا خاتمہ کر دیا اور قسطنطنیہ پانچ صدیوں تک عثمانی سلطنت کا دار الخلافہ بنا رہا۔ آج کل اس کا نام استنبول ہے۔

**طرز حکومت** بادشاہ مطلق العنان حکمران کی حیثیت سے ملک پر حکومت کرتا تھا اور اپنے کپ کو نخل سبحانی سمجھتا تھا تمام طاقت کا سرچشمہ شاہ کی ذات ہوتی تھی۔ عدلیہ اور انتظامیہ کا سربراہ ہوتا تھا۔ بادشاہ تمام قوانین سے بالا سمجھا جاتا تھا۔

**مذہب** عیسائیت کو ملک کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا تھا۔ کلیساؤں میں تصویر رکھنے کا عام رواج تھا۔ پوپ یوسوم بھی تصویروں کو گر جاؤں سے خارج کرنے میں ناکام رہا۔ عوام جاہل اور توہم پرست تھے۔ ان کی کمزوریوں سے پادری خوب فائدہ اٹھاتے تھے اس لئے پادری اور کلیساؤں کے منتظمین خوب دولت مند ہو گئے تھے۔ پادریوں میں باہمی مناقشت اور اختلافات تھے۔ ہر پادری ایک دوسرے کو بچاؤ کھانے کے لئے ہر ممکن سعی کرتا ان پادریوں میں ہر قسم کی برائی پیدا ہو چکی تھی۔ ان کی بد کاریوں کا ایک عیسائی نے بوں نقشہ کھینچا ہے کہ کنواریاں پادریوں کے پاس اقرار گناہ کے لئے جاتیں مگر کنواریاں واپس نہ آتیں

بیل (SALE) جس نے انگریزی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا ہے چھٹی صدی عیسوی کے عیسائیوں

کے بارے میں لکھتا ہے میسوں نے بزرگوں اور حضرت مسیح کے غصہوں کی پرستش میں اس درجہ غلو کیا کہ زمانہ کے رومن کیتھولک بھی اس حد کو نہیں پہنچے تھے۔  
 مذہبی مباحث کی بنا پر تمام ملک خانہ جنگی کا شکار ہو چکا تھا۔ چنانچہ سیل لکھتا ہے۔  
 "وگر جا کے پادریوں نے مذہب کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تھے اور امن محبت اور نیکی کو منقود کر دیا تھا۔ اصل مذہب بھول گئے تھے۔ اور اس کے متعلق اپنی خیال آرائیوں پر جھگڑتے تھے؛"  
 روم میں اخوت اور مساوات بے معنی تھی اور معاشرہ میں طبقاتی

**معاشرتی حالت** | تقسیم تھی۔ سب سے ادیر آزاد شہری امر طبقہ (CIVILIS) اور (SERVUS) سے نیچے غلام (SERVUS) اور دونوں کے درمیان متعدد طبقات تھے۔ جن کے حقوق کا تعین رنگ و نسل، مذہب اور وطن صحت و دولت و غیرہ کے لحاظ سے کیا جاتا تھا۔  
 جیٹین (TUSTINIAN) جس نے روم کا قانون کی تدوین کی سے اس نے قانونی لحاظ سے سماج کو اس طرح تقسیم کیا ہے۔

- ۱۔ ملک کا اعلیٰ ترین طبقہ جو امرائے مشتمل تھا (HONESTIORES) بغاوت کے علاوہ اس طبقہ کے کسی فرد کو کسی جرم میں سزائے موت نہیں دی جاسکتی تھی۔
- ۲۔ متوسط طبقہ (HUMILIORES) اس طبقہ کو بعض غیر معمولی حالات میں موت کی سزا دی جاسکتی تھی ورنہ عموماً قید کی سزا دی جاتی تھی۔
- ۳۔ غلام (SERVUS) سب سے نیچا طبقہ تھا جس کے افراد کو معمولی معمولی جرائم کی سزا میں قتل کیا جاتا تھا آگ میں ڈالا جاتا تھا۔ اور وحشی جانوروں سے ہڈیاں چبوائی جاتی تھیں۔  
 روم میں غلام بنانے کے بہت سے اسباب تھے۔

۱۔ جنگیں غلامی کا بیشتر سبب بنتی تھیں

۲۔ غلاموں کی اولاد

۳۔ وہ آزاد لوگ جن کو بعض قوانین کی عبارتوں اور اشاروں کے ذریعے غلامی کی زنجیروں میں جکڑ لیا گیا مثلاً وہ قرض دار جس کو اپنا قرض ادا کرنے کے ذریعے یا سانی فراہم نہیں ہوتے۔

۱۔ ترجمہ قرآن صفحہ ۴۲ (۱۸۹۴ء)

۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ ROMAN PILATE LAW R.W. LAGE P. 49

۳۔ MEDIEVAL HISTORY VOL II PP. 106-107



روم میں یہ عادت تھی کہ غلام کو نیلام کے ذریعہ فروخت کیا جاتا، تعلیم یافتہ غلاموں اور بلی کرداروں کی صلاحیت رکھنے والوں اور حسین و جمیل بونڈٹیوں کی قیمتیں نہایت گراں تھیں۔ قانون نظر میں غلام کو کوئی چیز نہیں تھا۔ اس کو نہ ملکی حقوق حاصل تھے نہ خاندانی اور نہ شخصی۔

تمام ملک کی دولت پر بادشاہوں کے بعد ان کے چند امیروں اور جاگیرداروں کا قبضہ تھا یہ طبقہ امراٹ اور فضول خرچی سے باز نہیں آتا تھا۔ ملکی اخراجات پورے کرنے کے لئے عام رعایا پر ٹیکس اور محصول عائد کر دیے جاتے۔ جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ عام رعایا ٹیکسوں کے بوجھ تلے دب جاتی۔ ان اسباب کی بنا پر بڑے بڑے فسادات اور بغاوتیں رونما ہوئیں۔ چنانچہ ۵۳۲ء کے فساد میں بیس ہزار افراد دارالسلطنت ہلاک ہوئے۔

تاریخ عالم بڑے مورخین کے مصنفین سمجھتے ہیں :

بڑے بڑے شہر جن میں تیزی کے ساتھ بربادی آئی اور پھر وہ سنبھل نہ سکے اور نہ اس کی اپنی عظمت رفتہ کو پھر زندہ کر سکیں وہ گواہ ہیں کہ بازنطینی حکومت اس زمانہ میں کہاں انحطاط و منزل کے عالم میں تھی اور یہ منزل ٹیکس اور محصول میں زیادتی ہیں۔

تجارت میں پیشی، زراعت سے غفلت، شہروں کی آبادی میں روز افزوں کی کا نتیجہ تھا۔ مغربی رومی سلطنت کا بڑا امتیاز ان کی شاہنشاہیت پسندی اور استعماری روح اور زندگی کا خالص مادی پرستانہ نقطہ

ہے، جرمن نو مسلم عالم فردرک صاحب نے اپنی کتاب ”اسلام دور ہے پر“ میں لکھا ہے۔

موسیٰ شاہنشاہی پر جو خالص خیال حاوی تھا وہ محض ملک گیری کا خیال اور مادر وطن کے لئے سری قوموں سے پورا پورا فائدہ اٹھانا اور لوٹ کھسوٹ کرنا تھا۔ رومی روساء و امراء اور اپنے لڑکے کے لوگ اپنے لئے فاسق البالی اور امارت کی زندگی کا سان حاصل کرنے کے لئے کسی ظلم و بے دردی سے نہیں بچتے تھے۔ باقی وہ رومی انصاف جس کا بڑا اثر تھا وہ محض رومیوں کے لئے تھا۔ یہ عرصہ سیرت و کیر بکیر زندگی اور تمدن کے محض مادی تصور ہی پر قائم ہو سکتا تھا۔ اگرچہ ان کی مادیت آراستگی اور طاقت فوق پیدا ہو گئی تھی لیکن تمام ہمدانی قدروں سے وہ بالکل بیگانہ تھی۔ رومیوں نے بھی سنجیدگی اور واقعیت کے ساتھ دینداری اختیار نہ کی تھی۔ ان کے تقلیدی دیوتا محض

ENCYCLOPEDIA BYTANMICA CHAP JUSTIN

HISTORIANS HISTORY OF THE WORLD. VII p. 145

یونانی حکایات و خرافات کی پھینکی نقل تھے۔ انہوں نے محض اپنی اجتماعی شیرازہ بندی اور قومی وحدت کے خیال سے ان ارواح کو تسلیم کر لیا تھا۔ وہ ان دیوتاؤں کو اپنی علی زندگی میں دخل دینے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ ان کا کام صرف اتنا تھا کہ جب ان سے فرمائش کی جائے تو اپنے مجاوروں کی پیشین گوئیاں کر دیں لیکن ان کو انہوں نے یہ حق کبھی نہیں دیا تھا کہ وہ لوگوں پر اخلاقی قوانین نافذ کرے۔

جمہوری دور کے آخر میں روم میں اخلاقی انحطاط اور حیوانی ہوس رانی اور تعیش کا ایسا سیلاب آیا کہ رومی اس میں بالکل ڈوب گئے ڈاکٹر ڈیریر نے اپنی مشہور کتاب معرکہ مذہب و سائنس میں لکھا ہے۔ جب جنگی قوت اور سیاسی اثر کے لحاظ سے سلطنت روم منٹائے ترقی پر فائز ہو گئی تو مذہبی اور عمرانی پہلو سے اس کی اخلاقی حالت فساد کے درجہ اخیر کو پہنچ چکی تھی۔ اہل روم کی عیش پرستی عشرت پسندی کی کوئی انتہا نہ رہی۔

قدیم ایران تین صوبوں پر مشتمل تھا۔ شمال میں عیلام، مغرب میں میدیا اور

**ایران** اور جنوب میں فارس ان تینوں صوبوں کے باشندوں کی ابتدائی تاریخ جدا جدا ہے مگر عموماً زیادہ سے تینوں صوبے ایک حکومت کے تحت آئے۔ اور چھٹی صدی قبل مسیح میں بونیا میں سب سے زیادہ طاقتور سلطنت ہو گئی یہ سلطنت آج یہ قوم کی تھی جس کے نام پر اس ملک کا نام "ایران" ہوا۔ آریوں کی یہ سب سے پہلی وسیع سلطنت تھی جس کی وجہ سے یورپ اور ایشیا میں پہلی بار اس قوم کا نام روشن ہوا۔

ساسانی حکومت کا بانی اردشیر تھا۔ اس نے ایران اور عراق پر قبضہ کر کے

**ساسانی حکومت** ساسانی خاندان کی بنیاد ڈالی۔ اس خاندان کے مشہور بادشاہ شاہ پور اول (۲۲۶ء تا ۲۴۱ء) شاہ پور ثانی (۳۰۹ء تا ۳۳۰ء) بہرام گور (۳۳۰ء تا ۳۳۶ء) نوشیروان عادل (۳۵۱ء تا ۳۵۹ء) اور خسرو پرویز (۳۵۹ء تا ۴۲۷ء) تھے ساسانی اور بازنطینیوں کے درمیان لڑائیاں رہتی تھیں شاہ پور اول نے رومیوں کو کئی مرتبہ شکست دی۔ شاہ پور ثانی بھی کامیاب رہا بہرام گور کو شکست کھا کر صلح کرنی پڑی۔ نوشیروان بائیس سال تک لڑتا رہا بالآخر ۵۶۲ء میں رومیوں سے صلح کرنی پڑی۔ ۵۶۲ء میں پھر لڑائی ہوئی اور قیصر حنین نے شکست کھائی۔ نوشیروان نے ملک کے اندر امن و عدل قائم کیا۔ نوشیروان کے بعد اس کا بیٹا تخت پر بیٹھا وہ نااہل تھا۔ اس کے جرنیل بہرام نے اسے قتل کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ لیکن بہرام کے بیٹے خسرو پرویز نے اس سے تخت چھین لیا لیکن

معرکہ مذہب و سائنس مترجم مولوی تفریح علی خان صاحب

قیصر ہر تہل نے عقب سے حملہ کر کے اس کی قوت کو پاش پاش کر دیا۔ اور وہ خود اپنی فوج کے ہاتھوں قتل ہوا۔ یہ وہی بادشاہ ہے جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کو چاک کیا تھا۔ اس کے قتل کے بعد اس کا بیٹا شروہبہ تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنے تمام مجاہدوں کو قتل کر دیا اور ایک سال کے بعد اس کی موت واقع ہو گئی۔ اس کے بعد اس کی بیٹیاں پوران دخت اور ارزم دخت یکے بعد دیگرے تخت اقتدار پر متمکن ہوئیں لیکن حکومت کو مستحکم نہ بنا سکیں۔ ساسانی حکومت اندرونی اختلافات کی وجہ سے کمزور ہو چکی تھی جب مسلمانوں سے تصادم ہوا تو یہ سلطنت پاش پاش ہو گئی جنگ قادسیہ نے اس کی طاقت کو توڑ دیا اور ۶۳۷ء میں جنگ نہادند نے اس ساسانی سلطنت کا نام نقشہ سے مٹا دیا۔

**طرز حکومت** ایرانی حکومت شخصی اور مطلق العنان تھی۔ تمام اختیارات کا سرچشمہ بادشاہ کی ذات تھی۔ بادشاہ وقت کو لوگ دیوتا کا درجہ دیتے تھے۔ لوگ اس کو خدہ کرنے سے نہیں بچکے تھے۔ لوگوں کے مال اور جان پر اس کا مکمل قبضہ ہوتا تھا۔ رعایا کو حکومت کے مقابلے میں کوئی حقوق حاصل نہیں تھے۔ اور ان کی حیثیت غلاموں سے بدتر تھی۔ ایران کا ناچار و کسری، کہلاتا تھا۔ کسی کو اس کے افعال کا محاسبہ کرنے کا حق نہیں تھا۔ اس کی ذات تک عوام کی رسائی ناممکن تھی۔ البتہ نورد اور چند دیگر موقعوں پر لوگوں کو بادشاہ کے حضور اپنی شکایات پیش کرنے کی اجازت تھی۔ البتہ امر اور سرکاری حکام اور مذہبی رہنماؤں کو بہت امتیاز اور حقوق حاصل تھے۔

**ماشرقی حالت** ایرانی معاشرہ حسب طبقتوں میں منقسم تھا۔

- آزدوان : مذہبی طبقہ ۔

- آرتشتیاران : فوجی طبقہ ۔

- ویرران : عمال حکومت ۔

- استرپوشان و تہمتان یعنی عوام پیش ور لوگ اور کاشتکار سہ

ایرانی سماج کی یہ تقسیم مستقل تھی۔ کوئی شخص ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ میں منتقل نہیں

کرتا تھا۔ ایران کا قانون اس طبقاتی تقسیم کو قائم رکھنے کی نظر سے بنایا گیا تھا۔ عوام کو حکومت کے

حکامات میں مداخلت کی اجازت نہیں تھی۔ یعنی ذات کا کوئی شخص نہ سرکاری دفاتر میں ملازم ہو

سے ملاحظہ ہو ایران بعد ساسانیان از پر دنیسیر آر تھر کر سٹن سین ترجمہ ڈاکٹر محمد اقبال ص ۱۷۶

سکتا تھا۔ نہ اعلیٰ طبقہ سے لوگوں کی جائیداد خرید سکتا تھا۔

مذہبی گھرانوں اور سرداروں کے بارہ میں ان کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ لوگ عام انسانی سے بلند ہیں اور ان کی شخصیتیں اور ان کے دل و دماغ دوسرے انسانوں سے الگ ہیں ان اشخاص کو اہل ایران نے عزیز و دو اختیارات دے رکھے تھے۔ اوپر پنج کافر طبقوں کا تقاعد اور پیشوں کی تقسیم ایرانی سوسائٹی اور نظام زندگی کا اہل قانون تھا۔ جس میں رد و بدل ممکن نہ تھا۔

زرشتت : زرتشت کی بعثت سے قبل ایران میں مظاہر پرستی اور اہنام، ایبارہ

**مذہب** دیوتا پرستی زوروں پر تھی۔ ایک انگریز مورخ زرتشت سے قبل ایران کی مذہبی کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتا ہے۔

جب وہ زرتشت ظاہر ہوئے میڈیا اور ایلامیوں کے اباؤ اجداد ہیں تو انہوں نے اپنی قوم کو جانوروں، انتونی اباؤ اجداد، زمین اور سورج کی پرستش کرتے ہوئے پایا اور دیکھا کہ ان لوگوں میں وہ ہی عناصر اور وہ ہی خدا تھے جو وید کے زمانہ کے ہندوؤں میں پائے جاتے تھے۔

زرشتت کے زمانہ کے بارہ میں محققین کا شدید اختلاف ہے زمانہ حال کے محققین کی رائے کے مطابق وہ ۱۰۰۰ ق۔ م میں پیدا ہوئے اور ۵۸۳ ق۔ م میں انتقال کیا۔ مغربی ایران کے رہنے والے تھے۔ ان کی جائے پیدائش شہر ہے ان کے والد کا نام پوراشاسپ ہے۔

زرشتت نے اپنی قوم کو شرک کی دلدل سے نکالنے کے لئے آواز اٹھائی۔ ایک خدا کی طرف دعوت دی اور سچے خدا کی پرستش سکھائی۔ ان کے خدا کا نام اہور مزدا تھا۔ اہور کے معنی مالک اور مزد کے معنی دانا کے ہیں۔ یعنی دانا مالک۔ یعنی **ملک المقدر**

زرشتت اللہ تعالیٰ کے متعلق فرماتے ہیں: ”تو ہی خدا ہے یہ میں جانتا ہوں۔ اے قادر“

تو ہی اول ہے۔“

زرشتت کی آسمانی کتاب ”اوستا“ ہے اور ژند اس کا ترجمہ اور تفسیر۔ متن اور تفسیر دو مل کر ژند اوستا کہلاتے ہیں۔ اس مذہب کی بنیاد تین چیزوں پر ہے۔

۱۔ ایران بعد ساسانیان ص ۲۲۲

۲۔ ایران بعد ساسانیان ص ۲۲۳

۳۔ فلسفہ اسلام مصنفہ انامہ سلطان مرزا دبوی ایم اے ایل ایل بی ص ۱۳۵

۱۔ راست خیالی۔ ۲۔ راست گفتاری۔ ۳۔ راست کرداری۔

زرتشت کی وفات کے بعد ایران میں پھر توحید کی جگہ مظاہر پرستی نے لے لی۔ اور گھر گھر میں دیوتاؤں کی پوجا شروع ہو گئی۔ ایک انگریز مورخ زرتشت مذہب میں فساد کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتا ہے۔

”زرتشت کے بعد جب یہ مذہب انبیاء کے دائرہ سے نکل کر ملکی سیاست والوں کے قبضہ میں آیا تو پھر خدائے واحد اور امزد کا تخیل ایک شاہنشاہ کا سا ہو گیا۔ لوگوں نے اعتقاد قائم کر لیا۔ کہ وہ دنیا کا خالق اور مدبر ہونے میں بہت سے خداؤں کی مدد کا محتاج ہے اور ان کو چھوٹے چھوٹے خدا تصور کر لیا گیا“ لے

تیسری صدی عیسوی میں مانی ایران میں پیدا ہوا۔ اس کی تحریک دراصل **دو تخریبی تحریکات** ملک کے بڑھتے ہوئے شدید شہوانی رجحان کا غیر فطری اور سمت رد عمل

تھا۔ اس نے مجرد کی زندگی اختیار کرنے کی دعوت دی۔ تاکہ بدی کا خاتمہ ہو جائے بہرام نے ۲۶۶ء میں مانی کو قتل کر دیا۔ ۲۸۵ء میں مزدک پیدا ہوا۔ اس نے اعلان کیا کہ تمام انسان یکساں طور پر پیدا ہوئے ہیں ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں۔ اس کا نظریہ یہ تھا کہ آگ پانی اور نباتاتی پیداوار کی طرح نہ صرف دولت بلکہ عورت کو بھی سوسائٹی کی مشترکہ ملکیت ہونی چاہیے۔ ذاتی ملکیت کے جبر کو ختم کر دینا چاہیے سرکاری حکام نے مزدک کے پیروؤں کو خوب دبا دیا اس کے باوجود ایران کے مغربی حصہ میں اس کی تعلیمات نے اچھی خاصی ہر ذلعلزیزی حاصل کر لی۔

مذہب اور اخلاق کا آپس میں گہرا تعلق ہے جب ملک میں مذکورہ بالا قسم کی **اخلاقی حالت** تخریبی تحریکات جنم سے چکی ہوں اور شرک زوروں پر ہو تو وہاں اخلاق کا پورا کیے ہر ارہ سکتا ہے۔ لوگوں کی اخلاقی حالت بہت پست تھی۔ مزدکی تحریکات نے ہر قسم کی بدی کے راستے کھول دیے۔ باپ کا بیٹے کو اور بھائی کا بہن کو اپنی زوجیت میں لینا جائز تھا۔ بزرگ و دشنام جو پانچویں صدی عیسوی کے وسط میں ایران کا بادشاہ تھا۔ اس نے اپنی بیٹی سے فساد می کر لی اور پھر اس کو قتل کر دیا۔

لے فلسفہ اسلام از آغا محمد سلطان منوادی دہلوی ایم اے ای ایل بی

عورت کی حیثیت | ایران میں دو طرح کی بیویاں ہوتی تھیں۔ ۱۔ زن پاؤ شانی ہلدہ۔ ۲۔ زن

چگاری یا۔ پہلی قسم کی بیویوں اور ان کی اولاد کو جاؤاد میں حصہ ملتا تھا دوسری قسم کی بیوی اور ان کی اولاد جاؤاد سے باہر محروم رہتی تھی بلکہ قانون کی نظر میں عورتوں کا کوئی حق یا مرتبہ نہیں تھا۔ بلکہ بیویاں آپس میں بدلی جاسکتی تھیں قانون نے غلام اور بچی کو ایک درجہ پر رکھا ہے

ہندوستان | مورخین ہندوستان کی تہذیب و تمدن کو پانچ رواد میں تقسیم کرتے ہیں پہلا ہندو ویدک کا دور جو دو ہزار سال قبل مسیح سے لے کر تقریباً چودہ سو سال

قبل مسیح تک رہا دوسرا دور وہ دور ہے جس میں کورٹوں اور پانڈوں کی لڑائیاں لڑی گئیں جو چودہ سو قبل مسیح سے لے کر تقریباً ایک ہزار سال قبل مسیح تک رہا۔

تیسرا دور علم و مہر کا دور ہے جس میں ہیت اور یاغی فلسفہ وغیرہ غلام میں ہندیوں نے کال دکھایا جو ایک ہزار سال قبل مسیح سے لے کر تیسری صدی قبل مسیح کے نصف تک رہا۔

چوتھا دور بدھ مذہب کا ہے جس میں اس مذہب کو عروج حاصل ہوا اور دو سو پچاس سال قبل مسیح سے لے کر پانچویں صدی عیسوی کے خاتمہ تک رہا

پانچواں دور پرانک دور کہلاتا ہے یہ دور تقریباً پانچویں صدی کے اواخر سے لے کر مسلمانوں کے فتح تک قائم رہا۔

مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دور ہندوستان کی تاریخ میں تازک ترین دور تھا اس دور کی نمایاں اور اہم خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ہر قسم کا شرک کمال پر تھا۔ چنانچہ وید میں ۳۳ دیوتاؤں کی تعداد تھی۔ اس دور میں بڑھتے بڑھتے دیوتاؤں کی تعداد ۲۲ کر ڈھ ہو گئی۔

۲۔ اس دور میں ہندوستان میں بت پرستی عام تھی۔ نیز سورج چاند ستاروں پہاڑوں دیوتاؤں اور حیوانوں کی پرستش کرنا اعتقادات میں شامل تھا۔

۳۔ مندروں کے نگران اور محافظین ہر قسم کی بد اخلاقی میں مبتلا تھے جو لاکھوں اور کروڑوں ناواقف پرستش کرنے والوں کو مذہب کے نام پر لوٹتے تھے۔ مذہبی رہنما موسیقی اور

نانج کے دلدادہ تھے اس لئے کافی تعداد میں عورتیں مندروں میں اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے ہر وقت موجود رہتی تھیں۔

۴ اس دور میں ذات پات کی تفریق شروع ہوئی جس نے نظام معاشرت کو تباہ و برباد کر دیا  
معاشرہ حسب ذیل چار ذاتوں میں منقسم تھا۔

۱ برہمن

۲ بھتھی

۳ ویش

۴ شودر

ان چار ذاتوں کے بعد عوام کا شمار تھا۔ جن کو انتیجا (ANTYAJA) (HADI) یا  
ڈومہ (DOMA) جنڈالہ (CHANDALA) بدھاتو (BADHATU) وغیرہ  
نام دیے گئے۔

ان کو اپنی ذاتوں کے لوگوں سے دور شہر سے باہر بنا پڑتا تھا۔ منوار و کجولیکہ  
کے قوانین اس عہد کی عام سماجی ابتری اور بد حالی کے شاہد ہیں۔

۵۔ عورتیں کو اس دور میں غلاموں کی حیثیت دی جاتی تھی۔

۶۔ ملک میں غیر منصب اور غیر معقول قوانین رائج تھے۔

۷۔ برہمن کو کسی بھی سنگین جرم میں سزائے موت نہیں دی جاتی تھی۔

۸۔ کسی اپنی ذات کے مرد کا کسی بیٹی ذات کی عورت کے ساتھ زنا کرنا جرم نہیں تھا۔

۹۔ اگر کوئی اچھوت ذات کا شخص کسی اعلیٰ ذات والے کو چھو لے تو اس کو سزائے موت دی  
جاتی تھی۔

۱۰۔ اگر کوئی بیٹی ذات والا اپنے سے اپنی ذات والے کو مارے تو اس کے اعضاء قطع کر دیئے

جاتے تھے۔ اگر گالی دے تو اس کی زبان کاٹ دی جاتی تھی اگر اسے تعلیم دینے کا دعویٰ  
کرے تو گرم تیل اس کے منہ میں ڈالا جاتا تھا۔

۱۱۔ شودر کے کان میں رید کی آواز پڑ جائے تو اس میں شیشہ بچھلا کر ڈالنے کا حکم تھا۔

۱۲۔ رجاؤں کے محلات میں شراب نوشی کثرت سے رائج تھی۔ رانیاں حالت نشہ میں  
یہی برہمن ہو جاتی تھیں۔

۱۳۔ تفصیل کے لئے ابروہنی کی کتاب الہند کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

۸۔ شاہراہوں پر اولاد گروہ اور جرائم پیشہ افراد جمع رہتے تھے۔

۹۔ رہبانیت سب سے عمدہ عبادت تصور کی جاتی تھی اور اپنے جسم کو سخت سے سخت ایذا دینا رصنائے الہی کے حصول کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔

۱۰۔ شناخت مت جیسے فرقے پیدا ہو گئے جس میں ماں بہن تک کی حرمت باقی نہ رہی

۱۱۔ مرد اور عورت کے مخصوص مقامات کی سنگی تصویریں مندروں میں رکھی جاتیں۔ اور مرد اور عورتیں انہیں دیکھتے اور عبادت کرتے۔

۱۲۔ عورتیں قمار بازی میں ہار جاتیں۔ ایک عورت کے کٹی خاوند ہوتے تھے وہ بیوہ ہو کر ہر لذت سے عمر بھر قائلوفا "خروم کر دی جاتی تھی۔ اور اسی لئے خاوند کے مرنے پر بعض عورتیں زندہ آگ میں جل جانا پسند کرتی تھیں۔

۱۳۔ عورت کا مرتبہ سوسائٹی میں گرا ہوا تھا عورت فروخت کی جاتی تھی۔ اسے دید پرہتے کی اجازت نہ تھی نہ ہی مذہبی رسوم میں شریک ہو سکتی تھی۔

۱۴۔ رجاؤں کی بیویوں کی کوئی تعداد قائلوفا "مقرر نہ تھی۔

۱۵۔ وہم پرستی ان کے مذہب کا ایک جزو ولانیفک بن چکی تھی۔

۱۶۔ بدھ مت اپنا اصلی چہرہ مسخ کر لیتا تھا۔ اس نے ہندوستان کے برہمن مذہب کو اپنے میں شامل کر کے اور اس کے اوتاروں اور دیوتاؤں کو اختیار کر کے اپنی ہستی کو کم کر دیا تھا۔ بدھ مت اب بت پرستی کا مذہب تھا۔ جن ممالک میں بھی اس کے پیرو گئے۔ بت ان کے سامنے تھے۔

پینڈت جو اہر لال ہنر و اپنی کتاب تلاش ہند میں بدھ مت کے بگاڑ اور تدریجی زوال کے متعلق لکھتا ہے "برہمنیت نے بدھ کو اوتار بنا دیا۔ بدھ مت نے بھی یہی کیا۔ سنگھ بہت دولت مند ہو گئے اور ایک خاص جماعت کے مفاد کے مرکز بن کر رہ گئے۔ اور ان میں ضبط و قاعدہ بالکل نہیں رہا۔ عبادت کے طریقوں میں سحر اور اوہم داخل ہو گئے ہندوستان میں ایک ہزار سال تک باقاعدہ رائج رہنے کے بعد بدھ مت کا تنزل شروع ہو گیا۔"



# عہد جاہلیت

ظہورِ اسلام سے قبل عرب کی مذہبی تمدنی معاشرتی۔ اقتصادی اور سیاسی حالت

عرب کی اس حالت کا نام جو ظہورِ اسلام سے قبل تھی۔ قرآن مجید نے زمانہ جاہلیت رکھا ہے۔ کیونکہ انسانیت مردہ ہو چکی تھی۔ روحانیت معدوم تھی اور علم ناپید تھا۔ ہر قسم کی برائی اعلانیہ کی جاتی تھی۔ اس کو فخریہ مجالس میں بیان کیا جاتا تھا۔ اس برائی کی داستان ہمیشہ یاد رکھنے کے لئے اشعار میں بیان کر دی جاتی تھی اور بڑے بڑے میلوں میں وہ اشعار پڑھے جاتے تھے۔ اگر وہ فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ مقام پاتے تو خانہ کعبہ میں آویزاں کر دیئے جاتے۔ جن کو بعد کے ادبا نے معلقات کا نام دیا ہے۔

(عرب اللہ کو ضرور مانتے تھے۔ مگر عملی رنگ میں نہیں آج کل عرب عرب کی مذہبی حالت کے جو قدیم کتبات دستیاب ہوئے ہیں ان پر اللہ کا لفظ لکھا ہوا ہے۔ البتہ اللہ کی بجائے صلتہ لکھا ہوا ہے۔ چنانچہ مذاہب و اخلاق کی انسائیکلو پیڈیا میں پر وقصیر فولدی کی کا جو قول نقل کیا گیا ہے اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے "اللہ جو صنعا کے کتبوں میں صلتہ لکھا ہوا ہے نباتی اور دیگر قدیم باشندگان عرب شمالی کے نام کا ایک جزو تھا۔

مثلاً: زید اللہی" نباتی کتبات میں اللہ کا نام بطور ایک علیحدہ معبود کے نہیں ملتا لیکن صنعا کے کتبات میں ملتا ہے۔ متاخرین مشرکین میں اللہ کا نام بہت مستعمل ہے۔ ویاس نے عرب قدیم کے طرہ پر میں بہت سی عبارتیں نقل کی ہیں جن میں اللہ کا لفظ بطور ایک معبود اعظم کے مستعمل ہوا ہے۔ نباتی کتبات میں ہم بار بار کسی دیر تا کا نام پاتے ہیں جس کے ساتھ اللہ کا لقب شامل ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ مابعد میں صرف ایک عظیم ترین معبود کے لئے بطور علم کے مخصوص ہو گیا۔

(قرآن مجید نے بھی اس بات کا اقرار کیا ہے کہ عرب اللہ کو مانتے تھے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْنَنَّ اللّٰهَ (الر: ۳۸)

اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔

تم کہو کہ سب تعریفیں اللہ کے ہی لئے ہیں۔)

( دراصل یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیم تھی جو لفظاً عربوں میں چلی آرہی تھی۔ لیکن مرور زمانہ سے B.N عربوں میں بت پرستی رائج ہو چکی تھی۔ اس کا بانی عمرو بن لُحی بن حارثہ بن امر القیس تھا اور خود حرم کا متولی تھا۔ وہ ایک دفعہ شام کے کسی شہر میں گیا۔ وہاں کے لوگوں کو بتوں کی پوجا کرتے دیکھا تو پوچھا کہ ان کو کیوں پوجتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا یہ حاجات پوری کرتے ہیں۔ جنگوں میں فتح دلاتے ہیں۔ اساک باراں میں پانی برساتے ہیں۔ عمرو نے چند بت ان سے لئے اور خانہ کعبہ میں لاکر رکھ دیئے۔ عرب کعبہ کی تحریم کرتے تھے۔ اس وجہ سے تمام عرب میں بت پرستی عام ہو گئی )

۱۳۰۷۷ یاقوت حموی نے معجم البلدان (ذکر مکہ) میں تحریر کیا ہے کہ عرب میں عام بت پرستی کی وجہ یہ ہے کہ قبائل عرب حج کے لئے آتے۔ واپس جاتے ہوئے حرم کے پتھروں کو اٹھالیتے تھے اور ان کو اسمنام کعبہ کی صورت پر گھڑا کر ان کی پرستش کرتے تھے۔

بتوں کے متعلق ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ہر قسم کی حاجت رواں کرتے تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مختلف کاموں کی انجام دہی مختلف بتوں کے سپرد کر رکھی ہے جیسا کہ جب ابو جہل مسلمانوں سے پہلی لڑائی لڑنے کے لئے نکلنے لگا تو کعبہ میں گیا اور بتوں سے فتح کی دعا مانگی۔

**خدا کا قرب** | دوسرا عقیدہ یہ تھا کہ بتوں کی عبادت سے خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں آتا ہے: "ہم ان بتوں کی صرف اس وجہ سے عبادت کرتے ہیں کہ ہم کو خدا کے قریب کر دیں" (ذمرد)

بتوں سے شگون بھی لیتے تھے۔ وہ اس طرح کہ بتوں کے سامنے فال کے تیر پڑے رہتے تھے۔ ان میں سے ایک پر "نعم" یعنی ہاں۔ اور ایک پر "لا" یعنی نہیں لکھا ہوا ہوتا تھا۔ جو کام کرنا چاہتے تھے فال نکالتے اگر ہاں کا تیر نکل آتا تو کام کرتے ورنہ باز رہتے۔

✓ بت پرستی کے عقیدہ میں یہ رسم بھی داخل ہو گئی تھی کہ بتوں کے نام پر جانوروں اور انسانوں کی قربانیاں دی جاتی تھیں۔ رسول کریم صلعم کے جد امجد عبدالمطلب نے جو اپنے بیٹے عبد اللہ کی قربانی کرنا چاہی تھی۔ اسی رسم کی تقلید تھی۔

✓ بتوں کے نام پر بحیرہ۔ ساتھ۔ عام کے نام سے سانڈ چھوڑ دیئے جاتے تھے جن پر سواری کرنا حرام سمجھا جاتا تھا۔

عرب بتوں کا حج اور ان کے ساتھ حلفیہ معاہدے بھی کرتے تھے۔ عرب میں ہر قبیلہ کا الگ الگ بت تھا جن کی وہ پرستش کرتے تھے۔ چنانچہ مکہ میں اساف اور نابلہ قریش کے بت تھے جن کے سامنے

قربانیاں ذبح کی جاتی تھیں۔ عزتی نخلہ میں قریش اور بنو کنانہ کا مشترکہ بت تھا۔ طائف میں رات بنو ثقیف کا بت تھا۔ منات اوس اور خزرج کا بت تھا۔ دومتہ الجندل میں دو بنو کلب کا بت تھا۔ قبیلہ ہذیل کا بت سواع تھا۔ یغوث قبائل نضج اور طے کا بت تھا۔ نسرذوالکلاع کا بت تھا اور یعوق یمن میں ہمدان کا بت تھا وغیرہ وغیرہ۔ سب سے بڑا بت ہبل تھا جو کعبہ میں نصب تھا۔ جنگ میں فتح کے موقع پر اسی کے نام سے نعرے لگتے تھے۔ عرب کے بت پرستوں کا مذہبی مرکز کعبہ تھا۔ جہاں انہوں نے تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔

بت پرستی کے علاوہ عرب میں دہریت بھی تھی۔ اس کے پیرو خدا کی ہستی بوجہ بعد الموت جزا و سزا وغیرہ کے قائل نہ تھے۔ قرآن شریف میں اس کا ذکر آتا ہے۔

**ستارہ پرستی** | رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور سے قبل عرب میں ستارہ پرستی بھی خوب رائج تھی۔ ان میں سب سے اہم سورج اور چاند تھے۔ اس وجہ سے قرآن مجید نے ان کی عبادت سے منع کیا ہے۔ فرمایا: لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ۔ یعنی نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو۔ سورج اور چاند کے بعد عرب شعری کی بڑی قدر کرتے تھے۔ اسی لئے قرآن مجید میں آیاتِ وَ اِنَّهُ هُوَ رَبُّ الشَّعْرِی (نجم) اور وہی خدا شعری کا رب ہے۔ صاعد اندلسی نے اپنی کتاب طبقات الاعم میں ان قبائل کے نام اور جن جن ستاروں کی پرستش کرتے تھے ان کے نام بیان کئے ہیں۔ قبیلہ حمیر سورج کی۔ کنایہ چاند کی۔ نجم اور جزام مشتری کی تمیم وبران کی۔ طی سہیل کی قیس شعری کی۔ اسد عطار کی پوجا کرتے تھے۔

**ملائکہ کی الوہیت** | اہل عرب ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں آتا ہے: "جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں (سورہ نجم) اسی طرح فرشتوں کے متعلق اہل عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ روز محشر کو اپنے پرستاروں کی سفارش کریں گے۔

**جنات کی عبادت** | اہل عرب جنوں کو بھی خدا کا عزیز و قریب تصور کرتے تھے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: "مشرکوں نے خدا اور جنوں کی رشتہ داری بنالی ہے (الشفٹ) بلکہ وہ جنوں کو پوجتے تھے۔ اور ان میں سے اکثر انہیں پر ایمان رکھتے تھے۔

**کہانت** | عرب میں بے شمار کاہن تھے جو اسرار کے جاننے اور غیب کی خبروں پر اطلاع رکھنے کا دعویٰ کرتے تھے۔ جہانمی کے حالات کی خبر دے اس کو کاہن کہتے تھے۔ جو آئندہ کے

حالات کے متعلق خبر دے اس کو عرفان کہا جاتا تھا۔ اہل عرب کا اعتقاد تھا اور خود ان کا منہوں کا بھی یہ دعویٰ تھا کہ ان کے ساتھ ایک ایک جن رہتا ہے جو ان کو غیب کی خبریں دیتا ہے۔

جب پانچویں صدی قبل مسیح میں بخت نصر یہودیوں کو تباہ و برباد کرنے کے درپے  
**یہودیت** | ہوا تو وہ عرب کی طرف چلے آئے۔ بنو اسماعیل نے اپنے چچا زاد بھائیوں بنو اسرائیل  
 کا خیر مقدم کیا۔

حمیر۔ بنو کنانہ۔ بنو حرث بن کعب۔ کندہ۔ یہ یہودی قبائل تھے۔ یثرب سے شام..... تک  
 عرب کے اکثر زرخیز اور سرسبز مقامات پر قابض تھے۔ اہل خمیر..... دائرہ یہودیت میں شامل ہو چکے  
 تھے۔ یثرب میں بنو قریظہ۔ بنو قینقاع۔ بنو نضیر قبائل یہودی تھے اور یثرب پر ان کا پورا غلبہ تھا۔  
 جب یہود کی قوت زیادہ بڑھ گئی تو انہوں نے اپنا مذہب پھیلانے کی کوشش کی۔ یہاں تک کہ  
 حضرت مسیح سے کوئی ساٹھ تین سو سال قبل یمن کے بادشاہ ذونواس نے یہودی مذہب اختیار کر  
 لیا۔ اس کے اثر سے کافی لوگ دائرہ یہودیت میں داخل ہو گئے۔ یہودی مذہب نے توحید کے عقیدے  
 کو سمادت تک قائم رکھا، لیکن وہ بھی عیسائیت کے نقش قدم پر چل کر عزیر کو الٹا کا بیٹا بنا بیٹھے  
 تھے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ الٹا کے چیتے ہیں اور دوزخ کی آگ انہیں چند روز تک چھوئے گی۔ تورات  
 میں حسب ضرورت تحریف کر لیتے تھے۔ سودی کاروبار کرتے تھے۔ عربوں کو وہ امی کہتے تھے۔ ان کے  
 نزدیک اُمیوں کو دُکھ فریب دینا جائز تھا۔

نصاری عرب میں تقریباً تیسری صدی میں آنا شروع ہوئے تھے۔ سب سے پہلے جنوبی  
**عیسائیت** | عرب میں نجران ایک مقام ہے وہاں سکونت اختیار کی۔ اور تبلیغی کوششوں سے وہاں  
 کے لوگوں کو عیسائی بنایا۔ وہ کلیسا بھی تھا۔ جہاں راہب رہا کرتے تھے۔

عیسائیوں کی تبلیغ کو دو طرف سے بڑی قوت پہنچی تھی ایک شاہ حبش کی طرف سے جن کا قومی  
 اور شاہی مذہب عیسائیت تھا۔ دوسرے شمال میں رومی سلطنت کی طرف سے جن کا شاہی مذہب  
 عیسویت تھا اس لئے شمالی طرف کے وہ قبائل جو حدود شام میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ وہ عیسائی ہو  
 گئے تھے۔ چنانچہ لحم۔ جذام۔ عاصہ۔ ندج۔ ہرا۔ سلج وغیرہ قبائل نے عیسائیت قبول کر لی تھی۔  
 حمیر؛ ربیعہ اور غسان بھی حلقہ عیسویت میں آچکے تھے۔ حدود عراق کی طرف سے کعب  
 اور تنوح کے قبائل نے عیسائیت قبول کر لی تھی۔

اندروں عرب میں بھی قبائل کے خال خال آدمیوں نے عیسائیت قبول کر لی تھی۔ قبیلہ قریش

کے خاندان بنو اسد میں چند آدمی عیسائی ہو گئے تھے جن میں ورقہ بن نوفل کا نام مشہور ہے۔ عمان بن حویرث بھی اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اسی طرح ادس اور خزرج کے قبائل میں چند ایک آدمی دائرہ عیسائیت میں داخل ہو گئے تھے۔

عیسائیت بھی توحید کو چھوڑ چکی تھی۔ عیسائی باپ بیٹے۔ روح القدس تینوں کو خدا مانتے تھے۔ قرآن مجید نے عیسائیت کے باطل عقائد کی جگہ جگہ پر تردید کی ہے۔

قرآن مجید میں صائبین کا نام تین دفعہ آیا ہے لیکن نام کے علاوہ کچھ اور وضاحت **صائبیت** نہیں کی گئی۔ ارباب علم میں صائبیت کی تعین حقیقت میں بہت اختلاف ہے۔

سید سلیمان ندوی نے ارض القرآن جلد دوم میں ارباب علم کی مختلف آراء بیان کر دی ہیں۔

صائبین کا اصل مولد بابل تھا۔ متواتر سیاسی انقلابات کی وجہ سے ان میں یہودیت مجوسیت

یونانی فلسفہ اور عیسائیت کے اجزاء شامل ہو گئے تھے۔ ایک خدا پر اعتقاد رکھتے تھے۔ ستاروں اور

بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ ستاروں کی ارواح کو خدا اور اس کے بندوں کے درمیان وسیلہ سمجھتے

تھے۔ تین وقت ستاروں کی پرستش کرتے تھے۔ ان کا قبلہ قطب شمالی تھا۔ اس کی طرف منکر کے

عبادت کرتے تھے۔ صائبین میں روزوں کے دن مقرر تھے۔ ان کے مذہبی عقائد بنی اسرائیل کے

عقائد کی بالکل ضد تھے۔ تورات کے تمام انبیاء علیہم السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے

لے کر آخر تک سب کو کاذب اور مفتری سمجھتے تھے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ مصری فرعون کے ساتھ

ڈوبنے سے بچ گئے ہیں وہ قطب شمالی کی جنت میں آرام کر رہے ہیں۔ صائبین صرف حضرت یحییٰ بن زکریا

کو سچا نبی مانتے تھے جن کو یہودیوں نے قتل کیا تھا۔

اس مذہب سے اہل عرب کو شدید نفرت تھی۔ اس وجہ سے اس مذہب کے پیروکار عرب

میں نہ بڑھ سکے۔ ان کی مذہبی حالت اس طرح خراب تھی جس طرح یہود اور انصاری کی

بلکہ ان سے بھی بدتر۔

ایران کا قدیم مذہب ہے جس کا پانی زرتشت ہے۔ مجوس یزداں اور اہرن دزدخل

کے قائل تھے۔ یزداں خیر کا اور اہرن شر کا خدا تصور کرتے تھے۔ اسی طرح یزداں

نور اور اہرن کو ظلمت سے بھی تعبیر کرتے تھے۔ قبیلہ تمیم مجوسی تھا۔ اندراہ تمیمی نے اسی وجہ سے اپنی

بیٹی سے شادی کر لی تھی۔ بعد میں اس پر بہت نادم ہوا۔

**حنفیت** رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل ایک اندرونی تحریک شرک سے بیزاری کی اٹھی تھی۔ وہ لوگ اپنے آپ کو حنیف کہتے تھے۔ وہ صرف ایک خدا کے پرستار تھے۔ ان کو نہ نصرانیت سے تعلق تھا اور نہ یہودیت سے اور نہ وہ عرب کی غلط رسومات اور رواج کی اصلاح کرنا چاہتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض حنفیوں نے عیسائیت کی آغوش میں اطمینان قلب ڈھونڈا۔ مگر حنفیوں کے بڑے طبقہ کو عیسائیت اور یہودیت طمانیت کی دولت نہ بخش سکی۔

در اصل حنیف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہی مذہب تھا جس میں خالص توحید پائی جاتی تھی۔

مشہور موجد زید بن عمرو بن نفیل۔ امیر بن ابی صلت، قیس بن ساعدہ۔ عثمان بن حویرث اور عبید اللہ بن جہش تھے۔ موصوف الذکر جہش میں ہجرت کے بعد دائر عیسائیت میں شامل ہو گئے تھے۔

## اخلاقی حالت

**جنگ جوئی** عرب میں ہر وقت جنگ و قتال کا بازار گرم رہتا بہت ہی معمولی بات پر لڑائی برسوں جاری رہتی کئی کئی نسلیں تباہ ہو جاتیں ہر خاندان دوسرے خاندان سے برسر پیکار رہتا اگر کسی خاندان کا آدمی قتل ہو جاتا تو مقتول کے بیٹے اور رشتے دار قاتل سے انتقام لینے کے درپے رہتے جو نئی موقع پایا قاتل کو تلوار کی ضرب سے ابدی نیند سلا دیا۔ اس قسم کی لڑائیوں کو مورخین ایام العرب کے نام سے پکارتے ہیں۔۔۔۔۔ مشہور لڑائیوں میں ایک لڑائی کا نام "حرب عبس ذوبیان" ہے۔ دوسری کا نام "حرب بسوس"۔ ان لڑائیوں میں سفاکی اور بے رحمی کی یہ حالت تھی کہ جب ایک فریق دوسرے فریق پر غلبہ پالیتا تو اس کے جوان بوڑھے عیال و اطفال گرفتار کر لئے جاتے اور سب کو قتل کر دیا جاتا۔

**غار ت گری** عرب غارت گری میں بہت مشاق تھے۔ بعض قبائل غارت گری کی وجہ سے بہت مشہور تھے۔ ان میں سے قبیلہ طے عام طور پر اس وجہ سے مشہور تھا کہ یہ لوگ مسافروں اور قافلوں کو لوٹتے تھے۔ بچوں، عورتوں اور مویشیوں پر قبضہ پالیتے۔ اور ان کو دوسروں کے ہاتھوں فروخت کر دیتے۔

**چوری** عربوں میں چوری کا بھی عام رواج تھا لیکن بعض قبائل کے نوجوان چوری کرنے میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ چوری کا مرض صرف بدو قبائل میں ہی نہ تھا بلکہ قریش جو تجارت

اور خانہ کعبہ کی تولیت کی وجہ سے خاصے متمول تھے۔ ان میں بھی یہ مرض تھا۔ چوری کی عادت عربوں میں اس قدر عام ہو چکی تھی کہ اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب مرد اور عورتیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیعت کرنے کے لئے آتی تھیں تو آپ دوسری باتوں کے ساتھ یہ عہد بھی لیتے تھے کہ آئندہ چوری نہ کریں گے۔

**عشق بازی** | عربوں میں عشق کا مرض بہت بڑھ گیا تھا جو آدمی عشق نہیں کرتا تھا وہ سوسائٹی میں ذلیل اور رذیل سمجھا جاتا تھا۔ اپنے عشق کو فخریہ بیان کرتے۔ شعرا اپنے عشق کے واقعات بڑے بڑے میلوں میں سناتے۔ امرار القیس نے اپنے قصیدے میں اپنی چچا زاد بہن کے ساتھ عشق اور وصال کا واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ قصیدہ اپنی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے خانہ کعبہ میں آویزاں کیا گیا۔

عرب کے بعض قبائل اپنی عشق بازی کی وجہ سے مشہور تھے۔ مثلاً بنی عذرہ ایک اعرابی سے کسی نے پوچھا کہ وہ کس قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس نے جواب دیا میں ایسے قبیلہ سے تعلق رکھتا ہوں کہ جب وہ عاشق ہوتے ہیں ضرور مرتے ہیں۔ اس کلام کو ایک لڑکی سن رہی تھی۔ وہ کہنے لگی عذری ورب الکعبۃ یعنی کعبہ کے رب کی قسم تو عذری ہے۔

**شراب نوشی** | شراب ام النجاشت ہے۔ عربوں میں اس قدر تھی کہ ہر گھر سے کہہ بنا ہوا تھا دوست احباب ایک دوسرے کے گھروں میں جمع ہوتے۔ شراب پیتے جو اکیلتے صاحب خانہ بے ہا فیاضی میں اپنے اونٹ کو ذبح کرتا۔ لوگ گوشت کھاتے مغنیہ عورتیں گاتی بجاتیں۔ جب قرآن مجید میں شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو مدینہ کی گلی کوچوں میں شراب بہنے لگ پڑی۔

**قمار بازی** | عرب جاہلیت میں قمار بازی کا بہت رواج تھا۔ قمار بازی کی کئی صورتیں تھیں۔ زیادہ تر جو اذلام کے ذریعہ کھیلا جاتا تھا۔ ان کی تعداد دس تھی۔ ہر ایک تیر کا نام جدا جدا تھا اور ان کے الگ الگ حصے مقرر تھے۔

ایک طریقہ قمار بازی کا یہ تھا کہ تھوڑی سی ریت جمع کر کے کوئی چیز اس میں چھپا دیتے اس کے بعد اس ریت کی دو ڈھیریاں بنا دیتے اور دریافت کرتے کہ بتاؤ پوشیدہ چیز کس ڈھیری میں ہے جو شخص ٹھیک بتا دیتا وہ جیت جاتا جو غلط بتاتا وہ ہار جاتا۔

بونے کا ایک طریقہ جس کو وہاں کہتے تھے عرب میں رائج تھا۔ کسی شرط پر بازی ٹکاتے جب

وہ شرط پوری نہ ہوتی تو جس چیز پر بازی لگائی ہوتی تھی وہ دوسرا جیت جاتا۔ جو صرف اونٹوں، بکریوں، مال و دولت پر ہی کھیلا نہیں جاتا بلکہ اپنا مال و دولت ہارنے کے بعد اپنی بیویوں اور اولاد پر بھی بازی لگادیتے تھے۔ بعض دفعہ اس قمار بازی سے جنگ کے شعلے بھڑک اٹھتے تھے۔ عبس و ذبیان کی جنگ گھوڑ دوڑ کی قمار بازی کا نتیجہ تھا۔ جو لوگ قمار بازی کی مجلسوں میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ ان کو بخیل خیال کہا جاتا۔ وہ سوسائٹی میں گرے ہوئے تصور ہوتے۔ ان سے عورتیں شادی وغیرہ نہ کرتیں۔ ان کو برم کا خطاب دیا جاتا تھا۔

**سود خوری** | ملک عرب میں سود خوری کا عام رواج تھا۔ تمام صاحب ثروت پر سود لین دین کرتے تھے۔

طائف کے لوگ امیر تھے وہ زیادہ تر سودی کاروبار کرتے۔ سود نے ملک عرب میں نہایت ہی ظالمانہ صورت اختیار کر لی تھی۔ اگر مقرض مدت مقررہ پر رقم واپس نہ کرتا تو قرض خواہ مدت کو بڑھا دیتا۔ لیکن اس کے معاوضہ میں اس المال میں اضافہ ہو جاتا۔ بعض اوقات یہ اضافہ بڑھتے بڑھتے دو گنی چو گنی مقدار تک پہنچ جاتا۔ اس طرح مقرض قرض کے بوجھ تلے اتنا بے جاتا کہ ساری عمر بوجھ کے نیچے سے نکل نہ سکتا تھا۔

**کینہ پروری** | اہل عرب بہت کینہ پرور تھے۔ اگر اپنے دشمن سے اس کی زندگی میں بدلہ نہ لے لیتے تو اس کے بیٹے پوتے اور رشتہ داروں سے بدلہ لیتے تھے۔ جب تک بدلہ نہ لے لیتے آرام سے نہ بیٹھتے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ مقتول کی کھوپری سے ایک پندہ نکلتا ہے جس کا نام ہامہ ہے۔ جب تک انتقام نہ لیا جائے وہ برابر چنختا رہتا ہے۔ اشقیٰ اشقیٰ یعنی مجھے پلاؤ مجھے پلاؤ۔ بعض اوقات ایک نسل گزر جانے کے بعد عداوت کا سبب یاد نہیں رہتا تھا لیکن اس بات کو یاد رکھتے تھے کہ فلاں قبیلہ یا شخص سے دشمنی ہے۔ اس پرانی دشمنی کی وجہ سے ہی مخالف کو قتل کر دیتے لیکن یہ نہیں بتا سکتے تھے کہ ان سے کیوں دشمنی ہے اور کس وجہ سے

**تکبر** | قتل کیا ہے۔ تکبر وہ وصف ہے جس سے تمام برائیوں اور مظالم کے سونٹے پھوٹتے ہیں لیکن اس مرض میں عرب کے لوگ بڑی طرح سے مبتلا تھے۔ بعض آدمیوں یا قبائل کا تکبر ضرب انشل بن گیا تھا۔ جذیمہ ابرش کے تکبر کی یہ حالت تھی کہ وہ کسی کو اپنا ہم نشین نہیں بناتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ فرقہ کے ستارے ہی اس کے ہم مجلس ہو سکتے ہیں۔ بنی مخزوم تکبر کی وجہ سے بہت شہرت کے مالک تھے۔ صحیح بات یہ ہے کہ عرب کے تمام قبائل ہی تکبر اور نخوت کے نشہ میں پورے تھے۔ اسی رذیل



صفت نے عرب کے امن کے خرمن کو بھسم کر رکھا تھا۔

قوموں اور ملکوں کی تباہی و بربادی اور تنزل کے گڑھے میں دھکیلنے کا سبب زنا اور فحاش  
**زنا** ہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جو اقوام تعزذلت میں گری ہیں ان سب میں زنا کا مرض عام  
 تھا۔ عرب کے لوگ اس مرض میں عام مبتلا تھے۔ شاعرانہ فخریہ اپنے قصائد میں زنا کے واقعات  
 بیان کرتے تھے۔ وہ قصائد بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کی زبان پر جاری رہتے۔ عرب کے روساء  
 کے گھروں میں لونڈیاں ہوتی تھیں۔ ان سے پیشہ کرتے۔

جس ملک میں زنا کی یہ کثرت ہو تو وہاں شرم و حیا کا وجود مفقود ہو  
**بے شرمی و بے حیائی** جاتا ہے۔ عرب میں بے شرمی اور بے حیائی کی کوئی مدد ہی نہیں تھی۔  
 بیت اللہ کا حج کرنے کے لئے لاکھوں آدمی جمع ہو جاتے۔ سوائے قریش کے سب ننگے ہو کر  
 لعبہ کا طواف کرتے۔ اسی طرح عورتیں بھی ننگا طواف کرتیں۔  
 نہانے اور پاخانہ پیشاب کے وقت پردہ نہیں کرتے تھے۔ مجلسوں میں اپنی بیویوں سے  
 ہم بستری کے واقعات لطف لے لے کر بیان کرتے۔

لڑائیوں کی دہر سے اہل عرب میں درندگی اور بربریت پیدا ہو گئی تھی۔ لڑائیوں  
**سفاکی و ظلم** میں عورتیں قید ہوتیں۔ اگر وہ حاملہ ہوتیں تو ان کے پیٹ چاک کر دیتے مقتولوں  
 کے ناک کان کاٹ لیتے اور عورتیں ان کا ہار بنا کر پہنتیں۔ جیسا کہ ہندو نے جنگ اُحد میں  
 حضرت حمزہؓ کی لاش سے کیا۔

سزا دینے کے بھی عجیب عجیب سنگد لانا طریقے تھے کہ مجرم کو دو اونٹوں سے باندھ دیتے  
 پھر ان کو مخالف سمتوں میں چلا تے تو مجرم کا بدن چر جاتا۔ کبھی کبھی گھوڑے کی دم سے باندھ دیتے اور  
 گھوڑے کو سرپٹ دوڑا دیتے تو آدمی کے جسم کے ٹکڑے اڑ جاتے۔ کبھی آدمی کو تاریک کوٹھڑی میں قید  
 کر کے کھانا پینا بند کر دیتے دہر بے چارے تڑپ تڑپ کر جان دے دیتا۔  
**لوگوں کے اخلاق حمیدہ** اگر اہل عرب اخلاق زویلہ سے متصف تھے تو ان میں بعض اخلاق  
 حمیدہ بھی پائے جاتے تھے۔

اگر کسی مصیبت زدہ اور مفلوک الحال کے پاس کوئی مہمان چلا جاتا تو وہ اس کی  
**ان نوازی** مہمان نوازی کے لئے اپنی اذنی ذبح کر دیتا۔ جس پر اس کے اہل و عیال کا  
 ارہ ہوتا تھا۔ بادیہ نشین رات کے وقت اپنے ڈیروں پر آگ کے الاؤ جلا دیتے تھے تاکہ کوئی مسافر  
 کو دیکھ کر اس طرف آجائے اور وہ اس کو مہمانی کریں۔

**وفاتے عہد** | اہل عرب وفاتے عہد کو بہت عزیز سمجھتے تھے۔ عرب کے مشہور شاعر امرار القیس نے اپنی کچھ زریں اور تلواریں سموئیل بن عادیس کے پاس امانت رکھیں۔ حارث

غسانی نے وہ تلواریں اس سے طلب کیں۔ سموئیل بن عادیس نے تلواریں دینے سے انکار کر دیا۔ حارث نے حملہ کر دیا اور اس کے بیٹے کو گرفتار کر لیا۔ اور کہلا بھیجا کہ تلواریں واپس کر دو ورنہ آپ کے سامنے آپ کے بیٹے کو ذبح کر دوں گا۔ سموئیل نے لڑکے کی موت قبول کر لی لیکن اسلحہ واپس نہ کیا۔ عرب بہادری کو بہت پسند کرتے تھے۔ وہ بستر پر طبعی موت کو ناپسند کرتے

**شجاعت** | تھے۔ ان کے نزدیک بہترین موت وہ ہوتی تھی جو تلواروں کی چھانوں کے نیچے آئے۔

**تمدنی حالت** | تہذیب و تمدن کے لحاظ سے عرب کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک وہ حصہ جہاں کسی زمانہ میں تہذیب و تمدن انتہائی درجہ تک ترقی

کر چکی تھی۔ مثلاً یمن اور عرب کے وہ حصے جو ایران اور شام کی حدود سے متصل تھے لیکن عرب کے اندرونی مقامات پر تہذیب و تمدن کا نام و نشان نہ تھا۔ اندرونی حصوں میں عرب کے قبائل کی دو قسمیں تھیں۔ ایک حضری جو کسی مقام پر مستقل مکانوں میں بود و باش رکھتے تھے۔ عرب کے بڑے بڑے شہر مکہ۔ یثرب۔ طائف۔ صنعاء۔ یامہ وغیرہ ان قبائل کے مسکن تھے۔ شہری لوگوں میں جو امرار تھے وہ اہل یونان کی طرح اپنے گھروں میں غلام رکھتے تھے۔ منڈلیوں میں غلاموں اور لونڈیوں کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ اتنا کہ یہ حق تھا کہ غلاموں اور لونڈیوں سے ہر قسم کی خدمت لے۔ ہر قسم کی خدمت لینے کے باوجود ان سے بڑا سلوک روار کھا جاتا تھا۔ اہل عرب اپنے ہاتھ سے استعمال کی چیزوں کو تیار کرنے سے گریز کرتے تھے۔ اس لئے وہ صنعت کے میدان میں کافی پس ماندہ تھے۔ دوسرے بدوی تھے یعنی خانہ بدوش ان کا کوئی مستقل ٹھکانہ نہ ہوتا تھا۔ جہاں اپنے مویشیوں کے لئے گھاس پانی پایا، وہیں خیمے نصب کر لئے۔ جب گھاس پانی ختم ہوا تو وہاں سے اپنا اثاثہ اڈیٹوں وغیرہ پر لادا۔ کسی اور مقام پر جا ڈیرا لگایا۔

اندرونی حصہ میں تہذیب و تمدن نہ پائے جانے کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ عربی ایک نہایت وسیع زبان ہے لیکن عربی زبان میں ان چیزوں کے نام ہی نہیں جن کا تمدن وغیرہ سے تعلق ہو بلکہ اہل عرب نے ان چیزوں کے نام ایران یا روم سے مستعار لئے ہیں۔ سکہ کے لئے کوئی نام نہیں درہم اور دینار غیر زبان کے الفاظ ہیں۔ کوزہ کے لئے کوئی لفظ نہیں۔

یہ تاریخ سے واضح ہوتا ہے کہ رسول کریم صلعم کے زمانہ تک عیش و نعمت کے سامان بہت کم تھے۔ نہ گھروں میں چراغ جلتے تھے اور نہ پھلنیاں ہوتی تھیں نہ کوئی اور سامان عیش و حرام و حلال میں کوئی تمیز نہ تھی۔ اہل عرب کا لباس بہت سادہ ہوتا تھا۔ گاڑھے کے کرتے میں چپڑے کے پیوند لگا کر پہنتے تھے۔ اونٹ اور بھینٹ کے بالوں سے کپڑے بنے جاتے۔ زیادہ انہیں کبلوں کے ٹیچے اور فرش بناتے۔ سر پر رومال یا عمامہ کا عام رواج تھا۔

**معاشرتی حالت** | جس ملک میں نہ مذہبی حالت اچھی ہو نہ اخلاقی حالت اور نہ تمدنی حالت تو اس ملک میں معاشرت کا درخت کیسے سرسبز ہو سکتا ہے۔ عرب میں معاشرت کا پہلو بھی بہت بھیانک تھا جیسا کہ زنا کے عنوان کے تحت عورت کی حالت بیان کی گئی ہے کہ وہ کس حد تک ذلیل و محکوم سمجھی جاتی تھی۔ ایک عورت کے کئی خاوند ہوتے تھے۔ ایک مرد جس قدر چاہتا شادیاں کر لیتا۔ دو حقیقی بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنے کا عرب میں رواج تھا۔ باپ مر جاتا تو اس کی کل بیویاں سوائے حقیقی ماں کے بیٹے کے تصرف میں آتیں۔ اور اس کی جائز بیویاں سمجھی جاتیں۔ لونڈیوں سے پیشہ کر داکر روپیہ کماتے۔

عرب میں استبضاع کی رسم تھی۔ جس کی تشریح اہل لغت نے یہ کی ہے کہ عورت صرف خواہش اولاد کے لئے اپنے خاوند کے سوائے دوسرے سے تعلق پیدا کرے بلکہ لکھا ہے کہ مرد اپنی عورت یا لونڈی کو کہہ دیتا تھا اذ سبلی الی فلان فاستبضعی منه، یعنی فلاں کو کہلا بھیجو اور اس سے اولاد حاصل کرنے کے لئے تعلق پیدا کرو۔

طلاق دینے کے لئے بھی ظالمانہ طریقے رائج تھے۔ اگر ایک مرد چاہتا تو ایک عورت کو ہزار مرتبہ بھی طلاق دے کر عدت کے اندر رجوع کر لیتا۔

شعرا اپنے معاشرے کی داستانیں اپنے قصائد میں بیان کرتے۔ اسی طرح جس گھر میں بڑکی پیدا ہوتی اس کو سخت رنج ہوتا۔ اسی وجہ سے دختر کشی کی رسم جاری ہو گئی۔

عورت وراثت میں حصہ دار نہیں ہوتی تھی۔ عرب کے جاہلی معاشرہ میں ہمسائیگی کے حقوق کا خیال نہیں رکھا جاتا تھا۔ نہ غریب، بیکس، یتیم کے حقوق کا خیال رکھا جاتا تھا۔ معاشرہ کا سب سے نچلا اور ذلیل طبقہ غلاموں کا تھا۔ ان کی باقاعدہ خرید و فروخت ہوتی رہتی تھی۔ ان بیچاروں پر سخت مظالم ڈھائے جاتے تھے۔ کسی کی کوئی داد و فریاد نہ ہوتی تھی۔ ہر قسم کے ظلم و ستم کا نشانہ بنائے جاتے تھے۔

عرب کی اقتصادی حالت | ملک عرب کی اقتصادیات اور معاشیات کا تمام تر دار و مدار زراعت، تجارت اور مویشیوں پر تھا۔

تجارت | ملک عرب کا زیادہ حصہ غیر آباد اور ریگستان ہے۔ اس وجہ سے وہاں زراعت سے زیادہ تجارت کو فروغ حاصل تھا۔ عرب تاجر اپنے ملک سے عموماً تین چیزیں باہر لے جاتے تھے۔

۱۔ کھانے کا مسالہ اور خوشبودار اشیا۔ ۲۔ سونا، جواہرات اور لوہا۔

۳۔ چمڑا کھال، زین پوش، بھیر بکری، عرب تاجر غیر ملکوں سے حسب ذیل اشیا لاتے تھے کپڑا غلہ، شراب، ہتھیار، آئینہ اور سامان آرائش۔

عرب میں مختلف جگہوں پر تجارتی بازار لگتے تھے اور خرید و فروخت کا بازار گرم رہتا تھا۔

زراعت | عرب میں زراعت کا پیشہ بہت ہی کم تھا، عرب وہ مقامات جو سواحل بحر پر واقع ہیں۔ عموماً سرسبز اور زرخیز ہیں۔ مثلاً یمن کا صوبہ اس کے علاوہ یمامہ۔ نجد، یثرب۔ خیبر جو عرب کے زرخیز علاقے ہیں۔ یہاں کاشت ہوتی تھی۔ علاوہ دوسرے پھلوں کے عرب میں کثرت سے کھجور اگتی تھی۔

حیوانات | حیوانات کے لحاظ سے عرب بہترین ملک ہے۔ عرب کے گھوڑے خوبصورتی اور تیز رفتاری کی وجہ سے مشہور ہیں۔ گھوڑوں کے علاوہ اونٹ، بھیر بکریاں عرب میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ بھیر بکری اور اونٹ کے بالوں سے کپل اور کپڑے بنائے جاتے۔ اسی طرح ان کا گوشت کھانے میں استعمال ہوتا۔

عرب کی سیاسی حالت | نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل عرب میں کوئی مرکزی حکومت نہ تھی۔ تمام عرب قبائل میں بٹا ہوا تھا۔ ان قبائل کی باہمی شیرازہ بندی نسب اور اتحاد خون کے واسطے سے ہوتی تھی۔ قبیلہ کی حکومت جمہوری طرز پر ہوتی تھی۔ ہر قبیلہ کا رئیس اہل قبیلہ میں سے ہوتا۔ جمہوری اصول کے مطابق وہی شخص منصب سیادت کا اہل ہوتا تھا جس کے حامی سب سے زیادہ ہوں اور وہ شجاعت، مہمان نوازی اور فیاضی میں ممتاز حیثیت رکھتا ہو۔ قبیلہ کا رئیس اعلیٰ کنبوں کے دوسرے سرداروں کو جمع کرتا۔ اس سے مجلس شیخ القبیلہ کی ایک کمیٹی تشکیل پاتی تھی۔ اس میں جنگ و صلح یا دوسرے اہم امور کے متعلق گفتگو ہوتی۔ قبیلہ کا کوئی خاص قانون نہیں ہوتا تھا۔

عرب میں مرکزی حکومت کے فقدان کی وجہ سے نہ کوئی محکمہ عدلیہ تھا نہ نظم امن کو قائم رکھنے کے لئے محکمہ پولیس تھا اور نہ خارجی خطرات کے دفاع کے لئے فوجی نظام نہ ان کے پاس اپنا سکا یا ٹکسال تھی۔

مرکزی حکومت کے نہ ہونے کی وجہ سے ہی ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ پر حملہ کر دیتا، مظلوم قبیلہ کے مرد و زن کو تہ تیغ کرتا۔

**عرب کی حکومتیں** قبائلی نظام کے علاوہ بعض حکومتوں کا بھی پتہ چلتا ہے ان میں سے اکثر دو تہری بڑی حکومتوں کے ماتحت تھیں اور انہیں خراج ادا کرتی تھیں۔ ان کا مختصر حال یہ ہے۔

**ملوک حیرہ** مشہور یونانی فاتح سکندر اعظم نے جب ۳۳۳ ق م میں ایرانیوں کو شکست دی اور دارا کو قتل کر دیا تو سلطنت کی طاقت پارہ پارہ ہو گئی۔ اس کے بعد ایران میں چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم ہو گئیں۔ تقریباً ۵ سال تک ایران اس طوائف الملوکی کا شکار رہا۔ ۲۳۰ ق م میں اردشیر نے ایرانیوں کا بکھرا ہوا شیرازہ باندھا اور ایک متحد سلطنت قائم کی۔ اس نے ایران سے بڑھ کر عراق پر تسلط قائم کر لیا۔ حیرہ اور انباء کے عربوں نے اطاعت قبول کر لی۔ اردشیر نے جذیمہ کو حیرہ کا بادشاہ بنا دیا۔

جذیمہ کی وفات کے بعد قبیلہ نخم کا سردار عمرو بن عدی حیرہ کا بادشاہ ہوا۔ نوشیرواں اور کسریٰ کے زمانے تک نخعی خاندان حیرہ پر حکومت کرتا رہا۔ لیکن کسریٰ نے کسی ناراضی کی وجہ سے نخعی خاندان سے حکومت چھین کر بنی طے کے رئیس ایاس بن قبیسہ کو حکومت دے دی لیکن ۶۳۲ء میں پھر نخعی سردار منذر نے حیرہ کی حکومت واپس لے لی۔

حیرہ کا شہر پانچ سو برس تک آباد رہا مگر جب کوفہ آباد ہوا تو حیرہ ویران ہونے لگا۔ اس کی بادی اور رونق خلیفہ المعتضد عباسی تک کے زمانے تک گھٹتی رہی۔ آخر کار یہ شہر بالکل تباہ و برباد ہو گیا۔

**ملوک مین** سرزمین مین میں قحطانی قبائل پھیلے ہوئے تھے۔ اس سے زمین کے مختلف اقطاع میں عمالیق، اہل معین، عاد، سبا، حمیر کی مشہور سلطنتیں قائم ہوئیں۔ ارباب تدار قبائل کی تعداد ۸ تھی۔

صنعا کا مخالف سب سے بڑا مخالف سمجھا جاتا تھا۔ اور وہاں کے امیر ملوک کہلاتے تھے۔

ان لوگ یعنی سے یوسف ذونواس بہت مشہور تھا۔ اس نے یہودی مذہب قبول کر لیا۔ عیسائی مبلغین کی کوشش سے اکثر عایا عیسائی ہو گئی۔ خصوصاً نجران کے باشندے ذونواس نے ۶۵۳ء میں ان پر مظالم ڈھانے شروع کر دیئے۔ جب یہ خبر قیصر جوستین کو پہنچی تو اس نے حبشہ کے عیسائی بادشاہ نجاشی کو حکم دیا کہ وہ ذونواس پر چڑھائی کرے۔ اُس نے فوراً ایک لشکر اریاط کی قیادت میں بھیجا۔ جس نے صنعار پر بزور شمشیر قبضہ کر لیا۔ ذونواس نے سمندر میں ڈوب کر خودکشی کر لی۔ اریاط کو اس کے لشکر کے امیر ابرہہ نے قتل کر دیا اور نجاشی کو راضی کر کے صنعار کی حکومت پر قابض ہو گیا۔ سابق ملک یمن اپنی کھوئی ہوئی طاقت کے حصول کے لئے کوشش کرنے لگے۔ چنانچہ معدی کرب نے نوشیرواں شاہ ایران سے مدد طلب کی۔ ایرانی مدد سے معدی کرب نے حبشہ کی فوج کو شکست دی۔ قحطانی قبائل نے بھی معدی کرب کا ساتھ دیا۔ آخر کار ایرانیوں نے ابرہہ کے خاندان کو یمن سے نکال کر معدی کرب کو بادشاہ بنا دیا۔ معدی کرب کی وفات کے بعد یمن حکومت ایران کا ایک صوبہ بن گئی۔

**ملوک شام** اسکندر کی فتح کے بعد شام پر رومیوں کی حکومت تھی۔ انہوں نے بوقضاعہ کے ایک سردار کو وہاں کا حاکم مقرر کر دیا۔ کچھ دنوں کے بعد غسانی قبیلے نے بوقضاعہ کو مغلوب کر لیا۔ رومی حکومت نے غسانی سردار جفہ بن عمرو کو بادشاہ تسلیم کر لیا۔ بنی جفہ نے عیسائیت قبول کر لی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت تک انہی کی حکومت رہی جنگ یرموک کے بعد اس کا آخری بادشاہ دائرہ اسلام میں داخل ہوا۔

**امارت حجاز** حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے خانہ کعبہ کو پرانی بنیادوں پر کھڑا کیا۔ اس گھر کا سب سے پہلا متولی حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مقرر کیا گیا۔ آہستہ آہستہ لوگ اس جگہ پر آباد ہونے شروع ہو گئے۔ سب سے پہلے قبیلہ جرہم آباد ہوا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اس قبیلہ کے سردار مضاض کی بیٹی سے شادی کر لی۔ اس سے بارہ اولادیں ہوئیں۔ ان میں نابت اور قیدار کی نسل نے بہت دنیاوی عروج حاصل کیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے لڑکے نابت بیت اللہ کے متولی بنے۔ اور دو پشتوں کے بعد آل اسماعیل میں اتنی کثرت ہوئی کہ وہ طلب معاش کے لئے باہر چلے گئے۔ ان کے مکہ سے چلے جانے کے بعد بنی جرہم نے خانہ کعبہ کی تولیت پر قبضہ کر لیا۔ آل اسماعیل نے خیال رشتہ کی وجہ سے ان کا کوئی مقابلہ نہ کیا لیکن بنی جرہم تولیت کے غرور میں اتنے بدست ہوئے کہ ان سے ہر قسم کی بدعنوانیاں شروع ہو گئیں

یمن کے سیلاب کی وجہ سے جب حارثہ بن عمر جس کا لقب خزاعہ تھا اپنا قبیلہ لے کر مکہ پہنچا تو وہاں کے باشندوں نے نکال دیا۔ یہ لوگ نجد، عراق اور بحرین وغیرہ میں جا بسے۔ مکہ اور اس کی اطراف میں آل اسماعیل میں سے صرف قریش کی اولاد رہ گئی۔ جب خاندان قریش میں سے قصی پیدا ہوا۔ یہ شخص بہت حوصلہ مند اور زیرک تھا۔ اس نے تمام منتشر قبائل کو جمع کیا۔ اور بنی کنانہ کی مدد سے بنی خزاعہ سے بیت اللہ کا قبضہ لے لیا اور تمام قریش کو مکہ میں آباد کیا۔ اور اس کی تنظیم کر کے ایک چھوٹی سی ریاست کی بنیاد ڈالی۔ اس دن سے قریش کو حجاز میں سیاسی اور اجتماعی اہمیت حاصل ہو گئی۔ قصی نے اس ریاست کی بنیاد جمہوری طرز پر رکھی۔ اس کے کئی شعبہ جات تھے جو مختلف قبائل میں منقسم تھے۔ بڑے تین شعبے تھے۔ فوجی، عدلی و مذہبی پھر یہ تینوں آگے کئی شعبوں میں تقسیم تھے۔ یہ شعبہ جات قریش کی مختلف شاخوں میں منقسم تھے۔ اسلام سے قبل ان کی تقسیم حسب ذیل تھی۔

۱۔ عقاب۔ یعنی قومی نشان کی علمبرداری۔ بنی اُمیہ۔

۲۔ قبہ اور اعنہ یعنی فوجی کمیپ کا نظم و انصرام اور سواروں کے رسالہ کی سپہ سالاری بنی مخزوم۔

۳۔ سفارت یعنی دوسری حکومتوں سے خط و کتابت کا ادارہ۔ بنی عدی۔

۴۔ ندوہ یعنی عدالت اور قومی جلسہ کا انتظام۔ بنی عبددار۔

۵۔ مشورہ۔ یعنی اہم امور میں صلاح مشورہ۔ بنی اسد۔

۶۔ اسحاق یعنی جہاں جرمانہ اور مالی تاوان کی نگہداشت ہوتی تھی۔ بنی تمیم۔

۷۔ حکومت یعنی جہاں مقدمات کے فیصلے ہوتے تھے۔ بنی سہم۔

۸۔ سقایہ یعنی حاجیوں کی خورد و نوش کا انتظام ۹۔ عمارہ یعنی خانہ کعبہ کا انتظام بنی ہاشم۔

۱۰۔ رفاہ۔ یعنی حاجیوں کی مہمان نوازی اور مالی امداد۔ بنی نوفل ۱۱۔ سدانہ یعنی خانہ کعبہ

کی کلید برداری کا کام بنی عبددار ۱۲۔ ایسار یعنی بتوں سے استخارہ کرنے کا کام۔ بنی حجاج۔

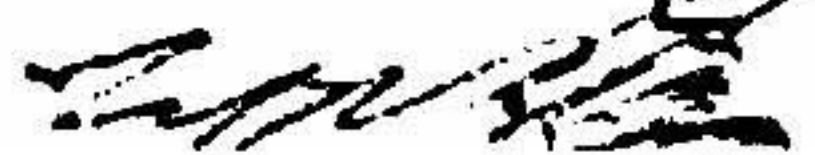
قصی کے چھ لڑکے تھے۔ عبددار۔ عبد مناف۔ عبد العزی۔ عبد۔ تخر اور برہ مرتے وقت

قصی نے حرم کے تمام منصب عبددار کو تفویض کر دیتے۔ عبد مناف کے لڑکے ہاشم نے بنی عبد

عبددار کی ناناہلی کی وجہ سے ان سے سقایہ اور رفاہ کے منصب لے لئے۔ ہاشم نے مفوضہ خلات

کو نہایت ہی خوش اسلوبی سے ادا کیا۔ حاجیوں کی بڑی قیاضی سے خدمت کرتے۔ جس وجہ سے

قریش میں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی۔



# آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکی زندگی

نسل: رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھے حضرت ابراہیم نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اس جگہ چھوڑا تھا جو آج کل مکہ کے نام سے مشہور ہے، اس وقت کوئی مستقل آبادی نہ تھی۔ صرف یمن اور شام سے آنے والے قافلے آرام کرنے کے لئے پڑاؤ ڈال لیا کرتے تھے۔

حضرت ہاجرہ نے وہاں جھونپڑی بنالی جو تھوڑا سا سامان معیشت ساتھ لایا ہوا تھا۔ وہ ختم ہو گیا۔ جب بچہ کو سخت پیاس لگی تو حضرت ہاجرہ نے ماں کی ماتیاں پانی کی تلاش میں صفا اور مردہ دونوں پہاڑیوں پر سات مرتبہ چکر لگاتے لیکن پانی نہ ملا۔ مایوسی کے عالم میں واپس اپنے ننھے بچے کو دیکھنے کے لئے واپس لوٹیں تو دیکھا کہ بچہ پیاس کے مارے زمین پر ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔ اس کی ایڑیاں پانی سے شرابور ہیں اور صاف و شفاف پانی بہہ نکلا ہے۔ انہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو پانی پلایا اور چشمہ کے ارد گرد منڈیر بنا دی۔ آخر یہ چشمہ ایک شہر کی تعمیر کا باعث بنا جس کو آج کل مکہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے قبیلہ جرہم کے ایک سردار مضاہ بن عمرو کی لڑکی سے شادی کر لی۔ اس سے بارہ اولادیں ہوئیں۔ ان میں نابت اور قیدار کی نسل نے بہت دنیاوی عروج حاصل کیا۔ اسی نسل سے فہر پیدا ہوا۔ اس کا لقب قریش تھا۔ اسی نسبت سے اس کی نسل قریشی کہلاتی ہے۔ اس کی پانچویں پشت سے قصی پیدا ہوا۔ قصی کے چھ لڑکے تھے۔ عبددار۔ عبدمناف۔ عبدالعزیٰ۔ عبدتھمر اور برہ۔ عبدمناف کا بیٹا ہاشم تھا۔ اس نے مدینہ کے خاندان بنی۔ بخسار میں شادی کی۔ شادی کے بعد شام جاتے ہوئے فوت ہو گیا۔ وفات کے بعد لڑکا پیدا ہوا جس کا نام شیبہ رکھا۔ ان کے بھائی مطلب کو علم ہوا تو وہ مدینہ گیا۔ اپنے پیارے بھائی کی نشانی کو مکہ لے آیا۔ بعض لوگوں نے غلطی سے شیبہ کو مطلب کا غلام سمجھا چنانچہ شیبہ کو عبدالمطلب کے نام سے پکارا جانے لگا۔ عبدالمطلب کے کئی نامور بیٹے تھے۔ مثلاً عبد اللہ ابوطالب۔ حمزہ اور عباس۔

عبدالمطلب نے عبد اللہ کی شادی وہب بن عبدمناف کی صاحبزادی حضرت ولادت نبوی آمنہ نام سے کر دی۔ شادی کے کچھ عرصہ بعد عبد اللہ تجارت کے لئے شام گئے۔



واپس آتے ہوئے مدینہ میں قیام کیا اور بیمار ہو گئے۔ عبدالمطلب نے خبر لانے کے لئے حارث کو شرب بھیجا۔ حارث کے شرب پہنچنے سے قبل عبداللہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ یہ صدمہ نو عروس کے لئے کوئی کم نہ تھا۔ ان کی وفات کے چند ماہ بعد بروز دو شنبہ بوقت صبح ۹ ربیع الاول مطابق ۲۰ اپریل ۶۵۱ء کو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی۔ یہ وہی سال ہے جس میں یمن کے حاکم ابرہہ نے خانہ کعبہ کو پیوند خاک کرنے کے لئے مکہ پر چڑھائی کی تھی۔

آپ کے دادا نے نام محمد رکھا اور والدہ نے اسمذنام رکھا۔ آپ اسم ہامستی تھے۔

**رضاعت** | رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش پر آپ کی والدہ مکرمہ نے دو تین دن دودھ پلایا۔ اس کے بعد ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے دودھ پلایا۔ پھر حضرت حلیمہ نے دودھ پلایا۔ اس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ شہر کے روسار اور شرفار اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے لئے دیہات اور قصبات میں بھیج دیا کرتے تھے تاکہ جسمانی لحاظ سے صحت مند اور زبان کے لحاظ سے فصیح ہو جائیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش سے چند روز قبل ہوازن قبیلہ کی عورتیں مکہ آئیں۔ ان میں حضرت حلیمہ سعدیہ بھی تھیں۔ بی بی آمنہ نے اپنے لخت جگر کو حلیمہ کے سپرد کر دیا۔ وہ ہر چھٹے ماہ مکہ لاکر ان کی والدہ کو دکھا جاتی تھیں۔ دو سال کے بعد دودھ چھڑا دیا اور حضرت حلیمہ بی بی آمنہ کے پاس لائیں۔ چونکہ ان ایام میں مکہ میں بھی دبا پھیلی ہوتی تھی۔ اس وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے حضرت حلیمہ کے پاس واپس بھیج دیا۔ جب چار سال کے ہوئے تو دوبارہ حضرت حلیمہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ لائیں تو بی بی آمنہ نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس رکھ لیا۔

**والدہ مکرمہ کا انتقال** | رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر جب چھ برس ہوئی تو آپ کی والدہ ماجدہ اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کرنے کے لئے مدینہ ساتھ لے گئیں۔ ایک ماہ وہیں مقیم رہیں۔ اس سفر میں اُم ایمن ساتھ تھیں۔ واپس آتے ہوئے جب مقام ابوار میں پہنچیں تو آپ کی والدہ مکرمہ کا انتقال ہو گیا اور وہیں مدفون ہوئیں۔ اُم ایمن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ لے کر آئیں۔

**دادا کی تربیت اور ان کا انتقال** | حضرت آمنہ کی وفات کے بعد حضور کو عبدالمطلب نے اپنی آغوش پرورش میں لے لیا اور ہمیشہ آپ کو اپنے ساتھ رکھتے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر آٹھ برس اور دس دن ہوئی تو عبدالمطلب نے بیاسی سال کی عمر میں وفات پائی۔

**ابوطالب کی کفالت اور شام کا سفر** | عبدالمطلب کے دس بیٹے مختلف ازواج سے تھے ابوطالب

اور عبد اللہ ایک بیوی کے لطن سے تھے۔ اس وجہ سے عبد اللہ کی بے وقت موت کے بعد عبدالمطلب نے ابوطالب کے سپرد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ کی کفالت کی اور ساتھ یہ وصیت کی کہ یہ تمہارے مرحوم بھائی عبد اللہ کی نشانی ہے۔ اس پیاری نشانی کو دل و جان سے عزیز رکھنا۔ ابوطالب نے عبدالمطلب کی وصیت کو جس رنگ میں پورا کیا۔ تاریخ اس کی شاہد ہے۔

جب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارہ سال کی عمر تھی کہ ابوطالب نے تجارت کے لئے شام کا سفر کیا۔ سفر کی صعوبت اور تکلیف کی وجہ سے آپ کو ساتھ لے جانا نہیں چاہتے تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابوطالب سے اتنی محبت تھی کہ جب ابوطالب جانے لگے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جذبہ محبت میں ابوطالب کے ساتھ چھٹ گئے۔ انہوں نے اپنے ساتھ لے لیا۔

**حرب فجار** | جب آپ کی عمر پندرہ سال کی ہوئی تو آپ نے حرب فجار میں حصہ لیا۔ یہ لڑائی ایام الحرام میں ہوتی تھی۔ ان مہینوں میں لڑنا منع ہے۔ اس وجہ سے لڑائی کا نام حرب فجار پڑ گیا۔ یہ لڑائی قریش اور قیس و کنانہ کے درمیان لڑی گئی تھی۔ چونکہ قریش برحق تھے اس لئے آپ نے ان کا ساتھ دیا۔ لیکن کسی پر تلوار نہیں اٹھائی۔ آپ نے صرف دشمنوں کے پھینکے ہوئے تیر اٹھا اٹھا کر اپنے چچاؤں کو دیتے تھے۔

**حلف الفضول** | قدیم زمانہ میں عرب کے بعض نیک دل اشخاص کو یہ خیال پیدا ہوا کہ ایسی انجمن کا انعقاد جو ملک میں امن و سلامتی کو قائم رکھے۔ چنانچہ ایک معاہدہ ہوا کہ

- ۱۔ ہم ملکہ سے بد امنی دور کریں۔
- ۲۔ ہم غزبار کی اعانت کریں۔
- ۳۔ مسافروں کی حفاظت کریں گے۔
- ۴۔ مظلوموں کو ظالموں کے پنجہ سے چھڑائیں گے۔

عربی میں چونکہ حق کو فضل بھی کہتے ہیں جس کی جمع فضول ہے اس لئے اس معاہدہ کا نام حلف الفضول رکھا گیا یا بعض روایتوں کی رو سے چونکہ اس تجویز کے محرک ایسے اشخاص تھے جن کے ناموں میں فضل کا لفظ آتا تھا۔ اس لئے یہ عہد حلف الفضول کے نام سے مشہور ہو گیا۔

بہر حال حرب فجار کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زبیر بن عبدالمطلب کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اس حلف کی تجدید کی جائے۔ چنانچہ اس تحریک پر بعض قبائل قریش کے نمائندگان عبد اللہ بن جدعان کے مکان پر اکٹھے ہو گئے جہاں سب نے حلف اٹھایا۔ وہ ہمیشہ

ظلم کو روکیں گے اور مظلوم کی مدد کریں گے۔ غر بار کی اعانت کریں گے۔ ملک سے بد امنی دور کریں گے۔ اس عہد میں حصہ لینے والوں میں بنو ہاشم، بنو مطلب، بنو اسد، بنو زہرہ، بنو تمیم شامل تھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس معاہدہ میں شامل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے نبوت کے زمانہ میں فرمایا کرتے تھے: "اگر اس معاہدہ کے بدلے مجھے سرخ اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں ہرگز قبول نہ کرتا۔ اگر آج بھی اس قسم کا معاہدہ ہو تو شرکت کرنے کو تیار ہوں۔"

**حلف الفضول کی وجہ تسمیہ** | حلف الفضول کی وجہ تسمیہ میں دو قول ہیں (الف) قریش سے پہلے بھی قبیلہ جرم اور قحطون نے مل کر اس قسم کا معاہدہ کیا جس میں بنو ہاشم

داخل تھے۔ ان تینوں کے ناموں میں لفظ فضل مشترک تھا۔ (ب) یہ نام اس لئے پڑا کہ اس میں یہ الفاظ تھے۔ ترد الفضول علی اهلها

اس زمانہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیکی تقویٰ دیانت اور راستبازی

**ایمن کا لقب پانا** | مکہ میں زبان زد خلائق بن چکی تھی۔ جس آدمی کا بھی واسطہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پڑا۔ آپ کو کھرا پایا۔ اس وجہ سے لوگ آپ کو نام سے نہیں بلاتے تھے بلکہ الایمن کے نام سے یاد کرتے تھے۔

**رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راست بازی کی وجہ سے مکہ کی ایک**

**معرز خاتون خدیجہ نام نے آپ کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ آپ ان کے**

مال سے تجارت کریں جو معاوضہ دوسروں کو دیتی ہوں اس سے دوگنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوں گی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول فرمایا۔ چنانچہ آپ مال تجارت لے کر بصری

چلے گئے۔ خدیجہ کا ذاتی ذکر میسرہ بھی ہمراہ تھا۔ اس تجارتی سفر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت حضرت خدیجہ کو بہت نفع ہوا۔ میسرہ غلام نے حضرت خدیجہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق حمیدہ کے متعلق بہت کچھ بتایا اور حضرت خدیجہ بہت ہی متاثر ہوئیں۔ چنانچہ واپس

آنے کے تین ماہ بعد حضرت خدیجہ نے شادی کا پیغام بھیج دیا۔ اس وقت حضرت خدیجہ کی عمر چالیس سال تھی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر ۲۵ سال۔ تاریخ مقررہ پر ابو طالب اور تمام ردمار خاندان حضرت خدیجہ کے مکان پر آئے اور ابو طالب نے خطبہ نکاح پڑھا اور پانچ سو طلائی درہم مہر مقرر کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام اولاد سوائے ایک بیٹے کے

حضرت خدیجہ کے بطن سے ہوئی۔

**تعمیر کعبہ اور نصب حجر اسود** | بیت الحرام نشیب میں واقع تھا۔ بارش کے زمانہ مکہ کا تمام پانی حرم میں داخل ہو جاتا تھا۔ پانی کی روک تھام کے لئے بالائی حصہ

پر بند بندھوایا تھا لیکن وہ ٹوٹ جاتا تھا۔ اور عمارت کو نقصان پہنچتا تھا۔ امتداد زمانہ کی وجہ سے کعبہ کی عمارت بھی کمزور ہو گئی۔ اس لئے قریش نے کعبہ کی عمارت گرا کر از سر نو تعمیر کرائی۔ جب حجر اسود کے نصب کرنے کا وقت آیا تو اس میں شدید اختلاف پیدا ہو گیا کہ کون سا قبیلہ حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھے۔ ہر قبیلہ کی یہ خواہش تھی کہ اس متبرک پتھر کو نصب کرنے کی سعادت اسے نصیب ہو۔ آخر کار جھگڑا یہاں تک پہنچ گیا کہ قبائل کی تلواریں میانوں سے باہر آئیں۔ ابو امیہ بن مغیرہ نے یہ رائے دی کہ جو شخص اگلے دن سب سے پہلے خانہ کعبہ میں داخل ہو وہی فیصلہ کرے کہ حجر اسود کو اس جگہ پر کون سا قبیلہ رکھے۔ حکمت الہی سے بیت اللہ میں سب سے پہلے داخل ہونے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ سب لوگ بیک زبان پکار اٹھے "ہذا الامین" یہ امین آگیا۔ اگر آپ جانتے تو خود ہی یہ کام سرانجام دے دیتے۔ لیکن آپ نے قبائل میں اتحاد اور اتفاق پیدا کرنے کے لئے ایک حسین تدبیر سے کام لیا۔ آپ نے چادر بچھا کر اپنے دست مبارک سے حجر اسود اس پر رکھ دیا۔ اور فرمایا کہ ہر قبیلے کا سردار چادر کو پکڑ کر اٹھائے۔ جب حجر اسود کو چادر میں رکھ کر اس جگہ آئے جہاں حجر اسود کو نصب کرنا تھا تو آپ نے حجر اسود کو اپنے دست مبارک سے اٹھا کر نصب کر دیا۔ اس وقت آپ کی عمر ۳۵ سال کی تھی۔

**غار حرا میں ریاضت** | رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طبعی میلان یاد اللہ کی طرف تھا۔

حضرت خدیجہؓ سے شادی ہو جانے کی وجہ سے خورد و نوش سے بے فکری ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یاد اللہ اور ریاضت کے لئے غار حرا کو پسند کیا۔ یہ غار مکہ سے دو میل کے فاصلہ پر ہے۔ آپ ہر سال رمضان کا پورا ماہ اس غار میں یاد اللہ میں بسر کرتے۔ محوڑا سا توشہ ہمراہ لے جاتے۔ اسی پر تمام مہینے کا گزارا ہوتا۔

**بت پرستی اور گناہوں سے نفرت** | ملک کی تمام توہم پرستیوں۔ برائیوں اور بدیوں سے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فطرتاً نفرت تھی۔ آپ کی طبیعت بت پرستی سے نفور تھی۔ ایک دفعہ آپ کی مجلس میں لات۔ منات۔ عزیٰ کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا مجھے جتنی نفرت ان بتوں سے ہے اور کسی چیز سے نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی وہ کھانا نہیں کھایا جو اصنام پر چڑھایا جاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت سے قبل ہی بت پرستی کی برائی شروع کر دی۔

رسول کریم صلعم کے احباب خاص | نبوت سے قبل جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احباب تھے وہ بھی اخلاق فاضلہ اور بلند رتبہ کے

مالک تھے۔ ان میں سے سب سے مقدم ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے جو دعویٰ نبوت سننے ہی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ ۲۔ حضرت حکیم بن حزام۔ ۳۔ حضرت ضماد بن ثعلبہ۔ ۴۔ قیس بن سائب مخزومی۔ ۵۔ ورقہ بن نوفل۔

نبوت کا دیا چہ | احادیث سے یہ عیاں ہے کہ نبوت سے قبل خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اسرار منکشف ہوتے تھے جو کچھ خواب میں دیکھتے تھے صبح کی سپیدی کی طرح وہ پورے ہو جاتے تھے۔

## ظہور قدسی

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چالیس سال کے ہوئے اور آپ حسب معمول غار حرا میں عبادت میں مصروف تھے۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ ایک مبارک رات میں جبرائیل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آئے اور آپ سے فرمایا۔ اِقْرَأْ لِعِیْنِیْ پڑھ۔ آپ نے جواب میں فرمایا: "ما انا بقاری" میں پڑھنا نہیں جانتا۔ تب جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو سینہ سے لگا کر زور سے دیا یا۔ اور فرمایا اِقْرَأْ۔ جواب وہی دیا۔ "ما انا بقاری"۔ غرض تیسری بار کے بعد جبرائیل علیہ السلام نے سورہ علق کی پہلی پانچ آیات پڑھیں۔ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِنْسَانَ الْاَكْرَمِ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۚ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۚ

یعنی اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے انسان کو ایک لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ اور تیرا رب سب سے بڑھ کر عزت والا ہے جس نے تلم کے ذریعے سے علم دیا۔ انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا۔

یہ وہ پہلا دن ہے جب نبوت کا بارگراں آپ پر ڈالا گیا اور وہ راستہ جس کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دن رات تلاشی اور جویاں تھے مل گیا۔ وہ آبجیات جس کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کام و دہن پیاسا تھا دستیاب ہو گیا۔ وہ نور ہدایت جس کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باطنی بینائی جستجو میں تھی حاصل ہو گیا۔ وہ سکون قلب جس کے لئے حیران و سرگردان تھے نصیب ہو گیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصلاح عالم کی ذمہ داری کا احساس اپنے دل میں لئے ہوئے گھر لوٹے۔ حضرت خدیجہؓ سے تمام ماجرا کہہ سنایا۔ اس پاک اور مقدس بیوی نے ان الفاظ میں تسلی دی۔

”خدا آپ کو کبھی رسوا نہیں ہونے دے گا اور کبھی ناکامی اور نامرادی کا منہ دیکھنے نہیں دے گا۔“ اس کی وجہ یہ بیان کی کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ بے کسوں کے معاون و مددگار ہیں۔ عہمان نوازی کا پورا حق ادا کرتے ہیں۔ مظلوموں کی جاتے پناہ ہیں۔ مسافروں کے ملجا و ماویٰ ہیں۔ مصائب میں حق کے مددگار ہیں جس آدمی میں یہ اوصاف ہوں وہ بھلا کیسے ضائع ہو سکتا ہے۔“

ذرا طبیعت سنبھلی تو حضرت خدیجہؓ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ وہ حضرت خدیجہؓ کے عم زاد بھائی تھے۔ بت پرستی سے متنفر اور دین حق کے متلاشی تھے۔ آخر کار وہ نصرانیت کی آغوش میں آگئے تھے۔ وہ عبرانی زبان جانتے تھے۔ توریت اور انجیل کے خوب ماہر تھے۔ انہوں نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام واقعہ سنا اور سننے کے بعد فرمایا۔ یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰ پر اترا تھا۔ پھر ورقہ بن نوفل نے آرزو کی کہ کاش میں بھی اس وقت تک زندہ ہوتا جب کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قوم آپ کو مکہ سے نکال دے گی حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعجب ہو کر پوچھا۔ میری قوم مجھ کو یہاں سے نکال دے گی۔ ورقہ نے جواب دیا۔ ہاں۔ ہرنی کے ساتھ ایسا ہی ہوتا پھلا آیا ہے۔ اس کے بعد ورقہ جلد فوت ہو گئے۔

پہلے پیغام کے بعد تقریباً ۴ ماہ تک وحی کا انارک گیا۔ اس کے بعد دوسری وحی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی وہ یہ تھی۔ **يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ** اے لباسِ نبوت اور طے والے اٹھ اور لوگوں کو ڈرا۔

اس پیغام میں خدا نے یہ فرمایا کہ خلوت میں بیٹھ کر صرف عبادت الہی کرنے کا زمانہ ختم ہو گیا ہے بلکہ لوگوں کو ظلمات سے نکال کر حلقہ نور میں لانے کا وقت آ گیا ہے۔ اس وجہ سے اٹھ اور اور لوگوں کو ڈرا کہ جس نے اس شمع ہدایت سے منہ پھیرا وہ دین و دنیا میں خسران اور گھاٹے میں ہے۔ سو اس حکم کو پاتے ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میدانِ عمل میں آگئے۔

بالکل ابتدائی زمانہ نبوت میں پیغام حق پہنچانے میں بڑا رازداری اور احتیاط سے کام لیا جاتا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہی لوگوں

کو پیغام پہنچاتے تھے جو آپ کے حلقہ احباب میں داخل تھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لانے والی آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ  
 ہیں۔ سب لوگوں سے بڑھ کر یہی بیوی رازدار تھیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آتے  
 ہوئے پندرہ سال گزر چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات حضرت خدیجہؓ سے نہاں نہ تھی  
 یہی وجہ ہے کہ یہ پاک بیوی نبوت سے قبل ہی آپ کے غموں کی گھڑیوں میں موجب تسکین ہوتی تھیں  
 آپ کے قلب پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی راست بازی، امانت داری اور دیانت داری کا  
 بہت گہرا اثر تھا۔ جو نبی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فارحاً سے پیغام ہدایت لے کر باہر نکلے اور  
 مگر تشریف لائے اور حضرت خدیجہؓ سے اس پیغام کا ذکر کیا تو آپ نے اس پیغام کو حق سمجھا  
 اور ایمان لے آئیں اور ساتھ یہ کہہ اٹھیں کہ آپ جیسا راست باز کبھی ناکام نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد  
 حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ورتہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ورتہ بن نوفل کے اعضاء پیری کی وجہ  
 سے مضمحل اور آنکھیں سفید ہو چکی تھیں۔ اور موت کے دروازے کو دستک دے رہے تھے۔ ورتہ  
 پیغام سنتے ہی اُمْنَتْ وَصَدَّقَتْ کہ اٹھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دولت مند۔ مائتہ الراءے اور ماہر نصاب تھے۔ آپ کی مجلسی  
 سے نیاضی کا دریا بہتا تھا۔ غرباً، مساکین اور مسافروں کے لئے رحمت کا موجب تھے۔ اس وجہ  
 سے مکہ میں بہت ہی ہرولغزینہ تھے۔ بعثت سے قبل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت  
 دوستانہ مراسم تھے۔ پیغام حق سنتے ہی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ ابوطالب کے فرزند تھے۔ آپ بچپن سے ہی رسول کریم صلی اللہ  
 علیہ وسلم کے ساتھ رہے تھے اور وہ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہیں۔  
 غلاموں میں سے جب سے پہلے حضرت زید بن عمارؓ حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا لوگوں کے ساتھ بہت میل ملاپ تھا۔ ان کی تبلیغ سے حضرت  
 عثمان غنی رضی اللہ عنہ۔ حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت سعد بن ابی  
 وقاصؓ مسلمان ہوئے۔ پھر ابو عبیدہؓ، عامر بن عبداللہ بن الجراحؓ، عبدالاسد بن ہلال، عثمان بن مظعونؓ،  
 عامر بن فہیرہ ازدیؓ، ابو جلیفہ بن عقبہؓ، سائب بن عثمان مظعون ارقمؓ، عمارؓ، یاسرؓ، خبابؓ، سعید  
 بن زیدؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، صہیبؓ، رومیؓ، بلالؓ، ابوذر غفاریؓ حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔

محمد توں میں سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد حضرت عباسؓ کی بیوی ام الفضلؓ اسما بنت  
 عیسؓ، اسما بنت ابوبکرؓ، سمیہؓ، فاطمہ خواہر عمر فاروقؓ نے اسلام قبول کیا۔

## تبلیغ عام اور کفار کی ایذا رسانی کا آغاز

تین سال تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت رازداری اور احتیاط و حزم سے فریضہ تبلیغ کو سرانجام دیتے رہے۔ آخر کار کھل کر میدان عمل میں آنے کا حکم آیا۔ قرآن مجید میں آتا ہے  
فَاذْعَبْ بِمَا تُؤْمَرُ۔ یعنی جو تم کو حکم دیا گیا ہے اس کو واٹھگاف کر دو۔ پھر حکم آیا وَإِذْ رَأَيْتُمُ الْمُشْرِكِينَ  
وَالْأَشْرَافِينَ یعنی اپنے کنبے اور قریبیوں کو ڈرا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر چڑھ کر قریش کو بلایا جب لوگ جمع ہو گئے تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک جبار لشکر آرہا ہے تو تم یقین کر لو گے۔ سب نے بیک زبان ہو کر کہا۔ ہاں۔ کیونکہ آپ ہمیشہ جاوہ راست پر گامزن رہے ہیں اور ہم سے امین کا لقب پایا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا تو میں یہ کہتا ہوں کہ اگر ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر دردناک فذاب نازل ہوگا۔ یہ سن کر سب لوگ جن میں ابوہب بھی تھا سخت برا فروختہ ہوئے اور بُرا بھلا کہتے ہوئے چلے گئے۔ چند روز کے بعد حضرت علیؑ سے کہہ کر ایک دعوت کا انتظام کرو۔ یہ تبلیغ اسلام کا پہلا موقعہ تھا۔ اس دعوت میں تمام خاندان عبدالطلب مدعو تھے۔ ابوطالب۔ حمزہؓ۔ عباس۔ سب شریک تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا کھا چکنے کے بعد فرمایا کہ میں وہ چیز لایا ہوں جو اس کو قبول کرے گا وہ دین و دنیا میں نجات پائے گا اس بارگراں کے اٹھانے میں میرا کون سا ہمدرد ہے گا۔ تمام حاضرین مغل خاموش رہے۔ دفعۃً ایک کونے سے حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کھڑے ہوئے اور کہا اس بارگراں کے اٹھانے میں میں معاون و مددگار ہوں گا۔ حاضرین مغل کو بے ساختہ ہنسی آگئی اور چل دیئے۔ عرب میں عکاز۔۔۔۔ اور ذوالحجاء کے میلے بہت مشہور تھے۔ عرب کے ہر کونے سے وہاں لوگ آتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں جاتے اور ان کو وعظ کرتے۔

دعظ کی اہم باتیں

خدا کو ایک مانو۔ اسی کے سامنے سر جھکاؤ۔ وہی ذات قابل عبادت ہے۔ وہ تمام عیوب سے منزه اور تمام خوبیوں کی جامع ہے۔ زمین

آسمان، چاند، سورج، ستارے وغیرہ اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ بتوں کے سامنے سر نہ جھکاؤ جو نہ کھیلو۔ جسمانی اور قلبی پاکیزگی اختیار کرو۔ وعدہ کی پابندی کرو، چوری نہ نا سے باز آ جاؤ، لین دین میں کسی سے دغا نہ کرو۔ لڑکیوں کو زندہ درگور نہ کرو۔ اللہ کے نزدیک تمام امیر و غریب انسان برابر ہیں۔ خدا کے نزدیک افضل وہ ہے جو متقی ہے۔



## قریش کی مخالفت کے وجوہ

**ت پرستی کی مخالفت** | قریش کی لگٹی میں بت پرستی رچ چکی تھی۔ وہ بتوں کی برائی اور تنقیص سنا پسند نہیں کرتے تھے۔

**قبائلی مخالفت** | اکثر قبائل بنو ہاشم سے مخالفت کرتے تھے۔ مخالف قبیلے ایک شخص کے پیچھے چلنا عار سمجھتے تھے۔ جیسا ابو جہل کی ایک گفتگو سے ظاہر ہے۔ ابو جہل انہیں تفریق تفسی کو ایک سوال کے جواب میں کہا۔ ہم اور بنو عبدمنان (آل ہاشم) ہمیشہ ایک دوسرے کے مخالف اور حریف رہے ہیں۔ انہوں نے ہمانداریاں کیں تو ہم نے بھی کیں۔ انہوں نے خون دیتے تو ہم نے بھی بہا دیتے۔ انہوں نے نیا ضیاں کیں تو ہم نے بھی اپنی نیا ضیوں کی بارش سے باکے دلوں کی خشک زمین کو سیراب کیا۔ اب بنو ہاشم میں سے ایک نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اس کی قسم ہم اس پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔

**اخلاقی پستی** | مخالفت کا ایک بڑا سبب قریش کی بد اخلاقیات تھیں۔ قریش زنا، جوا، رہزنی، عہد شکنی، آوارگی، جھوٹ، چنل خوری کے عادی تھے۔ قرآن مجید ان عادات کا سخت دشمن تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی ان برائیوں پر سخت سرزنش کرتے۔ بیعت ان عادات قبیلہ کو ترک کرنے پر لیتے تھے۔

**نسلی تصافر** | وہ خاندان اور شرافت بزرگان پر مغرور تھے۔ انہیں اسلامی مساوات کا قبول کرنا ایک قسم کی ذلت محسوس ہوتی تھی۔ اس وجہ سے وہ اسلامی تعلیمات کو اپنے مفادات کے خلاف سمجھتے تھے جن لوگوں کے مفاد پر ضرب پڑتی تھی وہ قبائلی مخالف ہو گئے۔

**مکہ اول کی طرف منہ کر کے نماز** | قریش کو عیسائیت سے نفرت تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ابرہہ نے بیت اطرام کے ڈھانے کے لئے فوج کشی

کی تھی۔ اسلام اور عیسائیت میں بہت سی باتیں مشترک تھیں۔ اس زمانہ میں اسلام کا تکرار بھی تات المقدس تھا۔ قریش نے خیال کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیسائیت کو قائم کرنا چاہتے ہیں وہ نبوت کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھے اور بعید سمجھتے تھے کہ خدا کے حکم سے کوئی انسان انسانوں کو سمجھانے کے لئے آئے۔

۷۔ جزا و سزائے اعمال کے قائل نہ تھے۔ اس لئے یہ قائل  
 کہ موت کے بعد اعمال کی ہوگی۔ ان کے نزدیک  
 بالکل قابل تمسخر تھی۔

۸۔ معاشی مسئلہ  
 اسلام کابت پرستی کے خلاف ہونا قریش کا محض جذباتی مسئلہ نہ تھا بلکہ ان  
 کا معاشی مسئلہ بھی تھا۔ تمام عرب بنوں پر چڑھاوے چڑھاتے تھے  
 قائدین قریش جو بیت اللہ کے متول تھے ان میں سے اپنے حصے وصول کرتے تھے۔ قریش سردار  
 جانتے تھے کہ اگر اسلام غالب آگیا تو چڑھاؤں کی آمدن ختم ہو جائے گی اس وجہ سے انہوں  
 نے شجر اسلام کو جڑھ سے اکھاڑ پھینکنے کی ہر ممکن کوشش کی۔

۹۔ آباد اجداد کی پیروی  
 اہل عرب اپنے آباد اجداد کی عزت کرنا اور سہرات میں خواہ وہ  
 درست ہو یا غلط ان کی پیروی اختیار کرنا اپنا جزو دین و مذہب  
 سمجھتے تھے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ "ہم تو بہر حال اسی کی پیروی  
 کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباد اجداد کو پایا ہے" لیکن اسلام نے عقل کو سپرد اور جھوٹ کے درپردہ  
 حکم قرار دیا اور یہ بدانت کی کہ آباد اجداد کی اندھی تقلید کرنے والوں کو یہ سوچنا چاہیے کہ آیا ان کے  
 آباد اجداد نے گمراہی اور بے وقوفی کا راستہ تو اختیار نہیں کیا ہوا تھا۔ ارشاد الہی "کیا وہ اپنے آباد  
 اجداد ہی کی اتباع کریں گے۔ خواہ ان کے آباد گمراہ اور بے وقوف ہی کیوں نہ ہوں" یہی وجہ ہے کہ  
 کفار کا ایک وفد ابوطالب کے پاس گیا تو ان سے کہا کہ اپنے بھتیجے کو روک دیں کہ وہ ہمارے  
 بزرگوں کو برا بھلا نہ کہے۔

۱۰۔ رسول کریم کا مالدار نہ ہونا  
 قریش میں بڑے بڑے صاحب اثر اور دولت مند لوگ تھے۔  
 رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم باوجود ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق  
 رکھنے کے ان دونوں باتوں سے خالی تھے۔ ایسی حالت میں قائدین مکہ کا آپ کی اتباع میں آنا  
 اپنی توہین خیال کرتے تھے اسی وجہ سے وہ کہتے تھے "کیوں نہ یہ قرآن کہہ یا طائف کے کسی  
 بڑے آدمی پر نازل ہوا"۔

مسلمانوں کو دکھ دیتے جانے میں حکمت

پہلی حکمت :- مسلمانوں کے اغلاس پر ہرنگ جاتے اور یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ دنیا  
 لاپس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد جمع نہیں ہوئے۔ بلکہ خدا تعالیٰ کی رضا  
 کے لئے ایمان لاتے ہیں۔

دوسری حکمت :- انسان کے اخلاق کی تکمیل نہیں ہوتی۔ جب تک وہ مصائب اور آلام  
لی بھڑکتی ہوئی بھیٹی میں نہیں ڈالاجاتا۔

تیسری حکمت :- اللہ تعالیٰ اپنی یہ قدرت دکھانا چاہتا ہے کہ انسانی طاقتیں اسلام کا کچھ  
بگاڑ نہیں سکتیں۔

چوتھی حکمت :- مومن اور منافق میں تمیز ہو جائے کیونکہ منافق مشکلات میں ثابت قدم نہیں  
رہ سکتا۔

قریش نے ایک وفد ابوطالب کے پاس  
بیجا اور ان سے درخواست کی کہ وہ اپنے

بھتیجے کو سمجھائیں کہ وہ ان کے بتوں کو بڑا جھلا کہنا چھوڑ دے۔ ابوطالب نے وفد کو سمجھایا اور واپس

لے دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام کو جاری رکھا۔ جب اسلام کی نورانی شعائیں ذرا

پھیلنے لگیں تو پھر قریش نے دوسرا وفد ابوطالب کے پاس بھیجا اور وہ وفد اپنے ساتھ عمار بن ولید

لے گیا۔ یہ نوجوان شجاعت اور حسن و زیبائی میں بے مثال تھا۔ ابوطالب سے کہا کہ اس نوجوان

و اپنا بیٹا بنا لو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے سپرد کر دو۔ ابوطالب نے کہا کہ یہ عجیب بات ہے کہ

تمہارے بیٹے کی پرورش کروں اور آپ میرے بیٹے کو موت کے گھاٹ اتار دیں ایسا نہیں ہو

سکتا۔ ابوطالب کا جواب سن کر کفار قریش واپس ناکام و نامراد لوٹ آئے۔ اب قریش نے رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی تکالیف اور ایذا میں دینی شروع کر دیں۔ کبھی شاعر کہتے۔ کبھی مجنوں کا

م دیتے۔ کبھی کابن بکارتے۔ راستوں میں کانٹے پھانسنے شروع کر دیئے۔ ایک مرتبہ رسول کریم صلی

اللہ علیہ وسلم کعبہ میں عبادت کے لئے گئے۔ مسجد کی حالت میں اونٹنی کی غلیظ بچہ والی آپ پر رکھ دی

گئی۔ کسی راستہ پر گزرتے وقت آپ پر مٹی پھینکی جاتی۔ پھر مارے جاتے۔ ایک دفعہ عقبہ بن ابی معیط

نے چادر آپ کے گلے میں ڈال کر اس زور سے مروڑا کہ دم گھٹ گیا۔

قریش نے ایک اور وفد بار ابوطالب کے پاس بھیجا اور وفد نے کہا اے ابوطالب! آپ ہم

کو عمر میں زیادہ ہیں۔ مرتبہ اور وجاہت میں بھی سر بلند ہیں۔ پہلے بھی آپ سے دوبارہ درخواست کی

تھی کہ آپ اپنے بھتیجے کو بتوں کی مذمت سے منع کریں لیکن آپ نے اس کو اس کام سے نہیں روکا

اسے ابوطالب اب ہمارے صبر کا پیمانہ بے ریز ہو چکا ہے۔ اگر اب اس نے ہمارے بتوں کو

جھلا کہا۔ ہمارے آباد اجداد کی تذلیل کی، ہمیں گمراہ اور جہنم کا ایندھن کہا تو ہم آپ سے جنگ

کی گئے تاکہ معاملہ ختم ہو جائے۔

ابوطالب نے اپنے پیارے بھتیجے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر قوم کا ایک ایک حرن

ہسٹایا اور کہا کہ ہم اس قابل نہیں کہ قوم کا مقابلہ کر سکیں۔ اس وجہ سے مجھے اور اپنے آپ کو

ہلاکت میں نہ ڈالیں۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ابوطالب کے دل پر قوم کی دھمکی کا بہت اثر ہوا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے چچا اگر آپ قوم کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو بے شک یہ معادنت سے دست کش ہو جائیں۔ پھر فرمایا اے میرے چچا خدا کی قسم اگر کفار مکہ میرے دائیں ہاتھ سورج اور بائیں پر چاند رکھ دیں اور کہیں کہ اس کے عوض تبلیغ اسلام کو ترک کر دوں مجھے منظور ہوگا اگر مجھے اس راہ میں ہلاکت نظر آئے تو میں پیچھے قدم نہیں رکھوں گا۔

ابوطالب کے طلب پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ بجلی کا سا اثر کر گئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ جو بات تمہیں لوگوں سے کہنا ہے کہہ دیجئے۔ بخدا میں آپ کی ہر قدم مدد کروں گا اور آپ کی تکلیف کو گوارا نہیں کروں گا۔

قریش نے ایک منصوبہ بنایا شاید اسی سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رک جائیں وہ منصر یہ تھا کہ اس دفعہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو طین دو چنانچہ عتبہ بن ربیعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور کہا.....

۱۔ اگر اس قسم کی تبلیغ سے آپ کا منشا مال جمع کرنا ہے تو ہم لوگ آپ کے لئے دولت کر دیتے ہیں۔

۲۔ اگر یہ نیت ہے کہ آپ تمام عرب کے سردار بن جائیں تو ہم آپ کی سیادت قبول کر کے لئے حاضر ہیں۔

۳۔ اگر آپ بادشاہت کے طلب گار ہیں تو ہمیں یہ بھی منظور ہے۔

۴۔ اگر کوئی خوبصورت عورت سے شادی کرنا چاہتے ہیں تو ہم آپ کے اس مقصد کو بھی پورا کر دیتے ہیں۔

۵۔ اگر آپ آسیب زدہ ہیں تو آپ کا علاج کر دیتے ہیں۔

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جواب میں فرمایا مجھے مال، عزت، حکومت، دولت، بیوی یا کسی ضرورت نہیں اور نہ میرے دماغ میں غلغلہ ہے۔

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حرم آلسجدہ کی ابتدائی آیات تلاوت کیں۔ قرآن مجید کے پاکیزہ مقدس الفاظ سن کر عتبہ بن ربیعہ اٹھ کر واپس رتھا کے پاس آیا اور کہا اے قریش کے گروہ میں

ایسا کلام سن کر آیا ہوں جو نہ کہانت ہے۔ نہ شعر، نہ جادو، نہ تر، میرا کسنا مالو۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مال پر چھوڑ دو۔ لوگوں نے یہ رائے سن کر کہا لو عتبہ پر بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جادو چل گیا۔

جب کفار کے تمام حیلے جاتے رہے تو انہوں نے مسلمان بے چاروں پر مظالم ڈھانے شروع کر دیئے۔ مختصر طور پر چند بزرگ ہستیوں اور ان کو عذاب دینے کے طریقے لکھے جاتے ہیں۔

۱۔ حضرت جناب بن ارت۔ تہذیبہ تمیم سے تھے اور زمانہ جاہلیت میں لوہاری کا کام کرتے تھے قریش نے ان کو طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ ایک دفعہ کوئلے جلا کر زمین پر بچھا دیئے گئے۔ ان پر چت ٹٹا دیا گیا۔ ایک آدمی ان کی چھاتی پر چڑھ گیا۔ تاکہ کروٹ نہ بدل سکیں یہاں تک کہ کوئلے پیٹھ کے نیچے ٹھنڈے ہو گئے۔

۲۔ بلال رضی اللہ عنہ۔ حبشی تھے اور امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ ان کو علم ہوا کہ بلال مسلمان ہو گیا ہے تو ان کے لئے طرح طرح کے عذاب اور اذیتیں تجویز کیں۔ موسم گرما کی پھیلائی دھوپ میں زمین پر ٹٹا دیا جاتا اور ان کے سینے پر ایک بھاری سیل رکھ دی جاتی۔

۳۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے جب اسلام قبول کیا تھا تو ان سے پہلے عرفین اشخاص دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ قریش ان کو بھی پتی ہوئی ریت پر ٹٹا دیتے تھے۔ ساتھ سخت ایذاؤں دی جاتی تو وہ بے ہوش ہو جاتے۔

۴۔ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا جو حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں سنگدل ابو جہل نے ان کی فرج پر برچھا مار کر شہید کر دیا۔

۵۔ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے والد تھے یہ بھی کفار مکہ کے غلام دستم اٹھاتے اٹھاتے شہید ہو گئے۔

۶۔ حضرت ابو ظہیر رضی اللہ عنہ صفوان بن امیہ کے غلام تھے۔ جب صفوان کو ان کے اسلام کا علم ہوا تو اس کے پاؤں میں رسی باندھی۔ لوگوں سے کہا کہ اس کو گھسیٹ کر پتی ہوئی ریت پر ٹٹا میں۔

۷۔ حضرت بُنیہ رضی اللہ عنہ ایک کینز تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو اتنا مارتے کہ خود تھک جاتے تو کہتے کہ میں نے رحم کی بنا پر مارنا ترک نہیں کیا۔ بلکہ تھک گیا ہوں۔ وہ جواب دیتیں اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو خدا اس کا انتقام لے گا۔

۸۔ حضرت زینہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھر کی کینز تھیں۔ غلام اور سنگدل ابو جہل نے ان کو اس قدر مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں۔

۹۔ حضرت نہدیہ رضی اللہ عنہا اور ام حبیب رضی اللہ عنہا یہ بھی دونوں کینز تھیں۔ کافران کو سخت ایذاؤں دیا کرتے تھے۔

۱۰۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ایک ساتھ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ قریش ان کو اس قدر تکلیف اور اذیت پہنچاتے تھے کہ ان کے جو اس شخص ہو جاتے تھے۔ بے ہوش ہو جاتے۔

مدینہ ہجرت کرنی چاہی تو قریش نے کہا اپنا سارا سامان چھوڑ جاؤ تو جا سکتے ہو۔ حضرت صہیبؓ نے خوشی سے مان لیا۔

جو لوگ بڑے بڑے قبائل سے تعلق رکھتے تھے وہ بھی سنگدل کفار کے ہاتھ سے محفوظ نہ تھے۔ ان کے ساتھ بھی وہی برتاؤ کیا گیا جو غلاموں اور ضعفاء کے ساتھ سلوک کیا جاتا تھا۔

حضرت عثمان بن عفان جب اسلام لائے تو ان کے چچا نے رسی سے باندھ کر مارا۔

حضرت عمرؓ نے اپنے بہنوئی اور بہن کو مار مار کر لہو بہا کر دیا۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ کو ان کی والدہ نے گھر سے باہر نکال دیا۔

حضرت زبیرؓ کو چٹائی میں لپیٹ کر ان کی ناک میں دھواں دیا گیا۔

لیکن یہ جو دستم یہ جلادانہ بے رحمیاں اور سفایاں ایک مسلمان کو صراطِ مستقیم سے متنزل نہ کر سکیں۔ جب کہ پہلی اُمتوں نے اپنے انبیاء کے چند کوریاں لے کر گرفتار کر دیا اور ان کے منہ پر تھوکا ایک عیسائی مورخ نے لکھا ہے۔

”عیسائی اس کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مسائل نے وہ درجہ نشہ دین کا آپ کے پیروؤں میں پیدا کر دیا۔ جس کو عیسیٰؑ کے ابتدائی پیروؤں میں تلاش کرنا بے فائدہ ہے جب کہ عیسیٰؑ کو سولی پر لے گئے تو ان کے پیرو بھاگ گئے ان کا نشہ دینی جاتا رہا۔ وہ اپنے مستذا کو موت کے پنجہ میں گرفتار چھوڑ کر چل دیئے برعکس اس کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو اپنے مظلوم کے گرد آئے آپ کے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرہ میں ڈال کر کل دشمنوں پر آپ کو غالب کیا۔ (سیرت النبی جلد اول ص ۲۳۳) ہجرت چلشہ

بشت کا پانچواں سال تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد تقریباً پچاس آدمی سے زائد جمع ہو چکے تھے۔ کفار مکہ کے مظالم اور ایذاؤں نے ان کے قیصر اتحاد کو اور زیادہ موصوف بنا دیا تھا اور یہ جماعت روز بروز ترقی پر تھی۔ صحابہ کرام کے ساتھ کفار کی سفایوں اور ایذاؤں کو دیکھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی کہ وہ ارض حبش کی طرف ہجرت کر کے چلے جائیں۔ وہاں کا بادشاہ نجاشی جس کا نام اصحیٰ تھا بہت عادل اور منصف تھا اور وہ مذہباً عیسائی تھا جان نثاران اسلام ہر قسم کی تکلیف برداشت کر سکتے تھے لیکن ان کے مکہ میں رہ کر فرائض اسلامی کا ادا کرنا ناممکن تھا۔ کوئی شخص کعبہ میں اونچی آواز سے قرآن مجید کی تلاوت نہیں کر سکتا تھا۔

پانچ بار اول بارہ مرد اور چار عورتوں کا ایک مختصر سا قافلہ رات کی تاریکی کے پردہ میں نکلا۔ اور

بندرگاہ شعیبہ سے جہاز میں سوار ہو کر حبش کی طرف روانہ ہو گیا۔

کفار کو جب ہجرت کی خبر ہوئی تو تعاقب کیا لیکن جب بندرگاہ پر پہنچے تو جہاز جا چکے تھے تو واپس ہو کر واپس مکہ لوٹے (کفار یہ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان کسی ملک میں امن کے ساتھ زندگی بسر کریں اور اسلام کی نورانی شعاعیں پھیلیں) اندرونِ جن کی وجہ سے مشورہ کر کے یہ راستہ قرار پائی کہ نجاشی کے پاس ایک سفارتی وفد بھیجا جائے۔ وہ جا کر یہ کہے کہ وہ ان لوگوں کو جو عرب سے بھاگ کر آئے ہیں سفیروں کے سپرد کر دے۔

چنانچہ عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص اس کام کے لئے منتخب ہوئے۔ بڑے بڑے قیمتی تحفے ساتھ لئے۔ پہلے درباریوں سے ملے۔ ان کو تحائف پیش کئے ان کی تائید حاصل کی۔ اس کے بعد وہ سفیر دربار میں حاضر ہوئے درخواست کی کہ مہاجرین ہمارے مجرم ہیں ان کو واپس کیا جائے۔ بادشاہ کو یہ کہہ کر اکیسا کہ ان لوگوں نے ایک نیا مذہب ایجاد کر لیا ہے چنانچہ بادشاہ نے مسلمانوں کو جواب دینے کے لئے طلب کر لیا۔ تب حضرت نے یہ تقریر کی۔

”اے بادشاہ ہم ایک جاہل قوم تھے جو بتوں کو پوجتے، مردار کھاتے، بے حیائی کے کام کرتے، قریبوں کے حقوق ادا نہ کرتے ہمایوں سے برا سلوک کرتے اور ہم میں سے مضبوط کمزور کو کھا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ایک رسول بھیجا۔ جس کے نسب، صدق، امانت اور پرہیزگاری کو خوب جانتے ہیں۔ اس نے ہم کو بلایا کہ خدا کو ایک مانو۔ اسی کی عبادت کرو۔ بتوں اور بتوں کی پرستش کو چھوڑ دو۔ اور اس نے ہم کو حکم دیا کہ بات سچ کہو۔ امانت ادا کرو۔ صلہ رنجی کرو۔ ہمایوں سے اچھا سلوک کرو۔ حرام باتوں اور خون ریزیوں سے بچو۔ اس نے ہم کو بے حیائی کے کاموں سے۔ جھوٹ بولنے سے اور یتیم کا مال کھانے سے۔ عورتوں پر جھوٹے الزام لگانے سے روکا۔ پس ہم اس پر ایمان لائے۔ اور اس کی پیروی کی اور اس کی باتوں کو مانا۔ اس پر ہماری قوم نے ہم پر ظلم شروع کیا اور ہم کو دکھ دیا کہ ہم اپنے دین کو ترک کر دیں اور بت پرستی کی طرف لوٹ آئیں۔ پس جب ان کا ظلم انتہا کو پہنچ گیا تو ہم آپ کے ملک کی طرف نکل آئے اور ہم امید رکھتے ہیں کہ آپ کے ہاں ہم پر ظلم نہیں ہوگا۔“

بادشاہ نے حضرت جعفرؓ کی تقریر کے بعد کہا کہ جو کلام آپ کے نبی پر نازل ہوتا ہے وہ بھی سننا حضرت جعفرؓ نے سورہ مریم کی چند آیات پڑھ کر سنائیں۔

اگلے دن سفراء نے ایک اور تدبیر سوچی کہ نجاشی کو اکیسا یا جائے کہ یہ حضرت عیسیٰؑ کو نہیں مانتے۔ عمرو بن العاص دوبارہ دربار میں پہنچے اور نجاشی سے کہا کہ حضور آپ کو معلوم ہے کہ حضرت

عیسیٰ کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں۔ بادشاہ نے دوبارہ مسلمانوں کو بلا کر پوچھا کہ تم حضرت عیسیٰ کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہو۔ حضرت جعفر نے کہا کہ تم حضرت عیسیٰ کو خدا کا ایک برگزیدہ نبی اور رسول مانتے ہیں۔ خدا نہیں مانتے۔

یہ جواب سن کر نجاشی نے زمین پر سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا کہ حضرت عیسیٰ کا جو مقام مسلمانوں نے بیان کیا ہے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں۔

پادری بہت برہم ہوئے لیکن نجاشی نے کوئی پرواہ نہیں کی۔ قریش کے سفراء کو ناکام و نامراد واپس لوٹا دیا۔ ہجرت حبشہ کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ مسلمان وہاں جا کر آزادی سے اپنے ذرائع ادا کرنے لگے۔ دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ وہاں کے لوگ تعلیم اسلام سے آشنا ہونے لگے۔ ابھی چند ماہ ہی گزرے تھے کہ کسی نے یہ افواہ پھیلا دی کہ تمام اہل مکہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے ہیں۔ اس افواہ پر تمام مہاجرین واپس مکہ لوٹنا شروع ہو گئے۔ جب مکہ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ خبر سراسر بے بنیاد تھی واپس جانا بھی دشوار تھا اس لئے سوائے چند ایک کے باقی سب چھپ چھپا کر مکہ میں آ گئے۔

سفیروں کی ناکامی اور نامرادی کی وجہ سے قریش مکہ نے اپنی دولت اور بے عزتی محسوس کی اس وجہ سے کفار نے

حبشہ کی طرف دوسری ہجرت

مسلمانوں کی تکالیف اور ایذاؤں میں مزید اضافہ کر دیا اور بے کس مسلمان مجبوراً حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ اس بار یہ قافلہ ۸۳ مردوں اور ۱۸ عورتوں پر مشتمل تھا۔

حضرت حمزہ اور حضرت عمرؓ کا قبول اسلام | حضرت حمزہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے آپ چھٹے سال تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر

ایمان نہ لائے۔ لیکن آپ سے خاص محبت رکھتے تھے۔ ایک دن حب معمول ابو جہل نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گستاخی کی۔ حضرت حمزہؓ کی لونڈی دیکھ رہی تھی۔ جب حضرت حمزہؓ شکار سے واپس گھر لائے تو لونڈی نے طنزاً کہا۔ اتنے شہ زور بنے پھرتے ہو۔ آپ کو معلوم ہے کہ آج آپ کے بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابو جہل کس طرح پیش آیا ہے۔

حضرت حمزہؓ قرابت کے جوش میں حرم میں ابو جہل کے پاس پہنچے اور زور سے کمان ابو جہل کے سر پر ماری اور مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ جب گھر واپس لوٹے تو اس عجز و خوض میں تھے کہ آبائی دین کو دفعہ چھوڑ دینا ٹھیک نہیں تمام دن سوچتے رہے آخر کار اس نتیجہ پر پہنچے کہ اسلام ہی درست دین ہے۔

حضرت عمرؓ کا قبول اسلام | ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی نیت سے گھر سے نکلے ہاتھ میں برہنہ تلوار تھی۔ بازار میں سے جا رہے تھے



راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہ نے اور حضرت عمرؓ سے پوچھا ہاتھ میں برہنہ تلوار لے کر کدھر کا رخ ہے حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔ آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے جا رہا ہوں۔ نعیم بن عبداللہ نے کہا کیا آپ کو علم ہے کہ آپ کے بہنوئی اور بہن نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ غصہ کی حالت میں واپس بہنوئی کے گھر آئے۔ اس وقت حضرت خبابؓ گھر والوں کو قرآن پاک پڑھا رہے تھے حضرت عمرؓ کی آواز سن کر قرآن مجید کے اوراق چھپا دیئے گئے، حضرت عمرؓ نے جلال آواز میں کہا کہ مجھے علم ہوا ہے کہ آپ مرتد ہو گئے ہیں۔ یہ کہہ کر اپنے بہنوئی سعید کو پکڑا اور مارنا شروع کر دیا۔ بہن چھڑانے کے لئے آئیں ان کو بھی چوٹیں لگیں اور لہو لہان ہو گئیں۔ بہن کی یہ حالت دیکھ کر حضرت عمرؓ نے کہا کہ جو کچھ تم پڑھ رہے تھے وہ مجھے بھی سناؤ۔ چنانچہ سورۃ طہ کے اوراق دیئے گئے۔ حضرت عمرؓ نے وہ اوراق پڑھے تو ان کے دل میں صداقت اسلام منج کی طرح گڑ گئی۔

حضرت خبابؓ بھی باہر نکل آئے۔ تبلیغ کا موقعہ غنیمت جانا۔ تبلیغ کی۔ حضرت عمرؓ سیدھے حضرت ارقم کے گھر پر آئے جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو تعلیم دیا کرتے تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

حضرت عمرؓ کے ایمان لانے کے بعد مسلمانوں کو بہت تقویت ہوئی۔ انہوں نے اعلان اسلام کا اظہار کیا اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ بیت اللہ میں نماز ادا کی۔

### معاشری مقاطعہ (حرم نبوی)

قریش نے اسلام کی دعوت کو دبانے کے لئے ہر قسم کا حربہ استعمال کیا۔ ایذائیں دیں۔ لاپرواہی دیا۔ لیکن اسلام کا دائرہ پھیلتا چلا گیا۔ اسلام کی شعاعیں تاریک تلوہ کو منور کرتی چلی جا رہی تھیں۔ اس لئے کفار نے یہ معاہدہ کیا کہ بنی ہاشم سے مکمل معاشری مقاطعہ کیا جائے یعنی ان سے ناظرہ رشتہ کرنا چھوڑ دیا جائے۔ گلی بازار میں پھرنے سے روک دیا جائے۔ ان سے خرید و فروخت نہ کی جائے۔ یہ معاہدہ منصور بن مکرہ نے لکھا اور کعبہ میں اویزاں کیا گیا۔ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کا قبیلہ شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے اور تین سال تک وہیں رہے، یہ ایسا زمانہ تھا کہ محصورین درختوں کے پتے اور پھال کھا کھا کر گزارہ کرتے تھے۔ جوک و پیاس کی وجہ سے بچے بلباتے تھے ان کی آواز باہر سنائی دیتی تھی تو سنگدل کفار سن سن کر خوش ہوتے تھے۔ آخر قریش کے چند افراد ہشام، مخزومی، زعمہ بن الاسود، مطعم بن عدی اور زبیر کو رحم آیا۔ انہوں نے معاہدہ چاک کیا اور بنی ہاشم کو اس قید سے نجات ملی۔

عام الحزن (غم کا سال) سنہ نبوی  
 شعب ابی طالب سے نکلنے کے چند دن بعد ابی  
 طالب وفات پا گئے۔ ابو طالب کی وفات کے چند دن  
 بعد حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہو گیا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رمضان سنہ نبوی میں وفات پائی اس وقت ان کی عمر ۶۵ سال  
 کی تھی۔ اس سال کو رسول کریم صلعم نے عام الحزن (غم کا سال) فرمایا۔

## سفر طائف

مکہ کے آخری ایام | جب کفار مکہ کی حد سے زیادہ ہٹ دھرمی ضد اور مخالفت دیکھی تو آپ  
 نے طائف کا رخ کیا۔ یہ جگہ مکہ سے ستر میل مشرق کی طرف واقع ہے

آپ کے ساتھ آپ کا آزاد کردہ غلام زید بن حارث تھا۔ طائف میں قبیلہ بنو ثقیف آباد تھا۔ عبدیاس  
 مسعود، حبیب بنیوں بھائی اس کے سردار تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس گئے

دعوتِ اسلام دی۔ ان تینوں نے نہایت گستاخی سے جواب دیا ان کے انکار کے بعد آپ عوام  
 کی طرف دعوتِ اسلام کے لئے متوجہ ہوئے۔ ان تینوں بھائیوں نے اپنے غلاموں اور شہر کے لوگوں  
 کو اکسایا کہ وہ آپ کی ہنسی اڑائیں تمام شہر کے ادبائش آپ پر ٹوٹ پڑے اور پتھر پھینکنے شروع  
 کر دیئے یہاں تک کہ آپ کی جوتیاں خون سے بھر گئیں آخر چلتے چلتے ایک باغ میں پناہ لی۔ یہ

باغ ایک کافر عقبہ بن ربیعہ کا تھا۔ اس نے آپ کی خستہ حالت دیکھ کر اپنے ایک غلام عداس  
 کے ہاتھ ایک انگور کا خوشہ بھیجا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ پڑھا کر انگور کی  
 طرف ہاتھ بڑھایا۔ غلام نے حیران ہو کر دیکھا اور کہا کہ یہ ایسا کلام ہے جو یہاں کے لوگ بولا کرتے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے لوٹ کر چند روز نخلہ میں قیام کیا۔ اس کے بعد  
 مکہ تشریف لے آئے اور فریضہ تبلیغ کو اور جوش و خروش سے ادا کرنا شروع کر دیا۔ جب  
 حج کا موسم آتا تو مختلف قبائل مکہ کے آس پاس اترتے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک قبیلہ  
 کے پاس جاتے دعوتِ اسلام دیتے اس طرح آپ میلوں میں جاتے اور اسلام کی تبلیغ فرماتے قبائل  
 عرب میں بنی عامر، بنی فزارہ، غسان مرہ، سلیم، عبس، بنو نصر، کنذہ، اکلب، عذرہ، مشہور قبائل ہیں ان  
 کے پاس تشریف لے گئے۔ ابولہب ہر وقت سائے کی طرح ساتھ رہتا۔ جب آپ تقریر کرتے  
 تو ابولہب کہتا کہ یہ دین سے پھر گیا ہے اور جھوٹ کہتا ہے اس کی باتیں نہ سنو۔

یثرب میں اشاعتِ اسلام | یثرب مکہ کے شمال میں ایک قصبہ تھا جہاں قحطانی نسل کے دو قبیلے  
 بنو ادوس اور بنو خزرج رہتے تھے جن کے درمیان اکثر جنگ

رہتی تھی۔ ان قبائل کے علاوہ یہودی قبائل بھی آباد تھے۔ یہی بستی بعد میں مدینہ النبی کہلائی۔ آہستہ آہستہ النبی کا لفظ ماقط ہو گیا۔ صرف مدینہ کا لفظ رہ گیا۔ آج یثرب مدینہ کے نام سے مشہور ہے۔

اس بستی میں سب سے پہلے نور اسلام صوید بن صامت کے ذریعہ پہنچا۔ صوید رسول کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کو مکہ میں لے آیا۔ اسے دعوت اسلام دی۔ صوید نے کہا۔ شاید آپ کے پاس بھی وہی ہے جو میرے پاس ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپ کے پاس کیا ہے۔ آپ نے جواب دیا۔ حکمت لہمان۔ نبی کریم نے فرمایا۔ بیان کرو۔ صوید نے اپنے چند حکیمانہ اشعار سنائے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس قرآن ہے جو اس سے افضل ہے۔ صوید نے کہا سناؤ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کا ایک حصہ سنایا۔ صوید وجد میں آ گیا اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ جب یثرب میں گیا تو خزرج نے اسے قتل کر دیا۔

ایاس بن معاذ کا ہدایت پانا | اوس اور خزرج کے درمیان لہات کی مشہور لڑائی ہونے والی تھی۔ اس کی تیاری کے لئے خزرج کا ایک وفد قریش کے

پاس امداد کی طلب کے لئے آیا۔ رسول کریم اس وفد کے پاس گئے اور اسلام پیش کیا۔ قرآن مجید پڑھ کر سنایا۔ ایاس بن معاذ بے اختیار بول اٹھے۔ اے میری قوم جس مقصد کے لئے تم یہاں آئے ہو یہ اس سے بہتر ہے۔ انس بن رافع نے خاک کی مٹی ایاس بن معاذ کے منہ پر پھینک ماری اور کہا بس چپ رہو۔ ہم اس مقصد کے لئے نہیں آئے۔ ایاس واپس جا کر جلد فوت ہو گئے۔ مرتے وقت اس کی زبان پر تسبیح و تحمید جاری تھی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایام حج میں مختلف قبائل کو دعوت اسلام دیتے پھرتے تھے تو آپ خزرج کے چند آدمیوں کے پاس آئے۔ ان کو دعوت اسلام دی۔ اسلام کی تعلیم نے ان کے غلوب پر بہت اثر کیا۔ وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

یہ نبوت کے گیارہویں سال کا واقعہ ہے۔ جب لوگ یثرب پہنچے تو اسلام کا چرچا گھر گھر میں ہونے لگا۔ ہر ایک کی زبان پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کا ورد تھا۔

بیعت عقبہ اولیٰ | نبوت کے بارہویں سال یثرب کے بارہ آدمی مکہ میں آئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی۔ یہ بیعت عقبہ اولیٰ

کے نام سے مشہور ہے۔

**بیعت کی شرائط** | ۱۔ ہم خدائے واحد کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ ۲۔ چوری نہیں کریں گے۔ ۳۔ زنا نہیں کریں گے۔ ۴۔ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔ ۵۔ کسی پر بہتان نہیں باندھیں گے۔ ۶۔ نہ کسی کی چغلی کیا کریں گے۔ ۷۔ امر بالمعروف میں آپ کی فرمانبرداری کریں گے۔

**مصعب بن عمیر** | رسول کریم نے حضرت مصعب بن عمیر کو ان کی خواہش کے مطابق احکام اسلام سکھانے کے لئے ان کے ساتھ شرب بھیجا۔ وہ شرب میں آ کر اسد بن زرارہ کے مکان پر فرودکش ہوئے جو شرب کے معزز رئیس تھے۔ آپ کا معمول تھا۔ صبح باہر نکل جاتے اور لوگوں کو دعوتِ اسلام دیتے اس طرح دو تین آدمی ہر روز حلقہ اسلام میں داخل ہو جاتے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ مبلغ اسلام حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی تبلیغی مساعی سے حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔ اور ان کا تمام قبیلہ اپنے سردار کا قبول اسلام کر لینے کی وجہ سے مسلمان ہو گیا۔

**بیعت عقبہ ثانیہ اور اہل عرب سے دوستی کا معاہدہ** | نبوت کے تیرھویں سال تہتر مرد اور دو عورتیں حج کے لئے مکہ آئے عقبہ کے مقام پر

بیعت کی۔ اس وقت حضرت عباس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے لیکن اسلام نہیں لائے تھے۔ انہوں نے انصار سے مخاطب ہو کر کہا "اگر وہ خزرج! محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاندان میں معزز اور محترم ہیں۔ دشمنوں کے مقابلے میں ہم ہمیشہ سینہ سپر رہے ہیں۔ اب وہ تمہارے پاس بنا پاتے ہیں۔ اگر مرتے دم تک ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر در نہ ابھی سے جواب دے دو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس بات پر بیعت کرو کہ تم اپنے اہل و عیال کی طرح میری حفاظت کرو گے۔ یہ سن کر براہین معرور نے ہاتھ بڑھایا اور آپ نے ان سے بیعت لی۔ حضرت براہین معرور نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم نے پشت ہاپشت سے جنگ و جدل میں پرورش پائی ہے۔ وہ اسی قدر کہنے پائے تھے کہ ابوالہثیم نے ٹوک کر کہا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم میں اور یہودیوں جو تعلقات ہیں وہ بیعت کے بعد ٹوٹ جائیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ جب آپ کو اقتدار حاصل ہو جائے اس وقت آپ ہم کو چھوڑ کر آجائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ تمہارا خون اور تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں۔ آپ نے اس گروہ میں سے بارہ لقب منتخب کئے۔ جن کے نام خود انصار نے پیش کئے۔ ان میں نو خزرج کے اور تین اون کے تھے۔ ان بارہ لقبوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔ اسد بن زرارہ ۲۔ اسید بن الغضیر ۳۔ ابوالہثیم مالک بن تیمان ۴۔ سعد بن عبادہ ۵۔

البراء بن معرور ۶۔ عبداللہ بن رواحہ ۷۔ عبادہ بن صامت ۸۔ سعد بن الربیع ۹۔ رافع بن مالک  
۱۰۔ عبداللہ بن عمرو ۱۱۔ سعد بن خنیسہ ۱۲۔ منذر بن عمرو  
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن باتوں پر انصار سے بیعت لی تھی۔ وہ یہ تھیں۔ شرک چوری۔  
فنا۔ قتل اولاد اور افزا کا مرتکب نہ ہوں گے اور صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی اچھی بات کہیں گے اس پر  
عمل کریں گے۔

صبح ہوتے ہی قریش کو اس بیعت کا علم ہو گیا۔ ان کی تلاش میں نکلے لیکن قافلہ صبح ہی روانہ ہو  
چکا تھا۔ قریش نے سعد بن عبادہ اور منذر کو پکڑ لیا۔ منذر تو وہاں سے بھاگ گیا۔ سعد بن عبادہ  
پکڑے گئے۔ ان کو سنگ دل قریش نے خوب مارا۔ آخر جبیر بن مطعم اور حارث بن امیہ نے قریش  
کے جنگل سے نجات دلائی۔

عقبہ ثانیہ کی بیعت کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو  
شرب جانے کی اجازت دے دی۔ مسلمانوں نے اپنے گھر بار خویش و اقارب  
بہن بھائی۔ زن و فرزند چھوڑ کر مدینہ جانا شروع کر دیا۔ لیکن کفار مکہ نے مہاجرین کی سخت مزاحمت کی۔  
تمام صحابہ کرام ہجرت کر کے شرب چلے گئے مگر میں صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت  
ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ رہ گئے۔

ہجرت مدینہ (۲۷ صفر ۱۳ نبوی  
۱۲ ستمبر ۶۲۲ء)

اسباب

۱۔ حضرت خدیجہ اور ابوطالب کی وفات

عرب میں سرداران قبائل کو ایک خاص اہمیت  
ماہل تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا  
ابوطالب خاندانہ بنو ہاشم کے سردار تھے۔ اس وجہ سے کفار ان کی زندگی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
پر ہاتھ اٹھا نہیں سکتے تھے۔ ہجرت سے ایک سال قبل وہ اس فانی دنیا سے کوچ کر گئے تو ان کی  
وفات کے بعد کفار مکہ کے رویہ میں سخت تنیدی آگئی اور شجر اسلام اور بانی اسلام کو ختم کر دینے والے  
منسوبے بنانے شروع کر دیئے۔ آخر دارالندوة میں آپ کو قتل کر دینے کا منصوبہ بنایا۔

اسی سال حضرت خدیجہ کی وفات ہوئی۔ وہ بھی مکہ کی بااثر خاتون تھیں اور اکثر سرداران قریش  
ان کے بار ارحام تھے۔ ان کی وفات کے بعد مائدین کفار کی مخالفت میں سختی آگئی چنانچہ مسلمانوں  
کا باعزت اور محفوظ زندگی گزارنا مشکل ہو گیا۔

۲۔ مکہ میں تبلیغ اسلام پر پابندی

مکہ میں عتبی سعید روہیں تھیں وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو چکی تھیں۔ اب اسلام کی اشاعت رک گئی۔ شعب ابی طالب

سے نکلنے کے بعد سردارانِ قریش نے تبلیغ اسلام پر سخت پابندی لگا دی۔ اس لئے رسول کریم مسلم نے کسی دوسرے خطہ ارض کو مرکز بنانے کا فیصلہ فرمایا۔

۳۔ اسلامی نظام کی تکمیل کا تقاضا

مکہ کی سرزمین میں اسلام کے تمام پہلوؤں کو عملی جامہ پہنانا مشکل ہو گیا تھا۔ اس لئے یہ ضروری ہو گیا کہ ایک ایسا خطہ ہو کہ

جہاں اسلام کے دستور حیات کو عملی شکل دی جاسکے۔ اس مقصد کے لئے مکہ سے ہجرت کو نا ضروری ہو گئی تھی۔

۴۔ کفار کا توحید سے انکار اور بت پرستی پر اصرار

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کا حکم پا کر لوگوں کو توحید کا سبق دینا شروع کیا

سعید روہیں تو دائرہ اسلام میں داخل ہو گئیں اور اکثریت نے انکار کر دیا اور ان کا محض انکار ہی نہیں تھا بلکہ وہ بت پرستی کے خلاف کسی بات کو سننا برداشت ہی نہیں کرتے تھے اس قسم کے سٹ دھرم اور ضدی لوگوں کے درمیان اسلام کی اشاعت رک گئی اسی غرض کے لئے طائف بھی گئے لیکن وہاں بھی کامیابی نہ ہوئی تب دین کی اشاعت کے لئے کسی نئے مرکز کی ضرورت پیش آئی۔

۵۔ مخالفت اور ایذا رسانی

اہل عرب نے اسلام کی اشاعت کو روکنے کے لئے رسول کریم اور مسلمانوں پر مظالم توڑنے شروع کر دیئے۔ پہلے آپ پر الزامات

کی بوچھاڑ کر دی گئی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ آپ کے لئے تنضحیک کا پہلو نکالا جائے چنانچہ آپ کو کہنے لگے کہ وہ خود ہی کچھ فقرے وضع کر لیتے ہیں یا کسی سے لکھوا لیتے ہیں اور پھر انہیں اللہ کی طرف سے منسوب کر دیتے ہیں (القرآن ۲۵) کبھی کہتے آپ اور آپ کا خدا کذاب ہیں۔ اہل عرب جانتے تھے کہ آپ کا پیغام سریع الاثر ہے۔ اس لئے ان کی کوشش کی تھی کہ کوئی آپ کا پیغام سرے سے ہی نہ سنے۔ اس لئے کہتے کہ جہاں قرآن کی تلقین ہو رہی ہو وہاں اتنا شور مچاؤ اور ایسا ہنگامہ مچا کر کہ کوئی اسے سن ہی نہ سکے۔ (القرآن) اہل عرب اپنے اشخاص کو ایک سازش کے تحت آپ کی مجلس میں بھیج دیتے تاکہ وہ واپسی پر آکر کہہ سکیں کہ ہم نے خود قرآن سنا ہے وہ جھوٹ ہے یا وہ ایسے اشخاص آپ کی مجلس میں بھیج دیتے جو وہاں بظاہر مسلمان بن جاتے لیکن باہر آکر پھر جاتے تھے آپ کو تنگ کرنے کی ایک صورت یہ تھی کہ شہر کے لوٹے آپ کے پیچھے لگا دیتے جاتے جو آپ پر آوازے گتے تھے۔ کبھی کہتے کہ آپ پر کسی نے جادو کر دیا ہے اور آپ ہلکی ہلکی باتیں کرتے

میں عربوں میں یہ خیال عام تھا کہ شاعروں کے پاس جن ہیں۔ آپ کے بارے میں یہی کہتے کہ آپ شاعر ہیں اور تخیلات کی دنیا میں افسانہ طرازی کرتے ہیں۔ اس پس منظر میں اب ہم چند مثالیں بیان کرتے ہیں جن سے پتہ چلے گا کہ اہل کفر کی ایذا رسانی کس حد تک بڑھ چکی۔ لیکن اس ضمن میں ایک نکتہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ عربوں نے شروع میں قتل و خون کی جگہ ظلم و ستم کا شیوہ اختیار کیا۔ چنانچہ ٹھیک دوپہر کے وقت وہ غریب مسلمانوں کو گھسیٹ لاتے اور پتی ہوئی ریت پر ٹا کر انہیں ایذا دیتے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ۔ اُمیہ بن خلف کے غلام تھے۔ انہیں گرم ریت پر ٹا دیا جاتا اور سینہ پر بھاری پتھر رکھ کر کہا جاتا کہ وہ اپنے نئے مذہب سے باز آجائے۔ حضرت بلال و جدہ ہی جواب دیتے۔ اُمیہ نے ان کے گلے میں رسی باندھ کر لونڈوں کے حوالے کر دیا۔ وہ آپ کو مارتے تو پھر بھی آپ کی زبان سے وعدہ، وعدہ کے الفاظ ہی نکلتے۔ عماران کے والد اور ان کی والدہ سخت ظلم و ستم کا شکار ہوئے البتہ بنے برچھی مار کر آپ کی والدہ سمیہ کو شہید کر دیا تھا۔ صہیب پر اتنے مظالم کئے گئے کہ ان کا دماغ مختل ہو گیا جب وہ مدینہ کو ہجرت کرنے لگے تو ان کا مال و اسباب چھین لیا گیا۔ ابو نکیعہ صفوان بن اُمیہ کے غلام تھے۔ ان پر اتنا ظلم کیا کہ ان کی زبان باہر نکل آئی۔ یہ چند ایک مثالیں صرف ان مسلمانوں کی تھیں جو خاص طور پر نشانہ ظلم و ستم بنے۔ صحابہ کے علاوہ آپ کی ذات بھی محفوظ نہ تھی۔ گویا ایک آگ جلتی جو کہ میں بھڑک اٹھی تھی جو چاہتی تھی کہ دین کے سچے شہداء کیوں کو بھسم کر کے رکھ دے۔

کفار نے دین الہی کے انحراف کی تلقین کی اور اتنی سخت ایذا میں دی کہ مسلمان عربوں اور سرداران قریش کے مظالم سے تامل اٹھے تھے۔ خاص طور پر نادار مسلمان ان کا نشانہ ستم بنتے۔ بلال، عامر بن فہیرہ، ام عبیسہ، عمار بن یاسر ایسے افراد کو مار مار کر اڑھوا کر دیا جاتا تھا۔ بھوکا اور پیاسا رکھا جاتا۔ انہیں پتی ہوئی ریت پر ٹا دیا جاتا اور سینہ پر بھاری اور ذہنی پتھر رکھ کر مطالبہ کیا جاتا کہ وہ نئے دین سے منحرف ہو جائیں۔ محنت مزدوری کرنے والے افراد کو جواب دے دیا جاتا۔ کتہ کے ایک لوہار جناب بن ارت کے مالک نے انہیں اس وقت تک مزدوری دینے سے انکار کر دیا تھا۔ جب تک کہ وہ رسول کریم کا انکار نہ کر دیں۔ ایک روز رسول کریم کعبہ کی دیوار کے سائے میں بیٹھے تھے کہ جناب نے عرض کیا یا رسول اللہ! اب تو ظلم کی حد ہو گئی ہے۔ آپ خدا سے دعا نہیں فرماتے۔ رسول خدا نے جواب دیا کہ اہل ایمان پر پہلے بھی ایسے ظلم ہوتے رہے ہیں لیکن وہ وقت دور نہیں جب ایک مسافر صفا سے حضور موت تک ایک سفر کر لیا کرے گا۔

رسول کریم صلعم باہر تبلیغ کے لئے جاتے تو راستہ میں کانٹے بچھا دیتے غلاظت پھینکتے گالیاں دیتے ان تمام باتوں پر مشرک و بنو ہاشم سے معاشری اور اقتصادی مقابلہ کر دیا جس وجہ سے رسول کریم بن سال تک شعب ابی طالب میں محصور رہے گویا کفار نے یہ تہیہ کر لیا ہوا تھا کہ وہ شہزاد اسلام کو جڑ

یہے اٹھاڑ پھینکیں گے۔

ہاں نئے مرکز کی ضرورت۔

مکہ میں جتنی سعیدرو میں تھیں وہ سب حلقہ اسلام میں داخل ہو چکی تھیں جو لوگ باقی رہ گئے یا تو ان کو تعصب اور بغض نے اتنا اندھا کر دیا ہوا تھا کہ وہ اسلام کے منور چہرے کو دیکھ ہی نہیں سکتے تھے یا ایسے لوگ تھے جو مخالفتوں اور ایذاؤں سے ڈر کر قبول حتی نہیں کرتے تھے۔ مکہ کے قرب جوار میں بھی اسلام کی اشاعت کے لئے فضا خوشگوار نہ تھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم طائف اسلام پیغام لے کر گئے تھے۔ جو سلوک وہاں کے لوگوں نے کیا تھا اس کا ذکر گر چکا ہے۔ اس وجہ سے اشاعت اسلام کے لئے ایک نئے مرکز کی ضرورت تھی۔

۱۔ ہجرت حبشہ کی مثال | ہجرت مدینہ سے پہلے ہجرت حبشہ ہو چکی تھی۔ اس سے مسلمانوں نے ایک سبق لے لیا تھا۔ وطن سے باہر جا کر آزادی سے اپنے مذہبی رسوم ادا کیے جاسکتے ہیں۔ اس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ضروری سمجھا کہ اب مکہ کو چھوڑ کر مدینہ کو اسلام کی اشاعت کا مرکز بنانا چاہیے۔

۲۔ اہل مدینہ کا اشتیاق | اسلام کی شعایں مدینہ کی فضا میں دن بدن زیادہ پھیلتی چلی جا رہی تھیں اس وجہ سے وہاں کے مسلمانوں کا یہ اشتیاق تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر مدینہ چلے آئیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر یہ بیعت کی تھی کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی مدافعت کے لئے تمام عرب و عجم سے مخالفت مول لے لیں گے اور اپنی ساع عزیز کی مدافعت اور حفاظت کی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کریں گے۔ اسلام صرف نظریاتی مذہب ہی نہیں بلکہ عملی مذہب بھی ہے۔ اسلام کی تعلیم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مکہ کی فضا ناخوشگوار تھی۔ وہاں اسلامی قانون کی تنفیذ کے لئے اسلامی ریاست وجود میں نہیں آسکتی تھی۔ اس لئے ہجرت ناگزیر تھی۔

۳۔ رسول کریم کو قتل کرنے کا ارادہ | نبوت کا تیر حوال سال تھا۔ صحابہ کرام ہجرت کر کے مدینہ جا چکے تھے۔ پُر امن فضا میں آزادی سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ اسلام کی شعایں ارد گرد قبائل میں بھی پھیل رہی تھیں اور اسلام زور پکڑتا جا رہا تھا اور اسلام کے مصنفی آئینہ میں عربوں کو اپنی رسوم اور بت پرستی کا خاتمہ نظر آ رہا تھا۔ اس وجہ سے ہر وہ دم اٹھانے کو تیار تھے جس سے اسلام کا خاتمہ ہو۔ اس بنا پر دارالندوہ میں خفیہ اجلاس ہوا۔ جس میں ابو جہل کی تجویز پر یہ طے پایا کہ عربوں کے ہر مشہور قبیلہ سے ایک ایک جوان مرد لیا جائے وہ سب رات کی تاریکی میں محمد کے گھر کو گھیر لیں۔ جب وہ علی الصبح باہر نکلیں تو سب جوان مرد حملہ کر کے قتل کر دیں۔ اس

انوسا ولسرزہ کی رکنی (۱۵) صورینہ و حضور رہنہ



ت میں خون تمام قبائل میں بٹ جائے گا۔ آل ہاشم اکیلے تمام قبائل کا مقابلہ نہ کر سکیں گے  
 کا تمام روم اس تدبیر پر متفق ہوئے۔

## مدینہ کو اشاعت اسلام کے لئے مرکز کیوں تجویز کیا گیا

اس کی تین وجوہ تھیں ایک وجہ تو یہ تھی کہ مدینہ میں اشاعت اسلام کے لئے فضا خوشگوار  
 تھی۔ اوس اور خزرج قبائل کے سردار دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے جن کے قبول کرنے کی وجہ سے  
 صرف ان کے قبیلہ کے لوگ ہی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے بلکہ مدینہ سے باہر بھی لوگوں پر اچھا اثر  
 اور لوگ اسلام کو ایک طاقت سمجھنا شروع ہو گئے تھے۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ مدینہ میں اسلام کی تعلیم اور قانون کو عملی جامہ پہنانے کے لئے زمین ہموار  
 چکی تھی۔

تیسری وجہ مدینہ کا محل وقوع تھا۔۔ مدینہ دفاعی لحاظ سے بہت محفوظ مقام تھا۔ جس کے  
 طرف پہاڑ اور ایک طرف نخلستان تھے اور مکہ ایسے راستہ پر واقع تھا۔ یہاں سے مکہ والوں کے  
 تجارتی قافلے گزرتے تھے۔ تصادم کی صورت میں تجارتی قافلوں کی ناکہ بندی کرنا آسان تھی کیونکہ  
 ان کی معیشت کا دارومدار یہی تجارتی قافلے ہوتے تھے۔

اب مکہ میں مشاہیر مسلمانوں میں سے صرف ابو بکرؓ اور  
 علیؓ ہی باقی رہ گئے تھے اور ایک قبیل تعداد باقی مسلمانوں

رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

تھی۔ تب قریش نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر کے شجر اسلام کو کاٹ دینے کا ارادہ  
 لیا۔ چنانچہ تمام قائدین قریش قصی بن کلاب کے قائم کردہ گورنمنٹ ہاؤس (دارالندوہ) میں جمع ہوئے  
 رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا مشورہ شروع ہوا۔ اس مجلس میں عقبہ، شیبہ، ابوسفیان  
 ابن عدی، جبر بن مطعم، حارث بن عامر، نضر بن حارث، ابوالنختری، رافعہ بن اسود، حکیم بن

ام، ابو جہل، منبہ بن الحجاج، امیہ بن خلف جیسے سرداران قریش شریک تھے۔ آخر کار  
 مکہ ہوا کہ تمام قبائل میں سے ایک ایک جوان لیجے اور محمد (صلعم) کے گھر کا محاصرہ کر لیں۔ جونہی وہ  
 سے باہر نکلیں تو بیک وقت خود (صلعم) پر حملہ کر کے قتل کر دیں چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
 گھر کے منصوبہ قتل کی اطلاع ہو چکی تھی۔ رات کو اپنے بستر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لگا کر اور ان  
 پر درمکہ والوں کی امانتیں کر کے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ  
 ہجرت کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو شرف معیت بخشا۔ تھوڑا سا زاد راہ  
 کے عقبہ دروازہ سے نکل کر جنوبی سمت چل پڑے۔ راتوں رات چل کر فار ثور میں پہنچ گئے جو مکہ سے

تین میں دو پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے۔ جب صبح ہوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ بستر سے اٹھے پہرہ نے دیکھا کہ سویا ہوا نو علی ہے۔ اپنے منصوبہ قتل میں ناکامی دیکھ کر قریش بہت سرپٹاٹے تلاش نکل پڑے اور اعلان کیا کہ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ پکڑ کر لائے گا اس کو سواونٹ انعام جائیں گے، ایک تلاشی گروہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار ثور کے منہ تک پہنچ گیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے پاؤں کی آہٹ سنی۔ آپ کے دل میں خیال پیدا ہوا اگر ان لوگوں نے جھک کر دیکھا تو ہم پر نظر پڑ جائے گی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے خوں کے نشان دیکھے تو فرمایا: لا تجزن ان اللہ حسنا۔ گھراؤ نہیں اللہ ہمارے ہے۔ رسول کریم صلعمین دن اسی غار میں مقیم رہے۔ ہر شام کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حضرت عبداللہ شمنوں کے منسوبوں سے آگاہ کرتے رہے۔ اور آپ کی صاحبزادی حضرت اسماء کا کر کے دے آئیں اور ان کا غلام بکریوں کا دودھ پہنچا جاتا تھا۔ چوتھے روز کو دو اونٹنیاں آئیں جن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی سے اسی کام کے لئے تیار رکھا ہوا تھا۔ ایک پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ سوار ہو گئے دوسری پر عامر بن نبیرہ اور عبد بن اریقظ (یہ ایک کافر تھا کے لئے اجرت پر مقرر کیا گیا تھا) سوار ہوئے اور وادی تہامہ کی جانب بحر احمر کے ساحل کے سفر اختیار کیا۔

**سراقہ کا تعقیب** | سراقہ بن جحشم کو کسی راہرو کی معرفت یہ خبر ہوئی کہ فلاں راستہ پر اس قسم کے جا رہے ہیں۔ سراقہ نے سوچا ہونہ ہو وہ اپنے ہی شکار ہوں۔ اس سمت ڈال دیا۔ جس طرف کا نشان اس مسافر نے بتایا تھا۔ سراقہ نے آپ کو دیکھ لیا۔ گھوڑے کو تیز کر قریب آگیا۔ گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ زمین پر گر پڑا۔ پھر گھوڑا تیز کیا۔ پھر گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور سراقہ زمین پر گر پڑا۔ اس سے اس کی بہت پست ہو گئی۔ دل پر خوف طاری ہو گیا۔ ارادے سے تائب ہوا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معذرت کی۔ قریش کے انعام کے امتیاز خبر دی اور درخواست کی کہ مجھ کو امان کا وثیقہ لکھ دیجئے۔ چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن نبیرہ نے وثیقہ امن تحریر کر دیا۔

**مسلمانان مدینہ کا انتظار** | رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ متوکل دن عرب کی جھلسا دینے والی دھوپ میں چلتے رہے اس وقت سات راتیں عرب کے قی و دق صحرا کو طے کرنے میں صرف ہوئیں۔ مکہ سے روانگی کی خبر مدینہ پہنچی تھی تمام مسلمان رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفیق سفر کے انتظار میں چشم براه تھے۔ روز مدینہ کے باہر چلے جاتے تھے۔ تمام دن انتظار کرنے کے بعد واپس لوٹ آئے تھے۔ ایک

بمعمول انتظار کر کے واپس ہوئے تو ایک یہودی نے قلعہ سے دیکھا اور قرآن سے پہچان کر لپکا  
 رینہ جس شخص کا تم انتظار کرتے تھے وہ آگیا ہے یہ سنتے ہی تمام شہر تکبیروں سے گونج اٹھا اور انصار  
 نے محبت میں گھروں سے باہر نکل آئے۔

سائنس

میں آمد اور مسجد کی بنیاد | مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر جو بالائی آبادی ہے اس کو عالیہ اور  
 قبا دیکھتے ہیں۔ وہاں چند انصاری خاندان آباد تھے۔ رسول کریم  
 اللہ علیہ وسلم نے یہاں پہنچ کر کلتوم بن الہدم کو شرف میزبانی بخشا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
 قبا میں چودہ دن قیام کیا اور ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، بھی ہجرت کر کے  
 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قبا میں آئے۔ اسد آئی بہ بیٹی مسجد تھی۔

میں داخلہ اور انصار کی عقیدت | رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد تعمیر کرنے کے بعد مدینہ  
 کی طرف روانہ ہوئے زیارت اور استقبال کے لئے

مدینہ ٹوٹ پڑا۔ عورتیں اور معصوم لڑکیاں خوشی کے عالم میں دف بجا بجا کر یہ پڑھتی تھیں۔  
 طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا  
 وَجَبَّ الشُّكْرُ عَلَيْنَا  
 مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ  
 مَا وَهَى لِلَّهِ دَجِيْبٌ

یعنی وداع کی گھٹیوں سے چاند ابھر آیا ہے۔ ہم پر خدا کا شکر واجب ہے جب دعائیں مانگنے  
 دعا مانگیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر گھر کی طرف سے میزبانی قبول کرنے کی دعوت دی جانے لگی۔  
 باکریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری ناتھ کو چھوڑ دو۔ وہ خدا کی طرف سے مامور ہے جہاں بیٹھ  
 تے وہی میری قیام گاہ ہوگی۔ آخر یہ امنوں اور گراں بہا نعمت حضرت ابوب انصاری کے حصہ میں آئی  
 رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سات ماہ تک حضرت ابوالیوب انصاری کے ہاں مقیم رہے۔

ہجرت مدینہ تاریخ اسلام کا ایک اہم ترین واقعہ ہے جس سے  
 مسلمانوں کی نئی زندگی اور اسلام کے نئے دور کا آغاز ہوا ہے  
 ہجرت نے اسلامی تاریخ پر دور رس نتائج مرتب کئے۔

اوس اور خزرج کا اتحاد | یثرب کے عرب قبائل اوس اور خزرج مدتوں سے ایک دوسرے کے  
 خلاف برسر پیکار تھے ہجرت سے صرف دو تین سال قبل جنگ ابناث  
 دونوں قبائل نے ایک دوسرے کے خلاف خوب تلوار چلائی تھی، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے  
 مذہب وجود نے ان کے تمام اختلافات مٹا کر اتحاد کی لڑی میں منسک کر دیا۔

۲۔ اسلامی ریاست کا قیام | انگریزوں کے ظالمی غلبہ اور مزاحمت کی وجہ سے مسلمانوں کو مذہبی فرائض سرانجام دینے میں بھی مشکل تھی جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ ہجرت کر کے تشریف لائے تو مدینہ میں مسلمانوں کی حیثیت اکثریت کی وجہ سے حاکم قوم کی بن گئی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ کی تمام جماعتوں نے اپنا قائد تسلیم کر لیا تھا۔ اس طرح ہجرت سے چھوٹی سی اسلامی ریاست کا وجود ظہور میں آ گیا۔ آخر کار اسی اسلامی سلطنت کی حدود چین، ترکستان، ہندوستان، شام، شمالی افریقہ، اسپین اور فرانس تک پھیلیں۔

۳۔ معاشی ترقی | مدینہ اسی شاہراہ سے بہت قریب واقع تھا جو شام کی طرف جاتی تھی وہ مسلمانوں کی پیشہ تجارت تھا جب مدینہ پہنچے تو انہوں نے از سر نو تجارت کرنا شروع کر دی۔ کے علاوہ مسلمانوں نے مدینہ میں پہنچ کر آزادی سے روزی کمانا شروع کر دی۔ بہت جلد مسلمانوں کے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے قابل ہو گئے۔

۴۔ مسلمان امن پسند ہیں | یہودیوں سے معاہدہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ مسلمان امن کی زندگی بسر کرنا چاہتے تھے اور دوسروں کے لئے خطرہ بنا نہیں چاہتے تھے۔

۵۔ اشاعت اسلام | ہجرت کے بعد اسلام تمام عرب میں پھیلنا شروع ہو گیا اور اسلام کا پیٹ ہمسایہ ملکوں کے سربراہوں کو پہنچا گیا۔

۶۔ پُر امن فضا | مکی زندگی مسلمانوں کے لئے ایک لاکھ دکھ اور اذیتوں کی داستان تھی۔ کفار کے ہاتھوں سے صرف غزباً ہی تلخ مشق نہیں بنتے تھے بلکہ امر ابھی مصائب کا نشانہ بنتے تھے۔ مسلمانوں کے لئے اپنے اجتماعی مذہبی فرائض ادا کرنے میں مشکل تھی۔ مدینہ میں آ کر مسلمانوں کو پُر امن ماحول پیش آ گیا۔ اجتماعی مذہبی فرائض ادا کرنے شروع کر دیئے۔ جس سے اسلامی معاشرہ ظہور میں آ گیا۔ اپنی سیاسی طاقت بڑھانے اور اپنی دفاع اور حفاظت کے لئے اجتماعی طاقت استعمال کرنے کا موقع مل گیا۔

۷۔ غلبہ اسلام | ہجرت نے عرب میں غلبہ اسلام کے لئے ایک نئی راہ کھول دی۔ جب مسلمان مدینہ ہجرت کر کے آ گئے اور امن کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے تو قریش حد کی آگ میں جلنے لگے اور مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے ختم کرنے کے لئے مدینہ پر حملے کرنا شروع کر دیئے۔ ان جنگوں سے نتیجہ میں کفار کی طاقت پاش پاش ہو گئی اور اسلام کو غلبہ حاصل ہو گیا۔

۸۔ ناکہ بندی | مدینہ اس شاہراہ پر واقع تھا جس پر قریش کے تجارتی قافلے گزرتے تھے مسلمانوں کو قریش کی اقتصادی ناکہ بندی کرنے کا بہترین موقع مل گیا۔ یہ ناکہ بندی مسلمانوں کے لئے خیر اور بھلائی کا پیغام لائی۔

۹۔ سن ہجرت | مسلمانوں کا سن ہجرت (ہجری) اس سے شروع ہوا۔

**مسجد نبوی کی تعمیر** | مسلمانوں کو سب سے پہلے مرکز کی ضرورت تھی جہاں جمع ہو کر وہ اپنی اجتماعی نیت کا مظاہرہ کر سکیں اور عبادت میں مصروف رہ سکیں۔ چنانچہ آپ نے سب سے پہلے مسجد نبوی کی تعمیر کا فیصلہ کیا۔ اس کی سادہ عمارت کے لئے کچی اینٹوں۔ کھجور کے پتوں، مٹی، پانی کی ضرورت تھی۔ یہ سب چیزیں مہیا کر لی گئیں اور جب تعمیرات کا عملی کام شروع ہوا تو آپ بھی عام ورودوں کے لباس میں صحابہ کے ساتھ مل کر کام کرتے تھے۔ مسجد کی تعمیر کے بعد اذان کا حکم جاری ہوا تاکہ ہمیں پانچ مرتبہ اذان کے ذریعہ لوگوں کو نماز کی اطلاع ہو جائے اور دوسری طرف دن میں پانچ بار نیت اسلام کا انتظام ہو جائے۔

**رداداری اور بھائی چارہ** | ہجرت کر کے آنے والے مسلمان صرف اپنی جانیں سلامت لے کر مدینہ پہنچے تھے۔ وہ بالکل تہی دست تھے۔ دوسری طرف انصار کا وسیع ان کے نخلستان تھے۔ انہوں نے اپنی تمام کائنات آپ کی خدمت میں ڈھیر کر دی اور درخواست لہ اسے مہاجرین اور انصار میں نصف نصف بانٹ دیا جائے۔ آپ نے اس تقسیم کی بجائے مہاجرین اور انصار کے درمیان اخوت قائم کر دی۔ قرآن میں اس کا ذکر یوں آیا ہے۔

”جو لوگ ایمان لائے ہجرت کی اور اللہ کے دین کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کیا اور جن لوگوں نے مکہ کے مہاجرین کو مدینہ میں جگہ دی اور ان کی مدد کی تو یہ لوگ ہیں کہ ان میں سے ایک دوسرے کا کارساز و رفیق ہے۔“

مہاجرین اور انصار میں یہ رشتہ اگرچہ عارضی ضرورت کے تحت قائم کیا گیا تھا کہ بے خانماں مہاجرین کے لئے چند روزہ انتظام ہو جائے لیکن درحقیقت یہ رشتہ اخوت اغراض اسلامی کی تکمیل کا سامان تھا۔ انصار نے مہاجرین کی مہمانی اور ہمدردی کا جو اظہار کیا۔ دنیا کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

**بیتِ کعبہ کا تعمیر** | مدینہ میں دو گروہ آباد تھے۔ مشرکین کا کعبہ مگر تھا لیکن اہل کتاب بیت المقدس کی طرف منہ کر کے عبادت کرتے تھے۔ جب مدینہ میں اسلام پھیل گیا تو شاہد الہی..... ہوا کہ تم اپنا منہ مسجد اطہرام کی طرف پھيرو اور جہاں کہیں رہو اسی طرف منہ پھيرو (البقرہ) تو آپ نے بھی کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم جاری کر دیا۔ اس سے ہی ایک فوائد حاصل ہوئے۔ پہلے تو یہ کہ جب مسلمان بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تو اہل کتاب جیتے کہ اگر تم نے بیت المقدس کو کعبہ تسلیم کر لیا ہے اور اسی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہو تو ہمارے درمیان کوئی فرق نہیں۔ جب خانہ کعبہ کی جانب رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا تو اہل کتاب کا یہ اعتراض ختم ہو گیا۔ دوسرا نائدہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کو ایک مرکز پر جمع کرنے کی جو تحریک شروع ہوئی تھی اس کی تکمیل کے لئے ضروری تھا کہ ان کا مرکز ایک ہی رکھا جائے۔ کعبہ خانہ خدا تھا اس لئے

خدا کی وحدت کے ساتھ اس کے گھر کی وحدت بھی برقرار رکھنا مقصود تھا۔

۱۳. معاہدہ مدینہ - مدینہ آنے پر آپ نے اہل شہر سے ایک معاہدہ کیا جو میثاق مدینہ یا معاہدہ مدینہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس معاہدہ میں مسلمانوں کے علاوہ

مشرکین اور یہود بھی شامل تھے اس معاہدہ کی رو سے رسول کریم صلعم مدینہ کے سربراہ ہو گئے۔

مختصر یہ کہ ہجرت سے تمام اقتصادی سیاسی اور دینی ترقیوں کا باب کھل گیا۔ مسلمان حکومت اور ظلم و

استبداد کے گرداب سے نکل کر ایک خود مختار سلطنت کے مالک بن گئے۔ بعد ازاں ہی سلطنت اردگرد

کی سلطنتوں پر غالب آئی۔

ہجرت سے ایک یہ سبق ملتا ہے کہ مسلمان جب دین اور مذہب کے لئے قربانی کریں تو ان کے

لئے ترقی کے دروازے کھلتے ہیں۔

## مدنی زندگی

ہجرت کے بعد مدینہ میں چار جماعتیں تھیں۔

انصار :- مدینہ منورہ کے قحطانی قبائل اوس اور خزرج انصار کہلاتے ہیں۔ انصار کے معنی مددگار

کے ہیں۔ چونکہ اوس اور خزرج نے اسلام اور مسلمانوں کی جانی اور مالی اعانت کی تھی اور ان ہی کی دعوت

پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم دیا تھا۔ اس وجہ سے

تاریخ اسلام میں ان کا نام انصار ہے۔

انصار نے اسلامی اخوت کا بہترین مظاہرہ کیا تھا۔ انہوں نے اپنے بہاجرین بھائیوں کے لئے

بہرہ چیز جس کو وہ عزیز جانتے تھے پیش کر دی۔ انصار کے جذبہ خلوص اور سعادت کی وجہ سے مکہ فتح ہو

جانے کے بعد بھی مدینہ کو ہی اپنا دار الخلافہ بنایا۔

انصار زراعت پیشہ تھے۔ اسلام سے قبل باہمی اختلاف اور افتراق کی وجہ سے ان کی اقتصادی

حالت بہتر نہ تھی۔

بہاجرین :- جو مسلمان مکہ سے ترک وطن کر کے مدینہ میں آباد ہوئے تھے۔ وہ تاریخ اسلام

میں بہاجرین کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ بہاجر ہجرت کرنے والے کو کہتے ہیں یہ لوگ حقیقی

معنی میں بہاجر تھے۔ ان لوگوں نے صرف اپنے عزیز وطن کو ہی خیر باد نہیں کہا تھا بلکہ شیطانی جذبات

اور خیالات سے بھلی کنارہ کش ہو گئے تھے۔

یہ لوگ مکہ میں مختلف آزمائشوں اور مصائب کی بھٹی سے نکل کر آئے تھے اس وجہ سے وہ

ایمانی قوت کے لحاظ سے اتنی مضبوط چٹان پر کھڑے تھے کہ ان کے پاؤں میں لغزش کا آنا ناممکن ہو

گیا تھا۔ یہ لوگ شجر اسلام کی سب سے پہلے اپنے خون سے آبیاری کرنے والے تھے اس وجہ سے  
 التابقون الاولون کہلائے۔ یعنی سب سے پہلے ایمان کے میدان میں سبقت لے جانے والے۔  
 منافقین :- یہ وہ گروہ ہے جو اسلام کی ابھرتی ہوئی قوت کا مقابلہ نہ کر سکنے کی وجہ سے  
 ظاہراً دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ لیکن ان کے دل کفر کی وجہ سے سیاہ تھے۔ ان کا سردار عبداللہ  
 بن ابی بن سلول تھا اس کا مدینہ میں بہت ہی اثر و رسوخ تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ میں آمد سے  
 پہلے اہل مدینہ اس کو اپنا قائد تسلیم کرنے والے تھے۔ اس کی تاج پوشی کی انتظام بھی ہو چکا تھا لیکن  
 آفتاب رسالت کی آمد کی وجہ سے اس کی قیادت ختم ہو گئی اور اہل مدینہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ  
 وسلم کو اپنا قائد تسلیم کر لیا۔ رائے عامہ کے دباؤ کی وجہ سے کھلم کھلا اسلام کی مخالفت تو نہ کر سکا لیکن  
 اندرونی طور پر اسلام کے دشمنوں سے ساز باز شروع کر دی۔ بہرائی میں اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی  
 یہود :- مدینہ میں یہود کے تین قبیلے تھے۔ بنو قینقاع۔ بنو نضیر، بنو قریظہ۔ یہ سب مدینہ کے  
 اطراف میں آباد تھے۔ عموماً زمیندار، تجارت پیشہ اور صنایع تھے۔ سودی کاروبار کرتے تھے اور انصار  
 ان کے مقروض رہتے تھے۔ علمی لحاظ سے بھی انصار پر فوقیت رکھتے تھے اور اپنے آپ کو زیادہ  
 مہذب اور شائستہ سمجھتے تھے۔ دولت کی فراوانی کی وجہ سے اخلاق شنیعہ میں مبتلا اور انسانیت سے  
 غاری ہو چکے تھے۔

جب انصار نور ہدایت سے منور ہوئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے آئے  
 تو یہودیوں کے جابرانہ اور خود غرضانہ اقتدار کی عمارت پیوند خاک ہونے لگی اور یہودیت کی اشاعت  
 رک گئی۔ اسلام پھیلانا شروع ہو گیا۔ یہودیوں کے دل حد اور بغض کی آگ سے جلنے لگے۔ اسلام کی  
 بیخ کنی کے ناپاک منصوبے گھڑنے شروع کر دیئے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے طرح طرح  
 کی کوششیں کرنے لگے۔

یہود نہ صرف خود ہی اسلام کی بربادی کی موبوم سیکھیں بناتے تھے بلکہ ان کا خفیہ تعلق منافقوں اور  
 کفار مکہ کے ساتھ بھی تھا تا کہ متحدہ طاقت کے ساتھ شجر اسلام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں۔ رسول کریم صلی اللہ  
 علیہ وسلم کو قتل کرنے کے منصوبے بنائے۔ آخر کار یہ تینوں قبیلے اپنی امن سوز حرکات کی وجہ سے مدینہ  
 سے جلا وطن کر دیئے گئے۔ ابتدا میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جو میثاق مدینہ  
 کہلاتا ہے۔ بعد میں اسی معاہدہ کے خلاف ان کی سرگرمیاں شروع ہو گئی تھیں۔

میثاق مدینہ :- رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو مدینہ کی نفاذ کو  
 پُر امن رکھنے کے لئے تمام باشندگان مدینہ کے درمیان ایک عہد نامہ مرتب کیا۔ سب نے اس کو قبول  
 کر کے اس پر دستخط کئے۔ یہ معاہدہ میثاق مدینہ کہلاتا ہے۔

یثاق مدینہ اس یثاق کے دو حصے تھے۔ ایک حصہ انصار ہاجرین اور دیگر مہاجرین سے تعلق رکھتا تھا۔ دوسرا حصہ یہودیوں کے متعلق تھا۔ یہ ایک قسم کا وفاق تھا جو عربوں اور یہودیوں کے مابین قائم کیا گیا اور حکومت مدینہ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔

۱۔ ہاجرین اور انصار ایک ہی جماعت ہیں۔

۲۔ مسلمان اپنے باہمی اختلاف میں خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنے کے پابند ہیں۔

۳۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی شخص پر زیادتی کرے تو سب مل کر ایسے شخص کو سزا دیں۔

۴۔ مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرنے سے ہاتھ نہ روکنا چاہیے اور تمام مومن ایک دوسرے کے دوست ہیں۔

۵۔ کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی مجرم کو پناہ دے۔

۶۔ سب اپنے اپنے محلوں میں امن کے ذمہ دار ہوں گے۔

۷۔ صلح اور جنگ دونوں صورتوں میں اتحاد اور یک جہتی کو قائم رکھیں گے۔

۸۔ یہ امت دوسری قوموں اور جماعتوں سے بالکل الگ ہے۔

۹۔ کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو کافر سے بدلے قتل نہیں کرے گا۔

۱۰۔ مسلمانوں کے قلبی رشتے صرف مسلمان ہی ہوں گے۔

۱۔ خون بہا اور فدیہ کا قدیم طریقہ جاری رہے گا۔

۲۔ یہود کو ہر قسم کی مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔

حصہ دوم کی شرائط

۳۔ یہود اور مسلمانوں کے تعلقات دوستانہ ہوں گے اور لڑائی کی صورت میں ایک فریق دوسرے کی مدد کرے گا۔

۴۔ کوئی فریق قریش کو امان نہیں دے گا۔

۵۔ مدینہ پر حملہ ہوا تو دونوں فریق مل کر مدافعت کریں گے۔ اور صلح میں بھی دونوں فریق شریک ہوں گے۔

۶۔ جھگڑوں اور اختلافات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ثالث تسلیم کیا جائے گا۔

۷۔ اگر دشمن سے جنگ شروع ہو جائے تو یہود بھی مسلمانوں کے ساتھ اخراجات برداشت کریں گے۔

۸۔ یہود کے دوست اقوام کے حقوق ان کی طرح ہوں گے۔

۹۔ مدینہ میں کشت و خون تمام قوموں پر حرام ہوگا۔

۱۰۔ یہود اور مسلمانوں کے درمیان صلح رہے گی۔



## یثاق مدینہ کی اہمیت اور نتائج

۱۔ پائیدار امن | اس معاہدہ کی شرائط پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اُن کی رُو سے آپ نے مدینہ میں پائیدار امن کی بنیاد تلاش کر لی۔ قبائل باہمی اختلاف کا شکار ہی نہ تھے بلکہ آپس میں متصادم بھی رہتے تھے ان سب پر یہ پابندی لگا دی گئی کہ وہ مدینہ کے اندر کشت و خون سے باز رہیں اور ایک پُر امن ماحول میں آسودہ زندگی بسر کریں۔ معاہدہ کی یہ شرط تمام فریقوں پر یکساں لاگو تھی۔ خواہ وہ یہودی ہوں، اوک ہوں یا خزرج، اوس اور خزرج آپس میں لڑائی جھگڑوں میں مشغول رہتے تو دوسری طرف یہودی انہیں آویزش کا شکار بنا لیتے۔ اب ان تینوں کو پابند کر دیا گیا کہ وہ مکمل امن و امان قائم رکھیں نہ آپس میں لڑیں نہ دوسروں کو ایک دوسرے سے لڑانے کی کوشش کریں۔

۲۔ سلامی حکومت کا تحریری دستور | ڈاکٹر حمید اللہ نے اسے دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور قرار دیا ہے۔ اس میں حکومت اور عوام کے حقوق و فرائض کو

واضح طور پر متعین کیا گیا ہے۔

۳۔ مذہبی آزادی | معاہدہ کی رُو سے یہ قرار پایا کہ یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ان کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ اسلام نے مذہبی روداری کی جو مثال قائم کی ہے۔ یہ اس کا واضح ثبوت ہے۔ یہ مذہب کبھی بھی تلوار سے نہیں پھیلا یا گیا جیسا کہ عیسائی مورخ الام لگاتے ہیں۔ بلکہ یہ صرف تبلیغی مساعی سے پھیلا ہے۔ یثاق مدینہ میں یہودیوں کو اپنے مذہب کی پیروی کی مکمل آزادی دے دی گئی تاکہ وہ اپنے مذہبی شعائر پر بلا جھجک عمل کر سکیں۔ یہ سب اس اطمینان کے بعد طے کیا گیا تھا کہ مسلمانوں کو بھی مکمل مذہبی آزادی ہوگی۔ اس آزادانہ ماحول میں اب جو مذہب زیادہ بااثر ہوگا۔ لوگ خود بخود اس کی طرف کھمچے چلے آئیں گے۔ چنانچہ علی طور پر یہی کچھ ہوا جب عام لوگوں نے اپنے مذہب کے ساتھ اسلام کا مقابلہ کیا تو وہ برضا و رغبت دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ مگر یہود اپنے مذہب پر قائم رہے۔ اگرچہ ان کا موجودہ مذہب ایک منسوخ شدہ صورت میں موجود تھا۔

۴۔ قریش کی مخالفت | معاہدہ میں طے پایا کہ کوئی فریق قریش کو امان نہیں دے گا بظاہر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے خواہ مخواہ قریش کو نشانہ انتقام بنایا لیکن غور

کیجئے کہ قریش کون تھے۔ یہ وہی قبیلہ تھا جو آپ کے مکہ سے اخراج کا باعث ہوا، معاہدہ میں ان کے بارے میں جو شرط رکھی گئی۔ اس کی تہہ میں یہ راز تھا کہ قریش لازماً یہود سے تعلق قائم کریں گے اس لئے یہود بطور فریق معاہدہ انہیں امان دینے، یعنی انہیں مدینہ میں قیام کرنے کی اجازت نہ دیں گے تاکہ وہ یہاں آکر مسلمانوں کے خلاف محاذ بنالیں یا ان کی جاسوسی نہ کر سکیں۔ بعد کے حالات سے یہ بات واضح

ہو گئی کہ یہود نے اسی شرط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے قریش سے ساز باز کی تھی۔ حتیٰ کہ عبداللہ بن ابی اسحاق نے اسی شرط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے قریش سے خفیہ طور پر مراسلت شروع کر چکا تھا۔

۵۔ مدینہ کا تحفظ اور دفاع | معاہدہ کی ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ یہود یا مسلمانوں کو کسی سے لڑائی پیش آئے تو دوسرا فریق اس کی مدد کرے گا۔ نیز مدینہ پر حملہ ہوا تو دونوں فریق مل کر اس کا دفاع کریں گے۔ یہ ایک قسم کا دفاعی معاہدہ بھی تھا۔ یہ زمانہ حال میں بھی اس قسم کے فوجی معاہدے ہو رہے تھے۔ جن میں یہ یقین دلایا جاتا ہے کہ ایک ملک پر حملہ دوسرے ملک پر حملہ تصور کیا جائے گا، اس کا مقصد صرف یہی ہوتا ہے کہ جنگ کی صورت میں دونوں ملک ایک دوسرے کی پشت پر ہوں گے۔ آپ کو معلوم تھا کہ مدینہ چلے آنے کے بعد اہل مکہ آرام سے نہیں بیٹھیں گے اور اہل مکہ اور مدینہ کے مابین جنگ تاریخ کا مقدر بن چکا ہے۔ اس لئے آپ نے کمال فوجی بصیرت سے کام لے کر یہ معاہدہ طے کیا۔ کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ حملہ کی صورت میں جب تک اہل مدینہ متحد نہ ہوں گے وہ دشمن کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ دوسری طرف یہود نے کہنے کو تو یہ شرط منظور کر لی لیکن جب وقت آزمائش آیا تو انہوں نے اس کی خلاف ورزی کی جس کے نتیجے میں انہیں مدینہ سے جلا وطن ہونا پڑا۔

۶۔ رسول خدا کی حیثیت | اس معاہدہ نے آپ کو مدینہ کا سربراہ مملکت بنا دیا حالانکہ پہلے آپ اپنی جان کی سلامتی کے لئے مکہ سے رات کے اندھیرے میں ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے تھے اس منصب کا اعزاز آپ کو یوں ملا کہ معاہدہ میں طے پایا تھا کہ جھگڑے کی صورت میں آپ کو ثالث مان لیا جائے اور آپ کا حکم آخری ہوگا اور نافذ العمل سمجھا جائے گا۔ آپ کی یہ قانونی حیثیت درحقیقت آپ کو سیاسی قائد بنا گئی۔ تمام قبائل سیاسی خود مختاری سے سبکدوش ہو گئے اور انہوں نے ایک ذات کو اپنا قائد تسلیم کر لیا۔ اس طرح سے گویا آپ کو مدینہ میں مرکزیت حاصل ہو گئی اور آپ نے بحیثیت قائد وہ فیصلے کئے جو آگے چل کر تاریخ اسلام کے موثر ثابت ہوئے۔

۷۔ رسول کریم صلعم ایک بین الاقوامی قاضی کی حیثیت سے | اس بین الاقوامی معاہدہ نے رسول کریم صلعم کو ایک طرح

مدینہ کی مختلف اقوام میں پولیٹیکل لیڈر اور انتظامی حاکم کی حیثیت دے دی تھی اور آپ اس بین الاقوامی جمہوری سلطنت کے گویا صدر قرار پائے تھے جو مدینہ میں ہجرت کے بعد قائم ہوئی تھی۔ اس پوزیشن میں اہم مقدمات بھی آپ ہی کے سامنے پیش ہونے لگ گئے تھے اور آپ ہر قوم کے ضابطہ عدالت کے ماتحت ان کا فیصلہ فرماتے تھے۔ چنانچہ روایت آتی ہے کہ سکہ حجری کے آخر میں آپ کے سامنے ایک یہودی مرد اور یہودی عورت کا ایک مقدمہ پیش ہوا جس میں ان کے خلاف زنا کا الزام ثابت کیا گیا تھا۔ آنحضرت صلعم نے یہودی علماء سے پوچھا کہ اس بارہ میں موسوی شریعت کیا فتویٰ دیتی ہے انہوں نے دھوکے اور افتراء

کے طور پر یہ جواب دیا کہ جو شخص زنا کرے اسے ہمارے ہاں منہ کالا کر کے اور سواری پر اٹا سوار کر کے پھرایا جاتا ہے اس وقت عبداللہ بن سلام جو ایک یہودی عالم اور اب مسلمان ہو چکے تھے پاس ہی بیٹھے تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ لوگ غلط کہتے ہیں تو رات میں زنا کی نذر سنگسار کرنا لکھی ہے چنانچہ تو رات منگوائی گئی اور گو یہودیوں نے بہت پردہ ڈالنے کی کوشش کی۔ حتیٰ کہ یہاں نے بہانے سے اس آیت پر ہاتھ رکھ کر اسے چھپانا چاہا۔ مگر عبداللہ بن سلام نے یہ صاف طور پر دکھا دیا کہ از روئے تو رات زنا کی نذر (سنگساری) ہے اور ان کو شرمندہ ہونا پڑا۔ اور چونکہ یہ معاہدہ تھا کہ ہر قوم کے مقدمات اس کے اپنے قانون کے مطابق فیصلہ کئے جائیں گے اور اسلام میں تو ابھی تک زنا وغیرہ کی حدود کے متعلق احکام بھی نازل نہیں ہوئے تھے اس لئے آپ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ یہودی شریعت کے مطابق ان دونوں کو سنگسار کر دیا جاتا ہے چنانچہ وہ دونوں مرد و عورت سنگسار کر دیئے گئے۔

۸۔ یہودیوں اور عیسائیوں کا اقتدار ختم ہو گیا۔

۹۔ انفرادی مفاد پر اجتماعی مفاد کو ترجیح دی گئی۔

۱۰۔ باہر کے قبائل پر مدینہ کا رعب چھا گیا۔

۱۱۔ مسلمان رنگ نس، زبان اور قوم کا امتیاز ختم کر کے ایک امت بن گئی۔

**مواخات** | رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچتے ہی جس چیز کی طرف سب سے زیادہ توجہ دی وہ شہر کو پُر امن اور بااِشندوں کے باہمی تعلقات کو خوشگوار بنانا تھا ہاجرین اپنے گھر، وطن، عزیز و اقارب، مال و دولت چھوڑ کر مدینہ آئے تھے۔ گو انہوں نے صرف اور صرف رضا الہی کے لئے یہ کام کیا تھا۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو پریشان اور زبوں حالی میں دیکھ نہیں سکتے تھے۔

حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے مشورہ کیا۔ حضرت انس بن مالکؓ کے مکان پر انصار اور ہاجرین کو جمع کیا۔ آپ نے انصار کی طرف توجہ ہو کر فرمایا: "یہ تمہارے بھائی ہیں اس طرح مسلمانوں کے اندر مواخات اور بھائی چارہ قائم کر کے ہاجرین اور انصار کے تعلقات کو خوشگوار اور استوار بنا دیا۔ انصار نے اپنے گھروں کے آس پاس جو اتادہ زمینیں تھیں ان کو دے دیں۔ جن کے پاس زمین نہ تھی۔ انہوں نے اپنے مسکونہ مکانات دے دیئے۔ ہاجرین کے کاروبار چلانے کے لئے ان کو دل کھول کر مدد دی۔

اس رشتہ مواخات کی وجہ سے شروع میں ہاجرین کو انصار کا وارث سمجھا جاتا تھا لیکن بعد میں وراثت کو وحی الہی کے ذریعے صرف خونی رشتے داروں تک محدود کر دی۔

مدینہ میں پہنچ کر سب سے پہلا کام خانہ خدا کی تعمیر تھی۔ آپ کی قیام گاہ کے قریب بنو بخار کی افتادہ زمینیں تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو بلا کر کہا کہ مسجد کے لئے یہ زمین قیمت سے لینا چاہتا ہوں وہ بولے ہم قیمت لیں گے لیکن آپ سے نہیں بلکہ خدا سے چونکہ وہ زمین دویتیموں کی تھی۔ آپ نے ان کو کہا بھیجا۔ وہ آئے انہوں نے وہ بلا قیمت نذر کرنا چاہی مگر آپ نے منظور نہ فرمایا۔ ان کو حضرت ابوالرب رضی اللہ عنہ نے قیمت ادا کی اور زمین ہموار کر کے تعمیر مسجد کا مقدس کام شروع ہو گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود پتھر اٹھاتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بدوش کام کرتے۔ قریب ہی نادار مسلمانوں کے لئے ایک مستحق چبوترہ بنایا جو صفہ کہلاتا تھا یہ گویا مسجد کے ساتھ درس گاہ تھی۔ وہ لوگ سارا وقت دین کے سیکھنے پر صرف کرتے تھے۔ مسجد سے متصل ازواج مطہرات کے حجرے تعمیر ہوئے۔ تعمیر مسجد کے بعد باجماعت نماز ہونے لگی۔ باجماعت نماز اسلامی اتحاد اور یک جہتی کے لئے بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتی ہے۔

## غزوات

مکہ میں کفار کا تشدد اور ظلم و ستم انفرادی رنگ رکھتا تھا، مسلمان ہجرت کر کے مدینہ آگئے تو اب کفار نے مسلمانوں کی من حیث القوم بیخ کنی کا مصمم ارادہ کر لیا۔ رسول کریم صلعم پر بحیثیت ایک قائد فرض ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کی قومی زندگی کی بقا کی حفاظت کریں سو خدا تعالیٰ کے حکم سے قومی زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے ہاتھ میں تلوار لی۔ قرآن مجید میں آتا ہے - اُوْدِنَ لِلَّذِيْنَ يُقْتَلُوْنَ بِاَنفُسِهِمْ ظُلْمًا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ الَّذِيْنَ اَخْرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ لِيُخْرِجُوْا اِلَّا اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبَّنَا اللّٰهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفُضِّتْ صَوَابِعُ وَبِيْعٌ وَصَلْوَانٌ وَّمَسْجِدٌ يُّذَكَّرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَّلِيْنصُرُوْنَ اللّٰهَ مِنْ يَنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ (الحج ۲۲: ۳۹، ۴۰)

اجازت دی گئی ہے جن سے ٹرائی کی جاتی ہے اس لئے کہ ان پر ظلم کیا گیا اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے وہ لوگ جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے صرف اس بات پر کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے نہ ہٹاتا تو یقیناً راہبوں کی کوٹھڑیاں اور گرجے اور عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام بہت یا جاتا ہے گرا دی جاتیں اور اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس کے دین کی مدد کرتا ہے۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جنگ کرنے کی اجازت مندرجہ ذیل امور کی بنا پر دی گئی ہے۔  
۱۔ مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے گئے۔

۲۔ مسلمانوں کو ان کے گھروں سے ناحق نکالا گیا۔

۳۔ اگر جنگ کی اجازت نہ دی جاتی تو دنیا سے امن اٹھ جاتا مذہبی آزادی مٹ جاتی اور خدا تعالیٰ کی عبادت گاہیں تباہ ہو جاتیں۔ پھر ایک اور آیت میں مسلمانوں پر ایک واضح شرط عائد کر دی۔

مَتَا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ

(سورۃ البقرہ آیت ۱۹) اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے

ہیں اور زیادتی نہ کرو اللہ زیادتی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

عزودہ بدر ۲۲ھ مطابق ۶۲۲ء

اسلامی سلطنت کا استحکام اور قریش کی تباہی

## اسباب

۱۔ قریش کی سلام سے عداوت

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیغام اسلام پہنچانے کے لئے میدان عمل میں اتر آئے تو شروع میں قریش مکہ نے

اس دعوت کو حقیر جان کر محض تمسخر اور استہزا سے کام لیا۔ لیکن جب اس دعوت کا ذکر گھر گھر ہونے لگا اور ہر طبقہ سے لوگ اس دعوت کو قبول کرنے لگے تو قریش کو فکر لاحق ہوئی کہ ایسا نہ ہو کہ یہ دعوت ان کی تہذیب اور رسوم اور عقائد پر غالب آجائے، تب انہوں نے اس دعوت کو ختم کرنے کے لئے مختلف حربے استعمال کرنے شروع کئے۔ مسلمانوں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو ہر قسم کی کالیف کا نشانہ بنایا۔ شاید یہ لوگ ان تکالیف سے تنگ آکر اس دعوت سے کنارہ کش ہو جاتیں لیکن جب یہ حربہ کارگر ثابت نہ ہوا تو ابوطالب کے پاس تین دفعہ دند گئے کہ وہ اپنے بھتیجے کو بتوں کو بڑا بھلا اور ان کو وقور بنا رکھنے سے باز رکھے جب وہ اس سفارت میں بھی ناکام ہوئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر قسم کا طمع دیا کہ وہ اس دعوت سے باز آجاتے لیکن جب قریش نے اس طریقہ میں بھی اپنی ناکامی دیکھی تو بنو ہاشم سے معاشری مقاطعہ کر دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قبیلہ کے لوگوں کے ساتھ تین سال شعب ابی طالب میں محصور رہے جب آپ بعض رجم دل لوگوں کی وجہ سے اس گھاٹی سے باہر آئے تو کنفار نے تکالیف اور مصائب کی آگ اور تیز کر دی۔ آخر کار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ہجرت کرنے کا حکم دے دیا اور نبوت کے تیرھویں سال جب کنفار نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر رات کی تاریکی میں غار ثور میں آچھپے۔ وہاں تین دن قیام کرنے کے بعد مدینہ کی طرف چل پڑے۔ اس طرح کنفار کے خطرناک عزائم سے نجات حاصل کر کے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے صحابہ مدینہ میں آگئے۔

جب قریش نے دیکھا کہ مسلمانوں کو ایک پر امن زندگی مل گئی ہے اور اسلام کی شاعیں آہستہ آہستہ پھیل رہی ہیں تو انہوں نے پھر اسلام کو تلوار کی ضرب سے کاٹنے کا تہیہ کر لیا۔ قریش نے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو تہدیداً آمیز خط لکھا کہ تم نے ہمارے آدمی کو پناہ دی ہے ہم قسم کھاتے ہیں۔ یا تو تم اس کو قتل کر دو یا مدینہ سے نکال دو۔ ورنہ ہم تم پر حملہ کر دیں گے اور تم کو فنا کر دیں گے اور تمہاری عورتوں کو قیدی بنا لیں گے۔“

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خط کی خبر ہوئی تو آپ عبداللہ بن ابی کے پاس تشریف لے گئے۔ اس کو سمجھایا کہ ”کیا تم اپنے ہی بیٹوں اور بھائیوں سے لڑو گے؟“ یہ خط مسلمانوں کے خلاف کھلم کھلا اعلان جنگ تھا۔

اس کے بعد قریش نے مدینہ کے یہودیوں سے ساز باز شروع کر دی جب ان کو خفیہ طور پر اپنے ساتھ بلا لیا۔ تب مسلمانوں کو تہدیداً آمیز پیغام بھیجا۔ تم معذور نہ ہو جانا کہ مکہ سے جان بچا کر آگے ہو۔ ہم مدینہ پر حملہ کر کے تمہیں فنا و برباد کر دیں گے۔

قریش کی دشمنی کی لہروں نے صرف ہاجرین کو ہی اپنی لپیٹ میں نہ لیا تھا بلکہ انصار بھی اس لپیٹ میں آگئے تھے۔ ایک دفعہ قبیلہ اوس کا سردار حضرت سعد بن معاذ حج کے لئے مکہ گئے تو اپنے ایک دوست امیہ بن خلف کے ہاں فزوش ہوئے۔ ایک دن طواغیت کے لئے نکلے تو ابو جہل نے دیکھ لیا۔ اور کہا ”تم نے مسلمانوں کو پناہ دی ہے۔ اگر تم امیہ کے ساتھ نہ ہوتے تو مکہ واپس نہ جاتے۔ اس پر اس نے جواب دیا: ”اگر تم نے ہمیں حج سے روکا تو ہم تمہاری تجارتی شہرہ رک کاٹ دیں گے۔“

۲۔ شام کی تجارتی شاہراہ کا مسلمانوں کی زد میں ہونا | مدینہ میں مسلمانوں کے یکجا ہونے سے کفار مکہ کو یہ حدشہ لاحق ہوا کہ کہیں مسلمان اہل

کو اقتصادی مار دینے کے لئے اس شاہراہ پر قبضہ نہ کر لیں جو یمن سے شام کی طرف ساحل بحرا کے ساتھ ساتھ جاتی تھی۔ اس شاہراہ کے محفوظ رہنے پر ہی اہل مکہ کی خوشحالی کا دار و مدار تھا۔ ایک سرسری تخمینہ کے مطابق اہل مکہ کی وہ تجارت جو اس راستہ ہوتی تھی وہ اڑھائی لاکھ اشرفی سالانہ تھی طا اور دیگر مقامات کی تجارت اس کے علاوہ ہے۔

۳۔ اسلامی ریاست خاتمہ کا منصوبہ | قریش نے اسلامی ریاست کو نیست و نابود کرنے کے تیاریاں شروع کر دیں۔ افرادی قوت کو مضبوط کرنے کے لئے مکہ کے گرد و نواح کے قبائلی سے معاہدات کئے۔ معاشی وسائل کو مضبوط کرنے کے لئے یہ فیصلہ کیا کہ اس مرتبہ جو تجارتی قافلہ شام بھیجا جائے اس کا تمام نفع جنگ کی تیاری کے لئے وقف کیا جائے۔ اس منصوبے کی تشکیل کے بعد مکہ اور مدینہ کے درمیان کشیدگی میں بہت اضافہ ہو گیا۔

۴۔ مدینہ کی چراگاہ پر حملہ | مکہ کے ایک رئیس کو زین جابر فہری نے مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کر دیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مویشی ہانک کر بھاگ نکلا۔ مسلمانوں کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے سرعت کے ساتھ تعاقب کیا۔ مویشی چھین لئے مگر کو زین جابر پکڑ لیا گیا قریش کے تجارتی قافلے ہر سال گرمیوں میں ملک شام کی طرف جاتے تھے۔ مکہ کی تمام اقتصادی ترقی کا انحصار اس تجارتی قافلہ پر ہوتا تھا۔ بعض مورخوں نے اندازہ لگایا ہے کہ یہ تجارت ۵۰۰۰۰۰۰۰۰ دینار سالانہ ہوتی تھی۔

۵۔ عمرو بن حضرمی کا قتل | رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ جحش کو بارہ آدمیوں کے ہمراہ نخلہ کی طرف دشمنوں کی حرکات کی خبر لانے کے لئے بھیجا۔ ایک بند خط دیا اور فرمایا کہ دو دن کے بعد کھونا۔ عبداللہ نے جب خط کھولا تو لکھا تھا "مقام نخلہ میں قیام کرو۔ اور قریش کے حالات کا پتہ لگاؤ۔ اور اطلاع دو۔ اتفاق سے قریش کا ایک تجارتی قافلہ مل گیا۔ دونوں گروہوں کے درمیان جھڑپ ہو گئی جس میں قریش مکہ کا ایک شخص عمرو بن حضرمی قتل ہو گیا اور دو گرفتار ہوئے جب عبداللہ اس سمت کی اطلاعات لے کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے ناراضی کا اظہار کیا۔ یہ واقعہ ایسے مہینے میں رونما ہوا جس میں جنگ و جدل حرام تھا۔ کفار نے اس واقعہ کو خوب پھمال کر تمام عرب قبائل کو مسلمانوں کے خلاف اُکسانے کی کوشش کی۔ اسی طرح عمرو بن حضرمی کے دشمنوں نے بھی انتقام لینے کے لئے اہل مکہ کو اُکسایا۔ علامہ طبری لکھتے ہیں کہ جس چیز نے بدر کے واقعہ کو ابھارا اس کا سبب یہی حضرمی کا قتل تھا۔ اس لئے کہ خون کا بدلہ لینا عربوں کا قومی خاصہ تھا۔"

ابوسفیان کا قافلہ | قریش کا ایک تجارتی قافلہ ابوسفیان کی سرکردگی میں شام سے واپس آ رہا تھا کسی نے یہ افواہ اڑادی کہ مسلمان قافلے کو لوٹنا چاہتے ہیں۔ ابوسفیان نے ایک تیز رو قاصد کو روانہ کر دیا تاکہ وہ مسلمانوں کے عزائم سے اہل مکہ کو آگاہ کرے۔ ابوسفیان خود تو اسی راستہ اختیار کر کے مکہ پہنچ گیا۔ لیکن فوج مدینہ کی طرف روانہ ہو چکی تھی۔ ابوسفیان نے ایک قاصد بجا کہ ہم خیریت سے مکہ پہنچ گئے اس وجہ سے واپس لوٹ آؤ۔ کچھ سرداروں نے واپس لوٹ جانے کی تے دی۔ لیکن ابو جہل نہ مانا۔ بنی زہرہ اور عدی کے قبائل تو اس اقدام کو غیر ضروری سمجھ کر واپس آ گئے لیکن اہل باقی ماندہ فوج لے کر بدر کی طرف روانہ ہو گیا۔

جنگ بدر | قریش ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ جس میں سو سے زیادہ سوار تھے اسلحہ اور دیگر حربی سامان کی فراوانی تھی۔ بدر کے مقام پر پہنچ گئے۔ بدر مدینہ سے اسی میل کے صلے پر ایک گاؤں ہے جہاں اہل عرب کا سالانہ میل لگاتا تھا قریش نے پہلے پہنچ کر ان مقامات پر قبضہ کر لیا جو جنگی نقطہ نگاہ سے اہم تھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش فوج کی اطلاع ہوئی تو آپ نے مسجد نبویؐ میں انصار اور ہاجرین کو جمع کیا۔ ہاجرین کی طرف سے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے وفاداری اور جان نثاری کا اظہار کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شاموش رہے۔ انصار کو محسوس ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مشورہ لینا چاہتے ہیں تو حضرت سعد بن عبادہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ کیا آپ کا اشارہ ہماری طرف ہے۔ تب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ تب حضرت سعد بن عبادہؓ نے کھڑے ہو کر کہا: خدا کی قسم آپ فرمائیں تو ہم سمندر میں کود پڑیں۔ سعد کی تقریر سن کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوچ کرو۔ خدا کی طرف سے یہ بشارت سنو کہ اللہ نے دشمن کے دو گروہوں میں سے ایک پر نصرت کا وعدہ کیا ہے۔ بخدا رو ساء مگر میں سے ایک ایک کا قتل میری آنکھوں کے سامنے ہے۔

۱۲ رمضان ۱؎ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تین سو تیرہ صحابہ کے ہمراہ جن میں ساٹھ ہاجرین اور باقی انصار تھے۔ مدینہ سے نکلے اور بدر کی طرف روانہ ہو پڑے۔ مسلمانوں نے وہاں پہنچ کر ایک چشمہ پر قبضہ کر لیا۔ اسی رات بارش ہو گئی جس سے مزید پانی جمع ہو گیا اور مٹی بھی بیٹھ گئی۔ تمام رات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حضور میں گڑ گڑا کر دعا کی صبح ہوئی تو آپ نے فوج کو ترتیب دے کر دعا فرمائی: "خدا یا تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے آج پورا کر۔ اگر آج تیرے یہ چند بندے مٹ گئے تو پھر قیامت تک تیرا کوئی نام لینے والا نہیں رہے گا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سپاہیوں کو نہایت اہم ہدایات دیں جن کا حاصل یہ ہے۔

۱۔ مسلمان صف بندی کو نہ توڑیں

۲۔ اس وقت تک لڑائی کا آغاز نہ کریں۔ جب تک آپ اجازت نہ دیں۔

۳۔ دشمن دور ہو تو تیر چلا کر ضائع نہ کریں۔ زد میں آئے تو تیر چلائیں اور بھی قریب آئے تو پھرتوں سے ماریں۔ اس سے بھی نزدیک ہو جائے تو نیزوں سے روکیں اور سب سے آخر میں

تلواریں کھینچیں

۱۷ رمضان ۱؎ کو باقاعدہ جنگ کا آغاز انفرادی مقابلہ سے ہوا۔ کفار مکہ کی طرف سے سالار فوج عتبہ و لید اور شیبہ نکلے۔ مسلمانوں کی فوج سے حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہؓ مقابلہ کے لئے نکلے۔ تینوں کا فریاد ہوا کہ: حضرت عبیدہؓ کو ایک مہلک زخم آیا جن سے وہ جانبر نہ ہو سکے۔

عبیدہ بن سعید سر سے پاؤں تک لڑھے میں غرق تھا۔ نخت اور کبک کے نشہ میں چور ہو کر صف

سے نکلا اور لٹکارا۔ حضرت زبیرؓ نے اس کی آنکھ پر بچھی ماری اور ایک ہی وار میں ہلاک کر دیا۔ اب عام لڑائی شروع ہو گئی۔ ابوبہل کو انصار کے دو لڑکوں معوذ اور معاذ نے قتل کیا۔ مکہ کا ایک اور سردار امیر



بن خلف بھی مارا گیا۔ جب کفار نے اپنے سرداروں کو میدان جنگ میں کھیت ہوتے ہوئے دیکھا تو ستر مقتول میدان میں چھوڑ کر بھاگ نکلے اور ستر کے قریب قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے مسلمانوں کے کوئی ایک درجن سپاہی شہید ہوئے۔

مسلمانوں کو فتح باوجود حربی سامان کی کمی کے محض نصرت الہی سے ہوئی تھی۔ لیکن اس فتح عظیم کے پیچھے کچھ مادی اسباب بھی ہیں۔

۱۔ قریش میں جنگ سے قبل ہی اختلاف رونما ہو چکا تھا۔ عقبہ قائد لشکر لڑنے پر راضی نہ تھا۔ قبیلہ زہرہ کے لوگ میدان جنگ چھوڑ کر پھلے گئے تھے۔ اس وجہ سے فوج میں اتحاد اور یک دلی کا فقدان تھا۔

۲۔ بارش ہو جانے کی وجہ سے کفار مکہ جہاں صف آرا تھے وہاں کپڑے ہو گیا۔ جس کی وجہ سے چلنا پھرنا اور فوجی نقل و حرکت مشکل ہو گئی مسلمانوں کی طرف سے مٹی بیٹھ کر زمین بہتر ہو گئی تھی۔

۳۔ کفار کی فوج میں کوئی ترتیب اور صف بندی نہ تھی۔ اسلامی لشکر کی صف بندی خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی۔

۴۔ سورت مسلمانوں کی پشت پر تھا لیکن کفار کے عین سامنے تھا۔ جس کی وجہ سے کفار کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

۵۔ کفار مکہ اسلامی فوج کا تخمینہ کرنے میں غلطی کر رہے تھے۔ یعنی اپنی تعداد سے دوگنا تصور کرنے تھے۔

۶۔ جب عام لڑائی شروع ہوئی کفار حربی ساز و سامان کی فراوانی کی وجہ سے بے نظمی اور بے ترتیبی سے آگے بڑھے۔ جب کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کو پیش قدمی سے روک دیا ہوا تھا اور ہدایت کر دی ہوئی تھی کہ جب دشمن بالکل قریب آئے تو پھر حملہ کرنا ہے اس طرح کفار مسلمانوں کے دفعہٴ حملہ کرنے کا مقابلہ نہ کر سکے۔

۷۔ اسلام نے مسلمانوں کے اندر ذوق شہادت کا جذبہ اس قدر بھر دیا ہوا تھا کہ وہ اس موت کو ابدی اور نجات والی زندگی سمجھتے تھے۔ اس وجہ سے شہادت کا درجہ حاصل کرنے کے لئے وہ بے ہنگامی سے لڑے۔

۸۔ لڑائی کے آغاز میں ہی قریش فوج کے تین سردار لغمہ اجل بن گئے تھے۔ ان کے قتل سے قریش کے جوصلے پست ہو گئے۔

۹۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی کا راز نصرت الہی میں مضمر ہے جب دونوں فوجیں میدان جنگ میں آئیں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ "اے اللہ آج یہ مٹھی بھر جماعت ہلاک ہو گئی تو پھر

روئے زمین پر تیری عبادت کہیں نہیں ہوگی: اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فتح کی بشارت دی اور ایک ہزار فرشتوں سے امداد فرمائی ہے۔ (حکایات صحابہ)

## جنگ بدر کی اہمیت اور نتائج

۱۔ تاریخ اسلام میں جنگ بدر ایک خاص اہمیت رکھتی ہے مولانا شبلی نے الفاظ میں "بدر کا معرکہ حقیقت میں اسلام کی ترقی کا اولین قدم تھا" اور اسلم جبراجوری کے الفاظ میں یہ لڑائی درحقیقت شوکت اسلام کا سنگ بنیاد تھی۔

۲۔ معاندین نوساقریش، ابو جہل، عتبہ، ولید، شیبہ، سعد بن العاص اور امیہ بن خلف سب اس معرکہ میں مارے گئے اور کفار کی قیادت ابوسفیان کے ہاتھ آگئی۔

۳۔ تمام عرب میں مسلمانوں کی قوت اور طاقت کی دھاک بیٹھ گئی وہ لوگ جو پہلے یہ سوچتے تھے کہ مسلمانوں کو صرف ایک ہی حملہ سے تباہ کر دیا جائے گا۔ ان کے عزائم خاک میں مل گئے اور ان کو یہ احساس ہو گیا۔ اس نئی ابھرتی ہوئی طاقت کو ختم کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

۴۔ وہ قبائل جو یہ دیکھ رہے تھے کہ مسلمان کہاں تک قریش کی طاقت کا مقابلہ کر سکتے ہیں معرکہ بدر میں مسلمانوں کی شاندار کامیابی کی وجہ سے انہوں نے مخالفت ترک کر دی۔

۵۔ یہود نے یشاق مدینہ کو بالائے طاق رکھ کر قریش کی امداد کرنا شروع کر دی۔ اس وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو پُر امن شہر بنانے اور اس کے دفاع کو مضبوط کرنے کے لئے اور کے خلاف عملی قدم اٹھایا اور سب سے پہلے بنو قینقاع کو ان کی غداری کی وجہ سے جلا وطن کیا۔

۶۔ جب کوئی طاقتور اور حکیم قوم کسی کمزور طاقت کے ہاتھوں مار کھاتی ہے تو وہ عداوت اور حسد کی آگ میں جل کر پوری قوت کے ساتھ انتقام لینے کی کوشش کرتی ہے۔ جب قریش نے کمزور مسلمانوں کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست کھائی تو وہ اس طبعی جذبہ کی وجہ سے اپنی پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی تیاری شروع کر دی۔ بعد کی جنگیں معرکہ بدر میں شکست کھانے کی وجہ سے ہوئیں۔ آخر نتیجہ یہ نکلا کہ دس سال کے اندر اندر کفار کی طاقت خاک میں مل گئی اور مسلمان تمام عرب پر غالب آ گئے۔

۷۔ مسلمانوں میں یہ کامل یقین پیدا ہو گیا کہ وہ نصرت ایزدی کی وجہ سے کبھی باطل اور کفر سے شکست نہیں کھائیں گے۔ اس سے مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے۔

۸۔ اس موقع پر احکام جنگ اور تقسیم غنائم کے متعلق آیات نازل ہوئیں۔ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ اہل قرابت اور یتیمی اور مساکین وغیرہ کے لئے مقرر ہوا اور باقی فوج میں تقسیم کرنے کا حکم ہوا۔

۹ - اسیرائل جنگ سے حسن سلوک کی وجہ سے مسلمانوں کے اخلاق عالیہ کا مخالفین پر بہت اچھا اثر پڑا۔  
 ۱۰ - جنگ میں تباہی کی وجہ سے اقتصادی بد حالی قریش کے لئے ایک اہم مسئلہ پیدا ہو گیا تجارت بھی کمزور پڑ گئی۔ کیونکہ مدینہ کا راستہ ان پر بند ہو گیا۔

۱۱ - ہجرت کے بعد مدینہ میں اسلامی حکومت قائم ہوئی تھی جنگ بدر نے اس کو مستقل کر دیا۔ مسلمانوں کے پاؤں مدینہ میں مضبوط ہو گئے اور جنگ میں فتح سے آپ کو فوجی بالادستی حاصل ہو گئی۔

۱۲ - مدینہ میں قبائل اوس اور خزرج کے بہت سے لوگ شرک پر قائم تھے بدر کی فتح نے ان لوگوں میں ایک حرکت پیدا کر دی ان میں سے بہت سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے اور بعضوں نے بظاہر اسلام قبول کر لیا اور اسلام کے استیصال کے لئے منافقوں کے گروہ میں شامل ہو گئے۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں اس معرکہ کی اہمیت ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے "جنگ بدر نہ صرف تاریخ اسلام کا زبردست معرکہ ہے بلکہ ساری دنیا کا سب سے اہم تاریخی واقعہ ہے۔"

بدر کے نتائج پر بحث کرتے ہوئے سرو لیم میور لکھتا ہے "بدر کے حالات میں ایسی باتوں کا بہت بڑا عنصر نظر آتا ہے جس کی وجہ سے محمد (صلعم) اس فتح کو جائز طور پر خدائی تقدیر کا گوشمہ شمار کر سکتے تھے صرف یہ کہ فتح بہت نمایاں اور فیصلہ کن تھی بلکہ اس جنگ میں غیر معمولی طور پر محمد (صلعم) کے اکثر دشمن خاک میں مل گئے تھے۔ ان روساؤں کے علاوہ جو جنگ میں قتل کئے گئے یا قید کر لئے گئے تھے ابولہب جو جنگ میں شامل نہیں ہوا تھا۔ وہ بھی قریش کی بھگوڑی فوج کے بکو پیچنے کے چند دن بعد ہی مکہ میں مر گیا۔ گویا کہ وہ خدائی حکم جس کی مار روساؤں پر پڑی ایک اہل تقدیر تھی۔"

اسیرائل جنگ دو دو چار چار صحابہ میں تقسیم کر دیئے گئے اور ہدایت ہوئی کہ ان سے اچھا برتاؤ کیا جائے۔ صحابہ کرام ان

سیران سے حسن سلوک

کو کھانا کھلاتے تھے اور خود کھجور کھا کر گزارہ کرتے تھے۔ جس قیدی کے پاس کپڑے نہ تھے اسے کپڑے دیئے گئے۔

سرو لیم میور لکھتا ہے

سرو لیم میور نے قیدیوں کے ساتھ اس مشفقانہ سلوک کو مندرجہ ذیل الفاظ میں عقراں کیا ہے:-  
 سعد (صلعم) کی ہدایت کے ماتحت انصار و مہاجرین نے کفار کے قیدیوں کے ساتھ بڑی

مہربانی کا سلوک کیا۔ چنانچہ بعض قیدیوں کی اپنی شہادت تاریخ میں ان الفاظ میں مذکور ہے "خدا نے ہمارے مدینہ والوں کا وہ ہم کو سوار کرتے تھے اور آپ پیدل چلتے تھے۔ ہم کو گندم کی پکی ہوئی روٹی دیتے تھے اور آپ صرف کھجوریں کھا کر پڑ رہتے تھے اس لئے میور صاحب لکھتے ہیں (ہم کو یہ معلوم

ہے کہ تمہیں نہ کرنا چاہیے کہ بعض قیدی اس نیک سلوک کے اثر کے نیچے مسلمان ہو گئے اور ایسے لوگوں کو فوراً آزاد کر دیا۔ جو قیدی اسلام نہیں لائے تھے ان پر بھی نیک سلوک کا بہت اچھا اثر تھا۔"

ایران جنگ سے چار چار ہزار درہم ہدیہ لیا جو لوگ غریب اور نادار تھے اور ہدیہ ادا ہند کر سکتے تھے وہ چھوڑ دینے گئے ان میں سے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان کو حکم ہوا کہ دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھادیں۔

## غزوہ احد ۳ھ ۶۲۵ عیسوی

۱۔ اسباب جوش انتقام | قریش غزوہ بدر میں مسلمانوں کی ایک قلیل اور بے سروسامان جماعت کے ہاتھ سے مغلوب ہوئے اور ان کے قائدین میدان جنگ میں مارے گئے تھے۔ اس وجہ سے وہ جوش انتقام سے بریزتے تھے۔

۲۔ وقار کی بحالی کا مسئلہ | غزوہ بدر میں قائدین کفار کھیت ہوئے تھے اور عبرت ناک شکست کی وجہ سے کفار کا وقار خاک میں گیا تھا۔ اس وقار کی بحالی کے لیے انہوں نے از سر نو جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

۳۔ عرب شعراً اور خواتین کا پراپیگنڈہ | عرب کے گوشہ گوشہ سے شعرا مکہ میں آئے انہوں نے جنگ بدر میں مقتولین کے لئے مرثیے کہے اور جنگی ترانے گائے۔ اس جنگی ہم کو مزید تیز کرنے کے لئے عورتوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور زندہ سرداران کفار کو بدلہ لینے کے لئے طعنے دینے شروع کر دیئے۔ ان عورتوں میں ہندہ زوجہ ابوسفیان (جو عقبہ کی بیٹی تھی) ام حکیم زوجہ عکرمہ بن ابی جہل فاطمہ بنت (ولید قتل ہوا تھا) ریطہ زوجہ عمرو بن العاص اور حانس والدہ مصعب بن عمیر پیش پیش تھیں۔

۴۔ تجارتی مفادات کو خطرہ | مکہ کے تجارتی قافلے شام جاتے ہوئے بحیرہ احمر کے کنارے پر ہو گئے تھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام قبائل سے معاہدہ کر لیا جو تجارتی گزرگاہ پر آباد تھے۔ تجارت کا دوسرا راستہ عراق بھی غیر محفوظ تھا۔ غزوہ بدر کے چھ ماہ بعد قریش کا ایک تجارتی قافلہ عراق کی طرف سے شام جا رہا تھا۔ رسول کریم صلعم نے حضرت زید حارثہؓ کو ایک سو سپاہیوں کا دستہ دے کر روانہ کیا۔ حضرت زیدؓ نے قافلہ پر چھا پہ مارا اور انہیں بھگا دیا اور مال و متاع پر قبضہ کر لیا۔

اس طرح قریش مکہ کی تجارتی ناکہ بندی ہو گئی۔ اہل مکہ کی معیشت کا دار و مدار تجارت پر ہی تھا کہ اس ناکہ بندی کی فکر لاتی ہوئی۔ سو قریش حادثہ بدر اور تجارتی ناکہ بندی دونوں کے انتقام اور مدد کے لئے آتش زیر پا تھے۔

۵۔ یہود کی حوصلہ افزائی | کعب بن اشرف یہودی نے مکہ میں جا کر قریش کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا اور ان کے ساتھ معاہدے بھی کئے۔

۶۔ چھیڑ چھاڑ | ابتدائی چھیڑ چھاڑ کے طور پر ابوسفیان سوئسٹرسواروں کو لے کر مدینہ کی طرف بڑھا وہ چوری چھپے بنو نضیر کے سردار سلام بن مشکم کے پاس جا ٹھہرا اس نے بڑے جوش و خروش سے استقبال کیا۔ صبح کے وقت وہ عرض پر حملہ آور ہوا۔ جو مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے یہاں اس نے ایک انصاری سعد بن عمرو کو شہید کیا۔ چند مکانات بلائے آپ کو ابوسفیان کی تباہ کاریوں کی اطلاع ملی تو آپ نے اس کے تعاقب کا حکم جاری کیا ابوسفیان گھبراہٹ میں بھاگا اور اپنے ستوؤں کے پھیلے جوڑا دراہ کے لئے لایا تھا۔ پھینک دیئے۔ عربی میں ستوؤں کو سویق کہتے ہیں اس لئے یہ واقعہ سویق کے نام سے موسوم ہے۔ دراصل ابوسفیان کا اس مدت تک پہنچ جانا اس بات کی علامت تھی کہ اب وہ مدینہ پر حملہ کے لئے تیار ہے۔

۷۔ قتل کا منصوبہ | قریش نے رسول کریم صلعم کو کسی نہ کسی طرح ختم کرنے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ صفوان بن امیہ نے عمیر بن دہب کو اس امر کے لئے تیار کیا کہ وہ مدینہ جا کر رسول کریم صلعم پر اچانک حملہ کر کے حضور کا خاتمہ کر دے۔ چنانچہ وہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے مدینہ گیا مسجد نبویؐ کے سامنے اپنا ادبٹ بٹھا ہی رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اسے پہچان لیا اور اسے حضور کے پاس لے گئے۔ رسول کریم صلعم نے اس کی نیت کے بارے میں دریافت کیا تو جھوٹ بولا آخر سچ کہہ دیا۔ اس کے بعد وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔

قریش کی جنگی تیاریاں | قریش کا ایک وفد مختلف قبائل میں گیا اور مسلمانوں کے خلاف مدد پر آمادہ کیا۔ روسا قریش میں سے جبیر بن مطعم، صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل۔ حارث بن ہشام اور حویطب اپنے نئے قائد ابوسفیان کے پاس گئے اور کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہماری قوم کا خاتمہ کر دیا ہے۔ اب انتقام کا وقت ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ مسلمان تجارت سے جو نفع حاصل ہوا ہے۔ اس سے اسلحہ حرب خریدا جائے اور مدینہ پر حملہ کر کے کشتگان بدر کا بدلہ لیا جائے۔ یہ ایک ایسی درخواست تھی جو منہ سے نکلتے ہی قبول کر لی گئی۔ ان بڑوں کی کانفرنس میں یہ بھی طے پایا کہ قبائل عرب کو بھی مسلمانوں کے خلاف مشتعل کر کے لشکر میں شامل کر لیا جائے۔ چنانچہ قبائل قریش کی امداد کے لئے آمادہ ہو گئے۔ مگر کے حبشی غلاموں کو بھی داخل فوج اور فخر یک جنگ کر لیا۔

عرب کی لڑائیوں میں سپاہیوں کی ثابت قدمی شجاعت اور بہادری کا ذریعہ خاتونانِ حرم ہوتی تھیں چنانچہ عورتیں بھی فوج میں شامل کر لی گئیں۔ ان میں سے ہندہ۔ عقبہ کی بیٹی امیر معاویہؓ کی ماں کا نام قابل ذکر ہے۔

حضرت حمزہؓ نے ہندہ کے والد عقبہ کو بدر کی جنگ میں قتل کیا تھا۔ اسی طرح جبیر بن مطعم کا چچا

طیحم بن عدی بھی حضرت حمزہ کے ہاتھوں واصل جہنم ہوا تھا۔ اس بنا پر ہندہ نے ایک وحشی کو جو حیر کا غلام تھا اور حربہ اندازی میں کمال مہارت رکھتا تھا۔ حضرت حمزہ کو قتل کرنے پر تیار کیا اور یہ طے پایا کہ وہ اس کارگزاری کے صلہ میں آزاد کر دیا جائے گا۔

**حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی خبر رسائی**  
 حضرت عباس نے رسول کریم کے ساتھ قرابت و اہلیت کے حسن کردار اور اہل بیت کی عبادت اور ایسے بد رفتاروں کے

دوران حسن معاملات کا وجہ سے ایک غفاری کے ہاتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خط ارسال کیا جس میں قریش کے جوش انتقام ان کے لشکر کی تعداد اور سامان حرب کی پوری تفصیل تھی اس اطلاع کے ملتے ہی آپ نے معتبر اشخاص کو خبر لانے کے لئے بھیجا۔ انہوں نے آکر خبر دی کہ قریش کا لشکر مدینہ کے قریب آگیا ہے اور مدینہ کی چراگاہ کو ان کے گھوڑوں نے پامال کر دیا ہے۔ شہر پر حملہ کا خطرہ تھا۔ اس وجہ سے ہر طرف پہرہ بٹھا دیا حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ مسلح ہو کر تمام رات مسجد نبویؐ میں پہرہ دیتے رہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ اکثر صحابہؓ کی یہ رائے تھی کہ مدینہ میں رہ کر ہی دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ اور رئیس المناقیص عبداللہ بن ابی نے بھی یہی رائے دی۔ لیکن بعض وہ صحابہؓ جو جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اور بعض وہ بہادر صحابہؓ جو نصرت ایزدی سے غزوہ بدر میں کفار پر غالب آچکے تھے۔ شہر میں رہ کر مدانت کو بزدلی پر محمول کرتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثریت کا اصرار دیکھ کر زور بہن لی۔

قریشی فوج اُحد کے مغرب میں مقیم ہو گئی۔ کفار کی تعداد تین ہزار تھی۔ جن میں تین ہزار اونٹ۔ دو سو گھوڑے اور سات سو زورہ پوش تھے۔ اس فوج میں قریش کے معزز گھرانوں کی عورتیں بھی تھیں جو رجزیہ اشعار پڑھ پڑھ کر جوش پیدا کر رہی تھیں۔

**اُحد کی طرف لشکر اسلام کی روانگی**  
 جمعہ کے دن شوال کی دسویں تاریخ عصر کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار سپاہیوں کی جمیعت میں اُحد کی

طرف چلے میدان جنگ میں پہنچنے سے قبل ہی عبداللہ بن ابی تین سو سپاہیوں کی جمیعت کے ساتھ یہ کہہ واپس مدینہ چلا آیا کہ اس کی رائے پر عمل نہیں ہوا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے دن سات سو آدمیوں کو لے کر جن میں دو سو اسپ سوار اور ایک سو زورہ پوش تھے آگے بڑھے۔ آپ نے اُحد کو پشت پر لے کر صفیں باندھیں۔ عقب میں ایک درہ تھا۔ جہاں سے دشمن کے حملے کا خطرہ تھا آپ نے عبداللہ بن جبیر کی سرکردگی میں پچاس تیر اندازوں کا دستہ متعین کر دیا اور ہدایت فرمائی کہ اس درہ کو کسی صورت میں بھی نہ چھوڑنا۔

قریش نے صفیں آراستہ کیں۔ انہوں نے اسپ سواروں کے پتھرنے پر  
**قریش کی صف آرائی** خالد بن ولید کو میسرہ پر عکرہ بن ابی جہل کو پیادہ فوج پر صفوان بن امیہ  
 کو تیراندازوں پر عبداللہ بن ابی ربیعہ کو مقرر کیا۔

**لڑائی کا آغاز** انفرادی جنگ میں مشرکین کے علم بردار طلحہ نے صف سے نکل کر پکارا "مسلمانو! تم میں سے کوئی ہے جو کہ یا تو مجھ کو جلد دوزخ میں پہنچا دے یا خود میرے ہاتھ سے بہشت میں پہنچ جائے" حضرت علی بن ابی طالب نے صف سے نکل کر کہا: "میں ہوں" یہ کہہ کر سر پر ایسی تلوار ماری کہ طلحہ زمین پر آگرا۔ طلحہ کے قتل ہونے کے بعد اس کے بھائی عثمان نے جھنڈا ہاتھ میں لیا۔ اس کے پیچھے عورتیں رجز یہ اشعار پڑھتی جاتی تھیں۔ حضرت حمزہؓ مقابلہ کے لئے نکلے۔ اس زور سے شانہ پر تلوار کا وار کیا کہ کمر تک اتر گئی۔

اب عام لڑائی شروع ہو گئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں تلوار تھی۔ آپ نے فرمایا کون اس کا حق ادا کرے گا۔ یہ سن کر کئی جان نثار آگے بڑھے۔ مگر آپ نے وہ تلوار کسی کو نہ دی ابو جابر نے اٹھ کر عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا حق کیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کا حق یہ ہے کہ تو اس کو دشمن پر اسے یہاں تک کہ ٹیڑھی ہو جائے" ابو جابر نے کہا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کا حق ادا کروں گا۔ ابو جابر اڑتے ہوئے نکلے اور مشرکین کی صفوں پر حملہ کر دیا اسی طرح حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ صفوں کی صفیں چیرتے چلے جا رہے تھے۔ وحشی نامی حبشی غلام حضرت حمزہؓ کی تاک میں تھا چنانچہ ایک موقع پا کر ایسا نیزہ مارا جو آپ کی ناف میں لگا اور پار ہو گیا۔ حمزہ رضی اللہ عنہ ٹکھڑاتے ہوئے گرے مگر سہمت کر کے اٹھے اور ایک جست کر کے وحشی کی طرف بڑھنا چاہا مگر پھر ٹکھڑا کر گرے اور جان دے دی۔

بہادران اسلام بڑھ بڑھ کر داد شجاعت دے رہے تھے کفار کے علم بردار ڈر ڈر کر جاتے تھے لیکن علم زمین پر گرنے نہیں پاتا آخر مسلمانوں کے پے در پے حملوں کی تاب نہ لا کر کفار بھاگ نکلے مسلمانوں نے مالِ غنیمت لوٹنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر تیرانداز جو درہ میں متعین تھے وہ بھی مالِ غنیمت کے حصول کے لئے ٹوٹ پڑے حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے بہت روکا۔ لیکن وہ نہ روکے۔

چنانچہ مشہور انگریز مورخ سرولیم میور لکھتا ہے: "مسلمانوں کے خطرناک حملوں کے سامنے مکئی لشکر کے پاؤں اکھڑنے لگ گئے قریش کے رسالے نے کسی مرتبہ یہ کوشش کی کہ اسلامی فوج کے بائیں طرف عقب سے ہو کر حملہ کریں مگر ہر دفعہ ان کو ان پچاس تیراندازوں کے تبرکھا کر پیچھے ہٹنا پڑا (صلعم) نے دم لیا خاص طور پر متعین کئے ہوئے تھے مسلمانوں کی طرف سے اُحد کے میدان میں بھی وہی شجاعت، مردانگی اور موت و خطر سے وہی بے پردائی دکھائی گئی جو بدر کے موقعہ پر انہوں نے دکھائی تھی مگر اس کے

لشکر کی صفیں بھٹ بھٹ جاتی تھیں جب اپنی خود کے ساتھ سرخ رومال باندھے ابو جہلہ ان پر حملہ کرتا تھا اور اس تلوار کے ساتھ حوا سے محمد (صلعم) نے دی تھی چاروں طرف گویا موت بکھرتا جاتا تھا۔ حمزہ اپنے سر پر شتر مرغ کے پروں کی کھنی لہراتا ہوا ہر جگہ نمایاں نظر آتا ہے۔ علی اپنے لیے اور سفید پھیرے کے ساتھ اور زبیر اپنی شوخ رنگ کی چمکتی ہوئی زرد پگڑی کے ساتھ بہادران الیڈ کی طرح جہاں بھی جاتے تھے دشمن کے واسطے موت و پریشانی کا پیغام اپنے ساتھ لے جاتے یہ وہ نظارے ہیں جہاں بعد کی اسلامی فتوحات کے ہیرو تربیت پذیر ہوئے۔

خالد بن ولید نے درہ کو خالی پا کر لشکر اسلام پر حملہ کر دیا۔ دوسری طرف سے عکرمہ نے بھی اپنے سواروں کے ساتھ دھاوا بول دیا۔ ابوسفیان جو میدان جنگ چھوڑ کر فرار ہو گیا تھا۔ وہ بھی اپنے اوپر لے کر ساتھ لے کر نئے جوش اور نئی ہمت سے حملہ آور ہوا۔ مسلمانوں پر یہ حملے اچانک ہوئے وہ اتنے بدحواس ہوئے کہ مسلمان مسلمان کے ہاتھ سے مارے گئے۔ اسی دوران میں مسلمانوں کے علم بردار حضرت مصعب بن عمیر شہید ہو گئے۔ آپ کی شکل کسی حد تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی تھی۔ یہ مشہور ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ اس خبر سے بہتوں نے بالکل ہمت ہار دی اس اذالفری اور اضطراب کی حالت میں صرف چند جاں نثار آپ کے پاس رہ گئے جن میں حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، حضرت علیؓ، سعدؓ، طلحہؓ، ابو عبیدہ، زبیرؓ، عبدالرحمنؓ اور ابو جہلہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ اچانک حضرت کعب بن مالک نے آپ کو پہچان لیا اور پکارا اٹھے "مسلمانو! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہیں" یہ سن کر چشم زدن میں ہر طرف سے جاں نثار کعب کی آواز کی جگہ آپہنچے۔ کفار نے بھی سارا زور اسی طرف لگا دیا اور صحابہ ایک ایک کر کے آپ کی حفاظت میں جان دے کر زمین پر گرتے جا رہے تھے کفار کے اسی حملہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بازو زخمی ہوا۔ عتبہ کے پتھر سے چار دانت شہید ہوئے عبداللہ بن تمیمہ کی تلوار کے حملہ سے خود کی دو کڑیاں چہرہ مبارک میں چبھ گئیں۔ چاروں طرف سے تلواریں اوتیر رہی رہے تھے۔ لیکن جاں نثاروں نے آپ کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ ابو جہلہ نے اپنی پیٹھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سپر بنا دی جو تیر آتے تھے وہ پیٹھ پر پڑتے تھے۔ حضرت طلحہؓ نے اپنے ہاتھ سے سپر کا کام لیا۔ ہاتھ پر تیر روکتے تھے۔ ہاتھ شل ہو گیا تھا۔ غرض کہ صحابہؓ نے اپنی دغا داری اور جاں نثاری کا ثبوت دے کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی۔ جب یہ حملہ کم ہوا تو رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) فوج کو لے کر پہاڑ پر چڑھ گئے اور سپاہیوں نے پتھر مار مار کر دشمنوں کو پرے دھکیل دیا اس معرکہ میں شتر صحابہؓ شہید ہوئے جن میں سے چار مہاجر تھے اور باقی مسلمانوں کا نقصان انصار تھے۔ لشکر مکہ کے ہلاک ہونے والوں کی تعداد بائیس تھی۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے اپنی آتش غضب بجھانے کے لئے جاہلیت کی دھیانہ و بہیمانہ خصلت سے کام لے



کہ مسلمانوں کی لاشوں میں سے ایک ایک کے کان اور ناک کٹوائے ان کے گلے کا ہار بنا کر پہنا حضرت  
جزہ کی لاش ڈھونڈی اور ان کا کلیجہ نکال کر چھایا۔

ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے میدان جنگ کو چھوڑ کر سیدھا مکہ کا  
قریش کا تعاقب | راستہ لیا۔ اسی دن کئی میل واپس لوٹ گئے۔ جب مقام روحا پر پہنچے تو

خیال آیا کہ کام ناتمام رہ گیا ہے اس لئے دوبارہ مدینہ پر جملہ کرنا چاہتے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ  
وسلم ستر صحابہ کی جماعت کے ساتھ قریش کے تعاقب میں نکلے۔ چنانچہ حمرأ الاسد تک جو مدینہ سے  
آٹھ میل ہے تشریف لے گئے۔ ابوسفیان کو خزاعہ کے ایک رئیس نے بتایا کہ مسلمان پورے ساز و سامان  
سے تعاقب کر رہے ہیں چنانچہ ابوسفیان خوف اور ڈر کے عالم میں مکہ چلا گیا۔

یہ کہنا کہ جنگ امد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی ہے تاریخی واقعات کی ناواقفیت  
فتح کس کی ہوئی | ہے۔ گویا لڑائی مسلمانوں کے لئے مصیبت تھی مگر قریش خائب و خاسر ہوئے

بھلا کسی نے آج تک سنایا پڑھا ہے کہ شکست خوردہ فوج میدان کارزار پر قابض رہے اور فاتح  
فوج کا تعاقب کرے اور فاتح فوج شکست خوردہ فوج کی آمد کی خبر سن کر بھاگ جائے۔  
حقیقت یہ ہے۔ گو اس معرکہ میں مسلمانوں کا جانی نقصان ہوا لیکن میدان مسلمانوں کے ہاتھ  
میں ہی رہا۔

احد کی جنگ فیصلہ کن نہ تھی۔ ابوسفیان نے میدان مار  
مسلمانوں کے نقصان کے اسباب | لیا ہوتا تو وہ یقینی طور پر مدینہ میں داخل ہو کر شہر میں

قبضہ کر لیتا لیکن اس نے تو عین میدان جنگ میں لڑائی سے ہاتھ کھینچ لئے اور بزم خویش فاتح بن کر  
واپس چلا گیا۔ دوسری طرف مسلمان اس جنگ میں مکمل فتح کا دعویٰ نہ کر سکتے تھے کیونکہ انہوں نے دشمن  
کو شکست نہ دی تھی۔ ان حالات میں ایک تیسری جنگ کے سوا چارہ کار نہ تھا تا کہ ایک مرتبہ پھر فریقین زور  
آزائی کے ذریعے دیکھ لیں کہ ان میں سے فاتح کون ہے؟ اور مفتوح کون؟ غالب کون ہے اور  
مغلوب کون؟

اس جنگ میں مسلمانوں کی جانب سے کوتاہیوں کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ آپ نے فیصلہ کیا تھا کہ ہمیں جنگ باہر کھلے میدان میں نہیں لڑنی چاہیے کیونکہ اس مرتبہ دشمن  
کی تعداد زیادہ ہوگی اس لئے اس کا مقابلہ آسان نہ ہوگا۔ لیکن زجرانوں کے اصرار پر آپ  
نے یہ فیصلہ بدل دیا اور مدینہ کے اندر رہ کر جنگ لڑنے کی بجائے احد کے میدان میں چلے  
گئے جنگ کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ کھلے میدان میں لڑائی فائدہ مند نہ رہی۔

۲۔ جبل عین پر تیرا نمازوں کے جس دستہ کو مقرر کیا گیا تھا وہ اپنے فرائض سے غافل ہو کر مورچہ

چھوڑ گیا اور یہی وہ مقام تھا جو اس جنگ کی کنجی تھی۔ ان تیر اندازوں کے وہاں سے ہٹنے کے بعد کفار نے اس پہاڑی پر قبضہ کر کے اہل مدینہ کے جنگی اہمیت کے مورچے پر قبضہ کر لیا۔

۳ - پہلے ریلے میں مسلمانوں کی پیش قدمی سے جب کفار اپنے آپ کو سنبھالانہ دے سکے تو مسلمان یہ سمجھے کہ ان کو شکست ہو گئی ہے۔ چنانچہ انہوں نے لڑائی سے ہاتھ کھینچ کر مال غنیمت سمیٹنا شروع کر دیا۔ ایک طرف مال غنیمت سمیٹنے میں مصروف ہوئے تو دوسری طرف کفار نے جنگ کا پانسہ بدلت دیا۔ اس افراتفری میں مسلمانوں کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔

۴ - آپ کی شہادت کی خبر کو تصدیق کے بغیر سچ مان لینے سے اسلامی فوج کے جو صلے پست ہو گئے اور خاص طور پر وہ لوگ جو صدق دل سے جنگ میں حصہ نہ لے رہے تھے۔ زیادہ بددلی کا اظہار کرنے لگے اور میدان جنگ سے بھاگ اٹھے۔ اس سے فوج انتشار کا شکار ہو گئی۔

۵ - آپ کے مدینہ سے نکل کر اُحد آنے کے دوران عبداللہ بن ابی اپنے ۳۰ سپاہیوں کو لے کر الگ ہو گیا۔ اس سے فوج کی لفری میں کمی واقع ہو گئی۔ ایک بڑے دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے یقینی طور پر اسلامی فوج کی تعداد زیادہ ہونی چاہیے تھی لیکن بعض سپاہی جنگ بدر میں اپنے سے زیادہ فوج کو شکست دینے کے سبب اپنی موجودہ طاقت کا غلط اندازہ لگا بیٹھے تھے۔

۶ - جنگ اُحد میں کثیر تعداد نو مسلموں کی تھی۔ ان میں نظم و ضبط کا وہ معیار نہ تھا جو بدری صحابہ میں تھا۔

۷ - خالد بن ولید کے اچانک حملے سے مسلمانوں کے حواس باختہ ہو گئے۔

۸ - حضرت حمزہؓ اور مصعب کی شہادت مسلمانوں کے لئے نقصان کا باعث بنی حضرت حمزہؓ شجاعت میں بے مثال تھے۔

۹ - رسول کریم صلعم کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔

## نتائج و اثرات

۱۔ قبائل کی معاندانہ سرگرمیاں | اہل مدینہ کو جنگ بدر میں جو کچھ حاصل ہوا تھا وہ جنگ اُحد میں اسے سے محروم ہو گئے۔ جو دبیر انہوں نے بدر میں قائم کیا تھا۔ وہ قبائل جو اسلامی حکومت مدینہ کے ڈر کے مارے خاموش ہو گئے تھے۔ اب اپنا سر نکالنے لگے۔ بعض اور قارہ دو قبائل آپ کے پاس آئے کہ تبلیغ کے لئے اپنے مبلغ ہمارے ساتھ بھیج دیجئے۔ آپ نے دس صحابہ کو جن کے سرورہ عاصم بن ثابت تھے ان کے ہمراہ کر دیا۔ لیکن انہوں نے راستہ میں ۸ کو شہید کر دیا، باقی دو کو مکہ لے جا کر شہید کر دیا گیا۔ اسی

طرح جنگ احد کے تقریباً چار ماہ بعد یوں ماہرین مالک آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی نجد میں تبلیغ اسلام کے لئے مبلغ روانہ کئے جائیں۔ آپ نے ہم صحابہ کا ایک وفد منذر بن عمرو انصاری کی سیادت میں روانہ کر دیا جب مسلمان مبلغین بزمعوزہ کے مقام پر پہنچے تو سب شہید کر دیئے گئے گویا اس طرح عرب قبائل نے دھوکہ اور فریب سے مسلمانوں کو تیغ کرنا شروع کر دیا اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ اب وہ سمجھتے تھے کہ مدینہ میں مسلمانوں کا قبضہ و اقتدار ختم ہو گیا ہے۔

۲۔ بنو نضیر کی جلا وطنی | یہودی قبائل کا رویہ شروع سے ہی منافقانہ تھا۔ جنگ بدر اور جنگ احد کے زمانہ میں ان یہودی قبائل نے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچایا اور جنگ احد کے بعد تو ان کے حوصلے اور بھی بلند ہو گئے چنانچہ انہیں ان کی بد عہدی کی عبرت ناک سزا دی گئی۔ بنو نضیر کو جلا وطن کر دیا گیا۔

۳۔ حب مان پر ضرب کاری | سود کو حرام قرار دے دیا گیا تاکہ مسلمانوں کے دل سے مال کی محبت نکل جائے عشر اور یسر دونوں حالتوں میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی تلقین کی گئی۔

۴۔ تربیت کی خامیوں کو دور کرنا | اطاعت رسول اور ایمر پر زور دیا گیا اور میدان جنگ سے فرار کرنے پر سخت تنبیہ کی گئی اور مزید آزمائشوں کے لئے مسلمانوں کو ذہنی طور پر تیار کیا گیا۔

۵۔ غزوہ خندق کا پیش خیمہ | اس لڑائی میں کفار کے حوصلے بلند ہو چکے تھے چنانچہ تین سال بعد اسلامی سلطنت کو روئے زمین سے نیست و نابود کرنے کے لئے مدینہ پر ایک بھرپور حملہ کیا۔ یہ حملہ "غزوہ خندق" کے نام سے مشہور ہے۔

۶۔ منافقین کا بے نقاب ہونا | غزوہ بدر میں کفار کو اہانت آمیز شکست کی وجہ سے منافقوں نے درپردہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے منصوبے بنائے لیکن جنگ احد میں مسلمانوں کے نقصان کی وجہ سے منافقین بے نقاب ہو گئے۔

## کفار کی بد عہدی کی دو مثالیں

رجح پر قاریوں کا قتل | ماہ صفر ۳۱ھ میں بنو عسئل اور قارہ کے سات آدمی مدینہ آئے اور آپ سے درخواست کی کہ ہمارے ساتھ چند مبلغ اسلام کو تعلیم سکھانے کے لئے بھیجیں۔ آپ نے دس صحابہ روانہ کئے۔ جب یہ لوگ رجح کے مقام پر پہنچے تو ان غداروں نے بد عہدی کی اور قبیلہ بنو عسئل کو پکارا۔ ان کے دو سو آدمیوں نے جن میں ایک سو تیر انداز تھے مسلمانوں کو گھیر لیا

ان لوگوں نے بڑھ کر ایک ٹیکری پر پناہ لی۔ تیر اندازوں نے ان سے کہا کہ اتر آؤ۔ ہم تم کو امن دیتے ہیں دو مسلمان حبیبؓ اور زیدؓ نیچے اتر آئے۔ انہیں گرفتار کر لیا۔ باقی سب نے لڑ کر تیر اندازوں کے ہاتھ سے جام شہادت نوش کیا۔ کفار نے زیدؓ بن وثنہ اور حبیبؓ بن عدی کو اہل مکہ کے ہاتھ میں فروخت کر دیا اہل مکہ نے ان کو مقتولین بدر کے انتقام میں قتل کر دیا۔ (بخاری مغزوہ ریح)

۲۔ واقعہ بدر معونہ  
ماہ سفر ۶ھ میں ابو براء عامر بن مالک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور درخواست کی کہ میری قوم میں دعوت اسلام کے لئے چند مبلغ بھیجیں۔ آپ نے مشرک صحابہ جن میں اکثر اصحاب صفہ تھے ابو براء کے ساتھ بھیجے جب یہ لوگ علاقہ بنو عامر اور حوہ بنو سلیم کے درمیان بدر معونہ پہنچے تو بنو سلیم کے قبائل کے ایک مبلغ لشکر نے ان پر حملہ کر دیا۔ سب کو شہید کر دیا۔ صرف ایک صحابی عمرو بن امیہ بچ کر واپس مدینہ آئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔ آپ کو اس قدر صدمہ ہوا کہ تمام عمر باغی صدمہ نہیں ہوا۔

## جنگِ احزاب (جنگِ خندق)

(۶۲۷ھ)

وجہ تسمیہ  
احزاب حزب کی جمع ہے۔ احزاب کے معنی گروہ کے ہیں چونکہ اس جنگ میں عرب کے مختلف قبائل نے اسلام کے خلاف لڑائی لڑی تھی۔ اس وجہ سے اس جنگ کو غزوہ احزاب کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں نے مدینہ کی مدافعت کے لئے خندق کھودی تھی۔ اس وجہ سے اس کا ایک نام غزوہ خندق بھی ہے۔

اسباب :-

۱۔ قریش اپنے آپ کو طاقت ور سمجھتے ہوئے بھی مسلمانوں کو کسی جنگ میں بھی نیچا نہ دکھاسکے اس وجہ سے ہر لڑائی میں ان کی تیاری پہلی لڑائی کی نسبت زیادہ ہوتی۔ جنگ بدر میں فوج کی تعداد ایک ہزار تھی تو جنگ احد میں تین ہزار۔ جنگ خندق میں ایک روایت کے مطابق چوبیس ہزار ہیں اس لڑائی کا سبب بھی پہلے غزوات کی طرح اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹانا تھا۔

۲۔ جنگ احد میں مسلمانوں کا زیادہ نقصان ہو جانے کی وجہ سے دشمن قبائل کے حوصلے بڑھ گئے اس وجہ سے مسلمانوں کی طاقت کو ختم کر دینے کے لئے ایک مشرک نصب العین بنایا جو جنگ احزاب کی شکل میں تعمیر ہوا۔

۳۔ مدینہ سے یہود کے دو قبائل بنو قینقاع اور بنو نضیر جلا وطن کئے جا چکے تھے اور یہ لوگ خیبر اور سرحدات شام پر آباد ہو چکے تھے۔ انہوں نے بھی مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے قریش سے

علی کو منصوبہ تیار کیا جو جنگ احزاب کی شکل میں ظاہر ہوا۔

۴۔ جنگ احد سے واپسی پر اوسنیان نے مسلمانوں کو بدر ثانیہ کا چیلنج دیا تھا۔ لگے سال جب وہ

میدان میں آیا تو مسلمانوں کو دیکھ کر بھاگ گیا۔ اپنی ناکامی کا بدلہ پوری طرح لینا چاہتا تھا۔

۵۔ اس جنگ کی وجہ دوسری جنگوں کی طرح ایک یہ بھی تھی کہ کفار اپنے اپنے میں اپنی رسوم اور

بت پرستی کا طلسم اسلام کے سامنے ٹوٹتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ اس وجہ سے ان کے غیظ و

غضب کی آگ کا الاؤ کم نہیں ہوتا تھا۔

۶۔ قریش کے سامنے جب سے زیادہ تشویش ناک چیز ان کی اقتصادی ناکہ بندی تھی۔ جنگ بدر

کے بعد ملک شام کا راستہ مکہ کے تجارتی قافلوں کے لئے بند ہو گیا جنگ احد کے بعد نجد

اور دومتہ الجندل تک اسلام کا اثر بڑھ جانے کی وجہ مکہ کے تجارتی قافلوں کے لئے عراق کا

راستہ بھی مسدود ہو گیا۔

۷۔ جنگ احد کے بعد مختلف قبائل دشمن اسلام نے مسلمانوں کی مخالفت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا شروع کر دیا

اس سلسلہ میں غزوات ذات الرقاع۔ دومتہ الجندل غزوہ بیسح پیش آئے۔ جس میں مسلمانوں کو

کامرانی ہوئی۔ آخر کار کفار نے متحد ہو کر سلام کے خلاف لشکر کشی کی۔

۸۔ کفار غزوہ احد کو بغیر کسی نتیجہ پر چھوڑ گئے تھے اس لئے مدینہ پر حملہ کرنے کی زبردست

تیاریاں شروع کر دیں۔

۹۔ مدینہ کے بدوی قبائل کا گزر ان لوٹ مار غصب و نہیب پر تھا۔ رسول کریم نے کئی بار ان کو

ننوا دی تھی۔ چنانچہ بدوی قبائل نے کفار مکہ کو مسلمانوں کے خلاف ابھارا۔

بنو نضیر اور بنو وائل کے روسا مکہ پہنچے اور کہا اگر ہمارا ساتھ دو تو اسلام کا

**غنیم کی جنگی تیاریاں** | استیصال کیا جاسکتا ہے۔ قریش اس کے لئے تو پہلے سے ہی تیار تھے۔

انہوں نے بڑھ چڑھ کر سیم و زر مصارت جنگ کے لئے دیا۔ قریش کو آمادہ کر کے یہ لوگ قبیلہ غطفان

کے پاس گئے ان کو لایچ دیا کہ ایک سال کا پورا نفقہ کھجور کی صورت میں دیا جائے گا۔ بنو اسد قبیلہ

غطفان کے حلیف تھے۔ ان کو بھی لڑائی کے لئے آمادہ کر لیا گیا۔ بنو سعد کا قبیلہ یہود کا حلیف تھا۔ اس

بنا پر ان کو بھی تیار کر لیا گیا۔ قریش کی قرابت داری قبیلہ بنو سلیم سے تھی۔ انہوں نے بھی ساتھ دیا ان کے

علاوہ بنو مرہ۔ بنو فزارہ۔ اشجع نے بھی شریک جنگ ہونے کا وعدہ کیا۔

تمام قبائل کی فوج کی تعداد براویات مختلفہ کم سے کم دس ہزار اور زیادہ سے زیادہ چوبیس ہزار

تھی۔ یہ تمام لشکر تین حصوں پر مشتمل تھا۔ قریش کی فوج، اس کا سپہ سالار ابوسفیان تھا۔ غطفان کی فوج

اس کی کمان عیینہ بن حصن فزاری کے ہاتھ میں تھی۔ بنو اسد کی فوج کا قائد طلحہ تھا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر سنی تو صحابہ سے مشورہ کیا تو حضرت سلمان فارسی نے یہ مشورہ دیا کہ غیر محفوظ حصے کے گرد خندق کھودی جائے آپ نے اس رائے کو بہت پسند کیا۔ شہر کے جنوب میں باغوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ مشرق میں بنو قریظہ کے سینکڑوں مکانات اور باغات تھے۔ صرف شمال کی سمت ہی سب سے زیادہ خطرناک تھی اور ایک حد تک مغربی طرف بھی۔ اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شمال میں حرہ شرقی اور حرہ غربی کو ملائی ہوئی ایک خندق کھدوائی۔ جو نیم دائرہ بناتی ہوئی جبل سلح کے مغربی کنارے سے آملی۔ پھر مختلف قبائل نے اپنے محلوں کی حفاظت کے لئے اپنے طور پر اسے جنوب میں مسجد غمامہ کے مغرب سے گزارتے ہوئے کافی دور تک تبا کے رخ میں بڑھا دیا۔ یہ خندق پندرہ فٹ گہری اور پندرہ فٹ چوڑی تھی۔

اس کھدوائی میں تین ہزار مسلمانوں نے کام کیا۔ آپ نے ہر دس آدمیوں پر دس گز خندق کی کھدائی لگائی۔ رسول کریم نے خود بھی ایک دستے میں شامل ہو کر کام کیا۔ یہ کھدائی بیس دن تک مکمل ہوئی۔ اس خندق کی کھدائی میں ایک پتھر آگیا جو کسی کی ضرب سے ٹوٹا نہیں تھا۔ آپ نے خود خندق میں آ کر اس پتھر پر ضربات ماریں۔ ہر ضرب پر صحابہ کو یہ خوشخبری سنائی کہ مسلمان شام۔ ایران اور یمن کو فتح کریں گے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کو محفوظ کر لیا۔

### عورتوں اور بچوں کی حفاظت

بھیج دیا چونکہ بنو قریظہ کے حملے کا خطرہ تھا۔ اس لئے دو سو قبائل کو حضرت سلیم بن اسلم کی سرکردگی میں متعین کر دیا۔ جب خندق مکمل ہو گئی تو آپ نے پوری فوج کے ساتھ جبل سلح پر پڑاؤ لگا کر مقیم ہو گئے۔ آپ کا خیمہ جبل سلح کے ایک اہم مگر محفوظ مقام پر نصب تھا۔ ابوسفیان بھی چوبیس ہزار کاشکر لے کر مدینہ آن پہنچا۔ غیر متوقع خندق کو دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ آخر کار مدینہ کا محاصرہ کر لیا۔ ابوسفیان کا خیال تھا کہ مسلمان شہر میں رسد اور خوراک کی قلت کی وجہ سے خود ہی ہتھیار ڈال دیں گے۔ لیکن مسلمان کب ناقوں سے ڈر کر پرچم اسلام کا نیچا ہونا گوارا کر سکتے تھے۔ مسلمانوں کی ٹولیاں باری باری خندق کی پاسبانی کرتی تھیں۔ خندق کی دوسری طرف دشمن کے سوار غفلت کی تلاش میں رہے بعض لوگ خندق کھودنے کی کوشش میں اس میں گرے اور جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔

حی بن اخطب بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا اور اس کو عہد شکنی پر تیار کر لیا۔ نیز کعب نے حی بن اخطب سے یہ شرط کی کہ اگر وہ

### بنو قریظہ کی بد عہدی

مسلمانوں کے خلاف کامیاب نہ ہو سکیں تو وہ بھی ان کے ساتھ قلعہ بند ہو جائے گا۔ تاکہ جو سزا انہیں ملے اسے بھی مل کر رہے۔ اس نے یہ شرط قبول کر لی۔

یہود نے عورتوں اور بچوں پر حملہ کرنے کی سازش کی اور ایک آدمی کو حالات دریافت کرنے

کے لئے بھیجا۔ رسول کریم صلعم کی پھوپھی حضرت صفیہ نے اسے دیکھ لیا اور لاکھٹی لے کر... اس کا  
 رچھوڑ دیا۔ اس کے بعد انہوں نے اس کی لاش کو پہاڑ کے نیچے لٹھکا دیا۔ اس سے یہود ڈر گئے  
 وراہوں نے خیال کیا کہ گڑھیوں میں مسلمانوں کی فوج موجود ہے۔

**لڑائی** کفار کی طرف سے حملہ کا یہ انتظام کیا گیا کہ ابوسفیان، خالد بن ولید، عمرو بن العاص، ضرار  
 بن الخطاب اور ہبیرہ کا ایک ایک دن لڑائی کے لئے مقرر تھا۔ وہ اپنی اپنی باری پر خندق  
 کے دوسری طرف تیرا اور پھر برساتے۔ اس طریقے سے خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا۔ پھر مشورہ سے یہ طے پایا کہ  
 ب عام حملہ کیا جائے۔ تمام لشکر کفار ایک جگہ جمع ہو گیا۔ ایک جگہ سے خندق کم چوڑی تھی۔ اس جگہ سے  
 ہار، ہبیرہ، نوفل، عمرو بن عبدود اور عکرمہ خندق عبور کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ سب سے پہلے عمرو بن  
 عبدود نے مبارزت طلب کی۔ حضرت علیؑ نے بڑھ کر ایک ہی وار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ ضرار اور  
 ہبیرہ عکرمہ اور نوفل بھاگ نکلے۔ نوفل بھاگتے ہوئے خندق میں گر پڑا اور وہیں مر گیا۔ حملہ کا یہ دن بہت سخت  
 تھا۔ تمام دن لڑائی جاری رہی۔ کفار ہر طرف سے تیرا اور پتھروں کا منہ برساتے رہے۔

شہر میں رسد کی کمی کی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کئی کئی دن کے فاقے گزرے بنو نضیر کی  
 عہدی اور صحابہ کی فاقوں کی وجہ سے شکستہ حالی دیکھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن عبادہؓ  
 اور حضرت سعد بن معاذؓ جو روسائے انصار تھے۔ بلا کر مشورہ کیا۔ غطفان سے مدینہ کی پیدوار کے ایک  
 لٹ پر معاہدہ کر لیں۔ دونوں نے عرض کی یا رسول اللہ اگر خدا کا حکم ہے تو انکار کی مجال نہیں۔ اگر رائے  
 ہے تو گزارش ہے کہ کفر کی حالت میں بھی ہم نے کبھی خراج نہیں دیا۔ اب ہم ان سے دب نہیں سکتے۔  
 جو کچھ بھی ہو ہم لڑائی کریں گے۔ حضرت سعدؓ نے معاہدہ کا کاغذ لے کر تمام عبارت مٹا دی۔

جوں جوں محاصرہ طول پکڑتا جا رہا تھا۔ محاصرین کے پائے استقلال میں لغزش آرہی تھی۔ اسی  
 7  
 ہشٹائیں شوال کا مہینہ بھی ختم ہو چلا۔ اور ذیقعدہ قریب آ گیا۔ جس میں قریش مذیبا لڑائی نہیں  
 کر سکتے تھے۔ فتح کے امکانات بھی یہود کی عدم معاونت کی وجہ سے ختم ہو گئے تھے۔ موسم بھی  
 خراب آ گیا تھا۔ بارش۔ آندھی۔ سردی اور قلت رسد وغیرہ سے محاصرین تنگ آ گئے  
 آخر بزارہ ہو کر ابوسفیان اپنے ساتھیوں کے ساتھ مکہ روانہ ہو گیا۔ اس پر دوسرے قبائل بھی  
 یکے بعد دیگر چلتے بنے

### محاصرہ کی ناکامی کے اسباب

- ۱۔ کفار کی ناکامی کی وجہ خندق کی کھدائی تھی۔ دشمن اپنی پوری طاقت کے ساتھ خندق کو عبور  
 نہیں کر سکتا۔ جو کوئی عبور کرتا۔ وہ مسلمانوں کی تلوار کا لقمہ بن جاتا۔
- ۲۔ محاصرہ کے طویل ہو جانے کی وجہ سے کفار کا رسد ختم ہو گیا تھا۔ مزید رسد نہ کرنا مشکل تھا۔ اس

وجہ سے کفار محاصرہ کو مزید طویل نہیں دے سکتے تھے۔ تنگ آکر محاصرہ اٹھایا۔

۳ - کفار کے لشکر میں مختلف قبائل شامل تھے۔ ان میں یک رنگی اور یک جہتی۔ اتحاد فکر و عمل برقرار نہ رہ سکا اور ان میں بد اعتمادی اور منافرت پھیل گئی۔

۴ - موسم کی خرابی اور شدت کی سردی نے کفار کی رہی سہی بہت کو بھی بالکل پست کر دیا۔

۵ - مسلمانوں نے خندق کی حفاظت میں پوری جانفشانی، عزم اور استقلال سے کام لیا، عزت کی صورت کو ذلت کی زندگی پر ترجیح دی۔

۶ - قریش کی واپسی کا ایک سبب حرمت والے مہینوں کی آمد تھی۔ جن میں عرب کے قدیم دستور کے مطابق جنگ کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔

## جنگ احزاب کے نتائج و اثرات

۱ - بیس مورخوں نے غزوہ احزاب کو دنیا کی مشہور ترین لڑائیوں میں شمار کیا ہے۔ کفار مکہ کی ناکامی سے مسلمانوں کا وقار بہت بڑھ گیا۔

۲ - اسلام کو ٹانے کے لئے کفار کی یہ آخری متحد کوشش تھی۔ جب وہ متحدہ طاقت کے باوجود بھی اسلام کو کوئی زک نہ پہنچا سکے۔ بلکہ کفار اپنے ارادہ میں ناکام ہو گئے تو مسلمانوں کی طاقت کی دھاک تمام عرب پر بیٹھ گئی۔ اسلام سرعت کے ساتھ عرب میں پھیلنے لگا اور جاہلیت کی رسوم مٹنی شروع ہو گئیں۔

۳ - اس جنگ کے بعد مدینہ منورہ یہودی قبائل سے خالی ہو گیا۔ بنو قریظہ آخری یہودی قبیلہ مدینہ میں رہ گیا تھا۔ وہ بھی غداری کی وجہ سے بلا وطن کر دیا گیا۔

۴ - مکہ پر اقتصادی دباؤ بہت بڑھ گیا۔ مسلمانوں نے تجارتی شاہراہوں کی سختی کے ساتھ ناکہ بندی کر دی۔ قریش کا عرب میں بھرم کھل گیا۔ میدان جنگ میں سب سے پہلے ابوسفیان بھاگا۔

۵ - اس جنگ کے بعد کفار کے جو صلے پست ہو گئے۔ اتنی جرأت نہ رہی کہ وہ دوبارہ مدینہ پر حملہ کریں۔ اس کے بعد مسلمانوں کی طاقت بڑھ گئی اور مسلمانوں نے اپنی طاقت سے فتح مکہ کیا۔

۶ - اس جنگ نے مسلمانوں کو چند جنگی اصول دیئے ایک یہ کہ مسلمانوں کو وقت کے تقاضا کے مطابق جنگی طریقے اختیار کرنے چاہئیں۔ دوم۔ ملکی اور قومی معاملات میں مشاورت ضروری ہے۔ سوم۔ برسر پیکار قوم کے خلاف جنگی چالیں جائز نہیں۔

۷ - اس جنگ سے مسلمانوں کی تنظیمی برتری مسلم ہو گئی۔ جس نے مسلمانوں کو ہر جنگ میں کامیابی سے ہمکنار کیا تھا۔



## یہودیوں اور مسلمانوں کے تعلقات

یہود اپنی کتاب تورات کی رو سے ایک بنی کے منتظر تھے جس کا ظہور عرب میں ہونے والا تھا جیسا  
موسے کی پانچویں کتاب استثنائیں میں لکھا ہے۔

”میں ان کے لئے ان کے بھائیوں سے تجھے سا ایک بنی برپا کر دوں گا اور اپنا کلام اس کے منہ  
ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے کہوں گا وہ سب ان سے کہے گا اور ایسا ہو گا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں  
میرا نام لے کر کہے گا وہ نہ سنے گا تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا۔“

ان آیات میں مثیل موسے کی پیش گوئی کی گئی ہے۔ بتایا گیا ہے۔ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے  
بنی موسے علیہ السلام کا مثیل آئے گا جو اس کی مخالفت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کا محاسبہ کرے گا۔  
بنی اسماعیل میں سے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ نبوت کیا اور مثیل موسے ہونے کا دعویٰ کیا۔  
یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے۔

یعنی ہم نے تمہاری طرف ایسا رسول بھیجا ہے۔  
سا کہ فرعون کی طرف بھیجا۔ تورات میں پیشین گوئی ہے۔

خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار  
سیلوں کے ساتھ آیا اور اس کے دلہنے ہاتھ ایک آتش شریعت ان کے لئے ہوئی۔ (استثنائیں ۱۲:۳۳)  
سینا سے آنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہے شعیر سے جس کے پاس بیت لحم اور ناصروہ ہے  
ع کا ظہور ہوا ہے۔

فاران سے جلوہ گر ہونے سے مراد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہے اور دس ہزار قدوسیوں  
سے مراد وہ فتح عظیم ہے جب آپ دس ہزار مقدس نفوس کو لے کر مکہ میں فاتحانہ رنگ میں  
مخل ہوئے۔

ابن ہشام میں ایک روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کچھ عرصہ پہلے ابن ایسیان نامی  
یہودی عراق سے ترک سکونت کر کے مدینہ میں آباد ہو گیا تھا۔ وہ اپنے تقدس کی وجہ سے اپنے  
مذہبوں میں بہت بلند مقام رکھتا تھا۔ جب مرنے لگا تو اس نے یہودیوں کو بلا کر کہا کہ میں عراق کی  
بزرگ اور زرخیز زمین صرف اس وجہ سے چھوڑ کر آیا تھا کہ بنی آخر الزمان کے ظہور کا وقت آچکا ہے اور  
میں آئے گا اس کی زیارت سے پہلے موت کی آغوش میں ابدی بند سوراہوں۔

یہ روایت ظاہر کرتی ہے۔ مدینہ میں یہودی قبائل کی آبادی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کی کتاب میں  
پیش گوئی تھی کہ بنی آخر الزمان عرب میں ظاہر ہونے والا ہے۔

مدینہ میں تین قبیلے بنو قینقاع - بنو نضیر - بنو قریظہ آباد تھے۔ یہ عموماً زمیندار تجارت پیشہ اور صنایع تھے۔ یہودی کاروبار کرتے تھے اور انصاران کے مقروض رہتے تھے علمی لحاظ سے بھی انصار پر فوقیت رکھتے تھے۔ اور اپنے آپ کو زیادہ مہذب اور شائستہ سمجھتے تھے۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو آپ نے ایک معاہدہ کیا۔ جس میں یہودی بھی شامل تھے۔ یہ معاہدہ یشاق مدینہ کے نام سے مشہور ہے اس معاہدہ کی بنیاد مذہبی آزادی۔ باہمی اتحاد اور مدینہ کے مشترکہ دفاع پر رکھی گئی تھی۔

## یہودی مخالفت اور معاہدہ توڑنے کے اسباب

- ۱ - اسلام نے یہودیت کی اشاعت کو بالکل ختم کر دیا اور لوگوں کو توجہ کا مرکز صرف اسلام بن گیا اس مذہبی تعصب کی وجہ سے یہود مسلمانوں کے دشمن بن گئے۔
- ۲ - دولت اور ثروت کی فراوانی کی وجہ سے یہود اخلاق شنیعہ میں مبتلا ہو گئے۔ دوچار روپے کے زیور کے بدلے بچوں کو پتھر سے مار دیتے تھے۔ قرضہ کی کفالت میں بچوں اور عورتوں کو بہن رکھواتے تھے۔ امرا کو زنا اور بدکاری کی سزا نہیں دی جاسکتی تھی۔ ایک دفعہ رسول کریم صلعم نے ایک یہودی سے دریافت کیا۔ کیا تمہاری شریعت میں زنا کی سزا درہ مارنا ہے اس نے کہا نہیں بلکہ سنگسار کرنا ہے۔ لیکن ہمارے امرا اس مرض میں مبتلا ہیں اس وجہ سے جب وہ پکڑے جاتے ہیں تو ہم ان کو چھوڑ دیتے ہیں۔ البتہ عام آدمیوں کو یہ سزا دی جاتی ہے۔ بالآخر یہ تیار بنایا کہ سنگسار کرنے کی سزا درہ مارنے میں بدل دی جائے۔
- اسلام اس قسم کی تمام برائیاں معاشرہ سے ختم کرنے کے لئے آیا تھا اور قانون کی نظر میں ہر امر غریب سب برابر تھے اس وجہ سے یہ ضروری تھا کہ یہ لوگ اسلام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے تاکہ ان کی بد اخلاقیوں کی پردہ درسی نہ ہو۔

- ۳ - یہود صرف اخلاقی گراؤٹ سے ہی دوچار نہیں تھے بلکہ غلط عقائد کو بھی اپنایا تھا۔ عیسائیوں کے نقش قدم پر چل کر حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا بنا لیا تھا۔ اسلام خالص توحید کا مذہب تھا اور شرک کا شدید مخالف۔ اسلام نے یہود کے باطل عقائد کی غیر مبہم الفاظ میں تردید کی۔ اس وجہ سے لوگ اسلام کے مخالف بن گئے۔

- ۴ - اوس اور خزرج اسلام قبول کرنے سے قبل باہمی اختلاف اور انتشار میں مبتلا تھے۔ اسلام نے ان کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح بنا دیا۔ اس اتحاد کی وجہ سے اوس اور خزرج یہودی اقتصادی غلام بن گئے۔ اس نجات کی وجہ سے یہودیوں کے دل حسد اور بغض کی آگ سے جلنے لگے۔



۱۲۔ یہود مدینہ قریش مکہ سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے جب جنگوں میں قریش کے سردار مارے تو انہیں تکلیف ہوئی۔ کفار مکہ سے ساز باز شروع کر دی۔

## بنو قینقاع کا اخراج شوال ۲ھ

بنو قینقاع نے سب سے پہلے عہد شکنی اور مسلمانوں کے خلاف صف آرائی کی۔ یہ قبیلہ اپنی دولت اور بہادری کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ لڑائی کا سبب یہ ہے ایک مسلمان عورت بنو قینقاع کے بازار گئی۔ ایک یہودی نے شرارت سے اس کی بے حرمتی کی۔ مسلمان عورت نے وادیا شروع کر دیا۔ ایک مسلمان دیکھ کر آگے بڑھا اور اپنی تلوار سے یہودی کا سر قلم کر دیا۔ یہودیوں نے اس مسلمان کو ہمیشہ کے لئے موت کی آغوش میں سلادیا۔

رسول کریم صلعم نے یہود سے جواب طلب کیا تو انہوں نے کہا کہ ہم کو قریش نہ سمجھنا۔ ہم سے معرکہ ہوا تو ہم تمہیں بتائیں گے کہ کس طرح لڑتے ہیں۔ یہ حکم کھلا اعلان جنگ تھا۔ رسول کریم صلعم نے ان کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہودی قلعہ بند ہو گئے اور مسلمانوں نے باہر سے ان کی رسد بند کر دی۔ یہودی پندرہ دن کے سخت محاصرہ کے بعد اطاعت پر آمادہ ہو گئے۔ آپ نے فرمایا مدینہ چھوڑ دو چنانچہ وہ مدینہ چھوڑ کر کچھ عرصہ وادی القریٰ میں مقیم رہے۔ مگر یہاں سے آذرعات نام بستی میں جو شام کے علاقہ میں منتقل ہو گئے۔

## قتل کعب بن اشرف ربیع الاول ۳ھ

کعب بن اشرف ایک مشہور قادر الکلام شاعر تھا۔ یہود... کا رئیس اعظم تھا۔ جب جنگ بدر میں قریش کے روسا کھیت ہونے تو وہ تعزیت کے لئے مکہ گیا۔ پُرزور مرثیے کہے۔ قریش کو خوب رلایا ان کو بدلہ لینے کے لئے برا لکھتے کیا۔ دوسرے قبائل کو بھی اسلام کے خلاف اکساتا رہا۔ رسول کریم صلعم کی ازواج مطہرات اور مسلمان خواتین کے خلاف ہجوئیں کہیں۔ صرف اسی پر اکتفا نہ کیا۔ بلکہ مدینہ لوٹ کر رسول کریم صلعم کو چپکے سے قتل کر دینے کا قصد کیا۔ یہ وہ امور ہیں جن پر چشم پوشی سے کام نہیں لیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ روسا اوس نے باہم مشورہ کیا اور رسول کریم صلعم کی اجازت سے محمد بن مسلمہ انصاری کے کعب بن اشرف کو قتل کر دیا۔

## بنو نضیر کا اخراج ربیع الاول ۴ھ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنو عامر کے مقتولین کے خون بہا کے متعلق گفتگو کرنے کے لئے بنو نضیر کے پاس گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے محلہ میں دیکھ کر کعب بن اشرف کے قتل کا زخم بھرا پانچ

مرغنے مجلس سے اٹھ کر فریب سے قتل کرنے کے منصوبے گھڑنے لگے۔ چنانچہ یہ سازش کی کہ ایک شخص بالا خانہ پر چڑھ کر رسول کریم صلعم پر پتھر گرا دے۔ عمرو بن حجابش یہودی اس ارادہ سے کھٹے پر چڑھا تو رسول کریم صلعم کو اس سازش کا علم ہو گیا۔ آپ فوراً واپس تشریف لے آئے۔ آنحضرت نے پرلے معاہدہ کی تجدید کرنا چاہی۔ بنو قریظہ نے تجدید کر دی۔ مگر بنو نضیر نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد رسول کریم کو اپنے علماء سے مباحثہ کے لئے بلا کر قتل کرنے کی دوبارہ سازش کی۔ رسول کریم صلعم باوجود ان کی جھٹ باطنی کو جانتے ہوئے اتمام حجت کے لئے بنو نضیر کی طرف گئے۔ راستہ میں آپ کو علم ہوا کہ یہودی میانون سے تلواریں سونت کر کھڑے ہیں۔ رسول کریم صلعم نے اسی وقت محمد بن مسلمہ کے ذریعہ یہ پیغام بھیجا کہ ہمارے شہر سے نکل جاؤ کیونکہ تم نے عہد شکنی کی ہے ورنہ دس روز کے بعد تم میں سے جو شخص بھی مدینہ میں دیکھا گیا اس کو قتل کر دیا جائے گا۔

عبداللہ بن ابی نے یہود کو کہلا بھیجا کہ گھر بار چھوڑ کر چلے نہ جانا۔ بلکہ بہت مستقل مزاجی اور ثابت قدمی سے اپنے قلعوں میں رہنا۔ دو ہزار آدمی لے کر تمہاری اعانت کروں گا۔

حی بن اخطب رئیس بنو نضیر نے رسول کریم صلعم کو کہلا بھیجا کہ ہم شہر کو کسی صورت میں بھی خانی نہیں کریں گے۔ یہ کہلا بھیجنے کے بعد انہوں نے قلعہ بندی کی تیاری شروع کر دی اور محاصرین پر پتھر اود کرنے کے لئے چھتوں پر پتھر جمع کر لئے۔ اور ایشیا خوردنی سے ان کے گھر بھرے پڑے تھے جو ایک سال کے لئے کافی تھیں۔

اس حکم کھلے اعلان جنگ کے بعد رسول کریم صلعم نے بنو نضیر کا محاصرہ کر لیا۔ یہودی پندرہ دن تک قلعہ بند رہے۔ جب بنو نضیر نے مقابلہ کی تاب نہ پائی اور نہ ہی رئیس المناضیق عبداللہ بن ابی کی مدد پہنچی تو اس بات پر راضی ہو گئے کہ وہ مدینہ کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور ان کو مال و اسباب اونٹوں پر لے جانے کی اجازت ہو۔

چنانچہ اپنی ذلت و رسوائی کو چھپانے کے لئے بڑی ٹھاٹھ باٹھ اور شابانہ طریقے سے مدینہ سے نکلے اور خیبر میں جا کر آباد ہو گئے۔

## بنو قریظہ کا خاتمہ

یہودیوں کے اس قبیلہ نے جنگ اتراب میں معاہدہ کی کھلم کھلا خلاف ورزی کی اور دشمنوں کا ساتھ دیا اور قبائل عرب کو مسلمانوں کے خلاف ابھارا۔ ان قلعوں پر حملہ کرنا چاہا جہاں عورتیں پناہ گزین تھیں۔ یہ قریظہ کی طرف سے جنگ میں عملی شرکت کا اعلان تھا۔ جب کفار کا لشکر واپس پلا گیا تو رسول کریم صلعم نے بنو قریظہ کا محاصرہ کر لیا۔ ایک مہینہ کے بعد بنو قریظہ نے ہتھیار ڈال دیئے۔ یہود نے

حضرت سعد بن معاذ کو فیصلہ کے لئے حکم منتخب کیا۔ حضرت سعد نے توریت کے مطابق یہ فیصلہ کیا کہ  
والے قتل کر دیئے جائیں۔ عورتیں اور بچے گرفتار کر لئے جائیں اور ان کا مال و اسباب مال غنیمت سمجھ  
جائے۔ اس فیصلہ کی رو سے چار سو یہودی قتل کئے گئے۔

مخالفین اسلام نے حضرت سعد بن معاذؓ کے فیصلہ کو رسول کریم صلعم کی سنگ دلی پر ممول کیا ہے  
اگر منصفانہ نظر سے واقعات کا مطالعہ کیا جائے تو حقیقت آشکار ہو جاتی ہے۔

۱۔ آنحضرت صلعم نے ان سے دوستانہ معاہدہ کیا تھا جس میں جان و مال کی حفاظت اور مذہب کی  
آزادی کا اقرار کیا گیا تھا یہود نے عہد شکنی کر کے مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے قریش کے  
ساتھ سازش کر لی اور جنگ احزاب میں عملاً حصہ لیا۔

۲۔ جنگ احزاب میں ان قلعوں پر حملہ کرنا چاہا جس میں عورتیں پناہ گزین تھیں۔

۳۔ یہ فیصلہ ان کی شریعت کے مطابق تھا اور یہود خود بھی اپنے دشمنوں سے جنگ میں یہی سلوک کرتے تھے

۴۔ حضرت سعد بن معاذ کو خود یہود نے ہی منصف مانا تھا۔

۵۔ اگر یہ لوگ نبی کریم صلعم کے فیصلہ پر راضی ہو جاتے تو آپ ان سے وہی سلوک کرتے جو ان سے پہلے  
بنو قینقاع اور بنو نضیر سے کیا تھا۔ یعنی ان کو جلا وطن کر دیئے۔

اس تہذیب کے زمانہ میں اگر کوئی قوم غزاری اور عہد شکنی کا ارتکاب کرتی ہے تو اس سے نرم  
سلوک نہیں کیا جاتا۔ بلکہ ایسی سزائیں دی جاتی ہیں جن سے دوسرے عبرت حاصل کریں۔

## صلح حدیبیہ و بیعت رضوان

جنگ احزاب پر قریباً ایک سال کی مدت گزر گئی۔ موسم حج قریب آ گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ  
وسلم نے روایا میں دیکھا کہ آپ اپنے صحابہ کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں۔ اس روایا کے پیش نظر  
آپ نے بیت اللہ کی زیارت کا اعلان فرما دیا۔ صحابہ پہلے ہی سے اس سعید گھڑی کے منتظر تھے۔ ان کی  
ارواح بیت اللہ کی زیارت کے لئے تڑپتی تھیں۔

اس گھڑی تعظیم سب کو تسلیم تھی اور ہمیشہ سے حج کے مناسک ادا ہوتے چلے آ رہے تھے۔ حج  
کے ایام میں لڑائیوں کو بھی ملتوی کر دیا جاتا تھا۔ وہ تباہی جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوتے تھے  
ایک میدان میں نظر آتے تھے خطرناک سے خطرناک دشمن کو بھی حج سے نہیں روکا جاتا تھا۔ اس وجہ سے  
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال تھا کہ قریش مکہ حج کرنے میں آپ کے مزاحم نہیں ہوں گے۔

آپ چودہ سو پاک باز مقدس صحابہ کے ساتھ ذی قعدہ ۱۰ھ میں عمرہ کے لئے عازم مکہ ہوئے۔ حضرت ام سلمہ بھی ساتھ تھیں۔ قربانی کے اونٹ بھی ساتھ

عمرہ کے لئے روانگی

تھے۔ حذرو احتیاط کے لئے آپ نے مکہ دیا کہ کوئی بھی جنگ کے ہتھیار اور سامان حرب ساتھ نہ لے۔ تاکہ قریش مزاحمت کا بہانہ نہ بنا لیں۔ صرف تلوار جو عرب کا ضروری اسلحہ تھا۔ ساتھ لی جائے۔ اس میں بھی، یہ شرط تھی کہ نیام میں بند ہو۔ جب آپ ذوالحلیفہ پہنچے جو اہل مدینہ کا میقات ہے۔ آپ نے احرام باندھا اور قربانیوں کو نشان لگائے۔

دوسری طرف جب قریش کو مسلمانوں کی آمد کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے مقابلہ کی تیاری شروع کر دی ایک خزاعی خبر رساں بسرن سفیان نے مقام عسفان میں آکر اطلاع دی کہ قریش نے ایک عظیم لشکر مقابلہ کے لئے جمع کر لیا ہے۔ وہ آپ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔

قریش نے دو سو سواروں کا ایک دستہ خالد بن ولید کی قیادت میں مسلمانوں کو روکنے کے لئے روانہ کیا۔ چونکہ رسول کریمؐ کا مقصد صرف عمرہ کرنا تھا۔ اس وجہ سے راستہ سے ہٹ کر آگے بڑھے اور حدیبیہ کے مقام پر قیام کیا۔ یہ قیام حرم مکہ کی حدود میں داخل تھا۔ اس وجہ سے لڑائی کا امکان باقی نہ رہا۔

گفت و شنید | قبیلہ خزاع کا رئیس اعظم بدیل بن ورقاچند آدمیوں کے ساتھ رسول کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی کہ قریش نے آپ کی مزاحمت کے لئے ایک عظیم لشکر جمع کر رکھا ہے۔ وہ آپ کو کعبہ میں جانے نہیں دیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ قریش سے کہہ دو کہ ہم عمرہ کے لئے آئے ہیں۔ جنگ کے ارادہ سے نہیں۔ جنگ نے ان کی حالت زار کر دی ہے۔ ان کے لئے بہتر یہی ہے کہ ایک مدت کے لئے ہمارے ساتھ معاہدہ کر لیں اور مجھ کو عرب کے ہاتھ میں چھوڑ دیں اس پر بھی وہ راضی نہیں تو اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میں یہاں تک لڑوں گا کہ میری گردن الگ ہو جائے اور خدا کو جو فیصلہ کرنا ہو کر دے۔ بدیل یہ پیغام لے کر قریش کے پاس گیا اور کہا میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس سے آیا ہوں۔ اجازت ہو تو کچھ کہوں چند قسم پر اذوں نے کہا کہ ہم کو محمد کے پیغام کے سننے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم ان کو بیت اللہ کی زیارت کے لئے نہیں آئے دیں گے۔ کچھ ہمیدہ لوگوں نے اجازت دی تو بدیل نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا۔ اس پر عروہ بن مسعود ثقفی نے کہا کہ یہ مناسب بات تمہارے سامنے پیش کی گئی ہے۔ اسے قبول کر لو۔ اور میں خود ان کے پاس سمجھوتہ کے لئے جاتا ہوں۔ چنانچہ آپ کے پاس آیا اور گفتگو کرنے لگا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بات بدیل سے کہی تھی وہ دہرائی۔ اس پر عروہ کہنے لگا "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عرض کر دو کہ تم نے قریش کو تباہ و برباد کر دیا تو کیا اس کی اور بھی مثال ہے کہ کسی نے اپنی قوم کو خود برباد کر دیا ہو اس کے سوا اگر لڑائی کا رخ بدل گیا تو تمہارے سامنے تمہیں چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ حضرت ابو بکرؓ کو اس بات پر غصہ آیا اور کہا "کیا ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟ عروہ نے پوچھا یہ کون ہے۔ آپ نے

فرمایا ابو بکر عروہ کہنے لگا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر مجھ پر تیرا احسان نہ ہوتا جس کا بدلہ میں نے ابھی تک نہیں اتارا تو تجھے جواب دیتا۔

عروہ پھر رسول کریم صلعم سے گفتگو کرنے لگا اور بار بار آپ کی ریش مبارک پر ہاتھ ڈالتا۔ حضرت میغرہ بن شعبہ نے ہتھیار لگاتے ہوئے پشت پر کھڑے تھے۔ اس جرأت کو پسند نہ کر سکے میغرہ نے توار کا دستہ ہاتھ پر مارا اور کہا اپنا ہاتھ ہٹا لے۔ ورنہ یہ ہاتھ واپس نہ جاسکے گا۔ عروہ نے پوچھا یہ کون ہے۔ جواب ملا میغرہ بن شعبہ عروہ نے کہا "اوسبے وفا کیا میں تیری دیت میں کوشش نہ کرتا تھا؟"

نماز کا وقت آگیا۔ رسول کریم صلعم نے وضو کیا صحابہ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ وضو کرتے تو وضو کا پانی زمین پر گرنے نہ پاتا تھا۔ عقیدت کیش اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مل لیتے تھے۔ عروہ پر اس حیرت انگیز عقیدت نے عجیب اثر کیا۔ بات تو کوئی طے نہ ہوئی۔ وہ قریش کے پاس گیا اور کہا کہ "میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں۔ وہاں بھی وہ عشق۔ عقیدت اور وارفتگی کی کیفیت نہیں ہوتی جو محمد کی مجلس میں ہے۔"

اس کے بعد رسول کریم صلعم نے حضرت خراش بن امیہ کو مکہ بھیجا۔ قریش نے ان کی سواری کے اونٹ کو مار ڈالا لیکن جلس اور اس کے لوگوں نے حضرت خراشؓ کو واپس روانہ کیا۔

اب قریش نے ایک دستہ بھیجا کہ وہ مسلمانوں پر حملہ آور ہو۔ صحابہ کرام نے دیکھ لیا اور سب کو گرفتار کر لیا۔ بعد میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو رہا کر دیا۔

حضرت خراشؓ کی ناکامی کے بعد رسول کریم صلعم نے صلح کی گفتگو کے لئے حضرت عمرؓ کا انتخاب کیا۔ لیکن انہوں نے معذرت کر دی کہ قریش میرے سخت دشمن ہیں اور مکہ میں میرے قبیلہ بنو عدی بن کعب کا کوئی آدمی نہیں جو مجھ کو اپنی حمایت میں لے۔ لہذا میرا جانا مناسب نہیں۔ بہتر ہے کہ حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر بھیجا جائے کیونکہ ان کے قبیلہ بنو امیہ کے بہت سے صاحب اثر اور طاقت ور آدمی موجود ہیں۔

رسول کریم صلعم نے حضرت عمرؓ کی رائے کو پسند فرمایا اور حضرت عثمانؓ کو سفیر کے طور پر اہلیانہ کے پاس بھیجا۔ وہ اپنے ایک عزیز ابان بن سعید کی حمایت میں مکہ گئے۔ تمام روسا سے ملاقات کی انہوں نے رسول کریم صلعم کا پیغام سن کر کہا کہ ہم آپ کو اجازت دیتے ہیں کہ بیت اللہ کا طواف کر لیں حضرت عثمانؓ نے کہا کہ "میں رسول کریم صلعم کے بغیر نہا طواف نہ کر سکتا، یہ سن کر روسا برہم ہوئے اور ان کو نظر بند کر لیا۔"

حضرت عثمانؓ کے واپس آنے میں تاخیر ہوئی تو یہ خبر مشہور ہو گئی کہ وہ شہید کر دیئے گئے ہیں اس خبر کے سنتے ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک عثمان کا بدلہ نہ لے لیں گے یہاں



سے نہ ہئیں گے۔ آپ ایک بول کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور تمام صحابہ سے جان نثاری کی بیعت لی۔ تاریخ اسلام میں یہ بیعت بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے۔ سورہ فتح میں اس کا ذکر ہے صحابہ کی جان نثاری پر قرآن مجید میں یہ آیت نازل ہوئی۔

یعنی خداموں سے راضی تھا جب کہ وہ تیرے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ شہادت کی خبر بے بنیاد ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صحیح سلامت واپس آگئے۔ کفار مکہ کے مال اندیش اور فہمیدہ لوگ تو پہلے سے ہی لڑائی کو ناپسند کرتے تھے۔ صلح نامہ۔ لیکن اب مفسد لوگ بھی مسلمانوں کی جنگ پر آمادگی دیکھ کر کچھ کچھ صلح و اشقی کی طرف مائل ہوئے۔

چنانچہ سب نے سہیل بن عمرو کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا وہ نہایت ہی فصیح و بلیغ مقرر تھا۔ قریش نے ان سے صاف صاف یہ کہہ دیا تھا صلح صرف اس شرط پر ہو کہ محمد (صلعم) اس سال واپس چلے جائیں۔ سہیل رسول کریم کی خدمت میں حاضر ہوا اور طویل گفتگو کے بعد ذیل کی شرائط پر صلح ہو گئی۔

- ۱۔ اس سال مسلمان بغیر حج کئے واپس چلے جائیں۔
- ۲۔ اگلے سال آئیں اور صرف تین دن قیام کر کے واپس لوٹ جائیں۔
- ۳۔ ہتھیار لگا کر نہ آئیں صرف تاوار ساتھ لائیں۔ وہ بھی نیام میں ہو۔
- ۴۔ مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں رہنا چاہے تو اس کو نہ روکیں۔
- ۵۔ مسلمانوں میں سے کوئی شخص مدینہ نہ جائے تو واپس کر دیا جائے لیکن کوئی مسلمان مکہ آجائے تو واپس نہیں کیا جائے گا۔

- ۶۔ قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ وہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ میں شریک ہو جائیں۔
- ۷۔ اس معاہدہ کی مدت دس سال قرار پائی کہ اس عرصہ میں فریقین ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما نہیں ہوں گے۔

یہ معاہدہ حضرت علیؑ نے تحریر فرمایا۔ حضرت علیؑ نے عنوان پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا تو سہیل نے کہا ہم رحمن کو نہیں مانتے۔ ہم عرب کے قدیم دستور کے مطابق **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ** لکھیں گے۔ آپ نے فرمایا اچھا ایسا ہی لکھ دو۔ جب حضرت علیؑ نے یہ فقرہ لکھا "یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہ نے تسلیم کیا۔ سہیل نے اعتراض کیا اور کہا اگر ہم محمد کو رسول اللہ تسلیم کرتے تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا اب محمد بن عبد اللہ لکھا جائے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: گو تم تکذیب کرتے ہو۔ لیکن خدا کی قسم میں خدا کا پیغمبر ہوں یہ کہہ کر آپ نے حضرت علیؑ کو فرمایا کہ سہیل کی خواہش کے مطابق اس لفظ کو کاٹ دو۔ حضرت علیؑ نے کہا مجھ سے یہ نہیں

جو سکے گا کہ میں لفظ "رسول اللہ" کو اپنے قلم سے کاٹوں۔ آپ نے فرمایا اچھا مجھ کو بتاؤ میرا نام کہاں ہے حضرت علیؑ نے بتایا آپ نے رسول اللہ کا لفظ کاٹ دیا۔

معاہدہ کی شرائط مسلمانوں کو سخت ناگوار تھیں مگر ادب کی وجہ سے خاموش رہے۔ اتفاق سے ابھی معاہدہ لکھا جا رہا تھا کہ خود سہیل کا لڑکا ابو جندل

مکہ میں اسلام قبول کر چکا تھا۔ وہ اس جرم کی پاداش میں پابند سلاسل کر دیا گیا تھا چنانچہ وہ قید سے بھاگ کر رسول کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور اپنی حالت زار دکھائی۔ آپ نے چاہا کہ ابو جندل کو معاہدہ سے مستثنیٰ کر دیا جائے مگر سہیل نے ایک نہ مانی۔ آخر کار آپ کو مجبوراً ماننا پڑا کہ ابو جندل واپس چلا جائے ابو جندل نے اپنے جسم سے مار کے زخم دکھائے اور کہا۔ برادران اسلام! کیا پھر مجھ کو کفار کے ہاتھ میں دیکھنا چاہتے ہو۔ تمام مسلمان ٹپ اٹھے۔ آخر حضرت عمرؓ نے رہ سکے۔ بارگاہ نبوی میں آئے اور کہا۔ یا رسول اللہ کیا آپ برحق نہیں ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا ہاں ہم حق پر ہیں۔ حضرت عمرؓ نے پھر کہا کیا وہ لوگ مشرک نہیں ہیں آپ نے فرمایا ضرور وہ مشرک ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا تو ہم دین میں یہ ذلت کیوں گوارا کریں۔ آپ نے فرمایا "میں خدا کا رسول ہوں اور خدا کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ وہ مجھے ہرگز ذلیل نہیں کرے گا حضرت عمرؓ نے کہا کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم لوگ کبیرہ کا طواف کریں گے۔ آپ نے ارشاد فرمایا لیکن یہ تو نہیں کہا تھا کہ اسی سال کریں گے۔ حضرت عمرؓ اٹھ کر حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے اور یہی گفتگو کی۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا وہ خدا کے نبی ہیں جو کچھ کرتے ہیں خدا کے حکم سے کرتے ہیں۔

رسول کریم صلعم نے ابو جندل کی طرف دیکھا اور فرمایا "اے ابو جندل صبر اور ضبط سے کام لو۔ خدا تمہارے لئے اور کمزوروں کے لئے راہ نکالے گا" اب صلح ہو چکی ہے ہم بدعہدی نہیں کر سکتے۔

ابو جندل کو ایسی حالت میں واپس جانا پڑا۔

رسول کریم صلعم۔ اور صحابہ کرام نے احرام اتارنے کے لئے بال مندوائے اور قربانیاں کیں۔ صلح کے بعد تین دن تک رسول کریم صلعم نے حدیبیہ میں قیام فرمایا۔ پھر وہاں سے روانہ ہوئے تو راستے میں سورہ فتح نازل ہوئی۔ جس میں اس معاہدہ کو فتح مبین قرار دیا گیا ہے۔ رسول کریم صلعم نے حضرت عمرؓ کو بلایا اور فرمایا کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا یعنی ہم نے تیرے لئے ایک کھلی فتح کی راہ کھول دی ہے

قرآن مجید میں صلح حدیبیہ کو فتح مبین قرار دیا۔ اس لئے اس کی بہت اہمیت ہے۔

۱۔ جس صلح کو مسلمان اپنی توہین خیال کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے اسی وقت سورہ فتح نازل کر کے اس صلح کو فتح مبین قرار دیا اور اس سے مسلمان مطمئن ہو گئے۔

۲ - اس معاہدہ کی رو سے جنگ و قتال کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ملک میں امن و امان قائم ہو گیا۔ مسلمان کفار آپس میں ملنے جلنے لگے۔ خاندانی اور تجارتی تعلقات کی وجہ سے کنارہ مدینہ آنے لگے۔ ملاقاتوں سے اسلام کی حقیقت سے آگاہ ہونے لگے۔ اس صلح سے بے کربھی لوگ اتنے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے کہ اس سے قبل نہیں ہوتے تھے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت خالد بن ولیدؓ بھی اسی زمانہ میں مسلمان ہوئے۔

۳ - قریش نے مسلمانوں کو اپنے بد مقابل ایک سیاسی جماعت تسلیم کر لیا جس سے دوسرے قبائل معاہدہ کر سکتے ہیں اور یہ بڑی اہم بات تھی کبھی عرب قبائل ایسے تھے جو مسلمانوں سے مصالحت کے ساتھ رہنا چاہتے تھے چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کر لیا۔ عبد نامہ کے بعد قبیلہ خزاعہ نے اس موقع پر معاہدہ کیا تھا اور رسول کریم صلیم صلیم کا حلیف بن گیا اور قبیلہ بنو بکر قریش کا حلیف بن گیا۔ اس معاہدہ کے بعد سب کی توجہ رسول کریم صلیم کی طرف پھیر دی۔ عرب مذہب کی پرواہ کرتے ہوں یا نہ کرتے ہوں لیکن جس وجود نے قائدین مکہ کو نیچا دکھایا تھا اس کے احترام کے سوا اب کوئی چارہ نہ تھا۔

۴ - یہ معاہدہ فتح مکہ کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ قریش نے معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے قبیلہ بنو بکر کی قبیلہ خزاعہ پر تلاء کے وقت معاونت کی اور ساتھ ہی معاہدہ کے توڑنے کا اعلان کر دیا۔ مسلمانوں کو اپنے حلیف کی مدد کے لئے مکہ پر حملہ کرنے کا قانونی جواز مل گیا۔ رسول کریم صلیم دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ مکہ میں فاتحانہ رنگ میں داخل ہوئے۔

۵ - یہ معاہدہ مسلمانوں کی امن پسندی کا ایک واضح ثبوت تھا جس کا اثر ہمسایہ قبائل پر اچھا پڑا۔

۶ - قریش سے صلح ہو جانے کے بعد مسلمانوں کو دوسرے دشمنان اسلام سے نمٹنے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ اس صلح کے تین ماہ بعد یہودیوں کا سب سے بڑا مرکز خیبر فتح ہو گیا۔ اس کے بعد فدک وادی القریٰ تیما اور بکوک کی یہودی بستیاں اسلام کے زیر نگیں آگئیں۔ اس طرح یہود کی تمام طاقت ختم ہو گئی اور مسلمان ان کی تخریبی کارروائیوں اور سازشوں سے محفوظ ہو گئے۔

۷ - جنگوں کا سلسلہ ختم ہو جانے کی وجہ سے رسول کریم صلیم کو اسلامی ریاست کے استحکام کا موقع مل گیا۔

۸ - صلح حدیبیہ کی رو سے مسلمانوں کو بیت اللہ کی زیارت اور عمرہ کرنے کا حق تسلیم کر لیا گیا۔ اس طرح قریش نے خود تسلیم کر لیا کہ مسلمان کوئی بے دین جماعت نہیں ہے بلکہ دین ابراہیمی کے پیروکار ہیں اس سے عربوں کے دلوں سے مسلمانوں کے خلاف نفرت کے جذبات سرد پڑ گئے۔

۹ - رسول کریم صلیم کو ہمسایہ حکومتوں، روم، مصر، ایران، حبش، یمامہ، شام اور بصرہ کے بادشاہوں کو درت

اسلام دینے کا موقع مل گیا۔

۱۰۔ پہلے مدینہ کی تجارت بہت محدود تھی اب مسلمان تاجروں کا کاروبار وسیع ہو گیا۔  
۱۱۔ اس صلح سے قریش کو فوری طور پر اقتصادی فوائد حاصل ہوئے شام اور عراق سے تجارت کرنے لگے۔

۱۲۔ چند روز کے بعد ایک شخص عقبہ بن اسید (البصیر) بھاگ کر مدینہ آیا۔ قریش نے دو قاصد بھیجے کہ معاہدہ کی شرائط کے مطابق عقبہ کو واپس کیا جائے۔ آنحضرت صلعم نے عقبہ سے فرمایا کہ واپس جاؤ عقبہ نے عرض کیا کہ آپ مجھ کو کافروں کے پاس بھیجتے ہیں کہ وہ مجھ کو کفر پر مجبور کریں۔

آپ نے فرمایا ہم تم کو واپس کرنے پر مجبور ہیں۔ ہاں اللہ کوئی راہ نکال دے گا۔ عقبہ قاصدوں کے ہمراہ مکہ روانہ ہو گیا۔ جب مقام ذوالحلیفہ پہنچے تو عقبہ نے ایک قاصد کو قتل کر دیا۔ دوسرا بھاگ کر مدینہ آیا۔ آپ سے شکایت کی۔ اتنے میں عقبہ بھی پہنچ گیا اور عرض کی آپ نے معاہدہ کے مطابق مجھ کو واپس کر دیا آپ پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ عقبہ مدینہ سے چلا گیا اور مقام عیص پر جو سمندر کے کنارے پر ہے۔ سکونت اختیار کر لی۔ اب مکہ کے ظلم رسیدہ مسلمان بھاگ بھاگ کر عیص پہنچنا شروع ہو گئے۔ اس طرح مسلمانوں کی ایک نوآبادی بن گئی۔ اب ان لوگوں نے اتنی قوت حاصل کر لی کہ قریش کے تجارتی قافلوں پر حملہ آور ہوتے۔ اور مالِ غنیمت حاصل کر کے گزارا کرتے۔

۱۳۔ اس معاہدہ کے بعد مختلف غزوات پیش آئے جن میں مسلمانوں کو زبردست کامیابیاں حاصل ہوئیں۔  
۱۴۔ قریش کا مصالحت کی گفتگو پر اترنا اس بات کا واضح ثبوت تھا کہ قریش مسلمانوں کو اپنا ہم پائر اور ہم پلہ قرار دینے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

## سلاطین کو دعوتِ اسلام (محرّم ۶۱۰ھ)

اسلام دوسرے مذاہب کی طرح قومی مذہب نہیں بلکہ ایک عالمگیر مذہب ہے جو اپنی یہود کی طاقت پاش پاش ہو گئی اور حدیبیہ کی صلح سے کسی قدر اطمینان نصیب ہوا تو وقت آ گیا کہ تمام حجت کے لئے اسلام کا پیغام تمام دنیا تک پہنچا دیا جائے سب سے پہلے یہ کام سرانجام دیا ایک دن رسول کریم صلعم نے تمام صحابہ کو اکٹھا کیا اور خطبہ دیا۔ "اے لوگو! خدا نے مجھے تمام دنیا کے لئے رحمت اور پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ دیکھو جو اربین عیسیٰ کی طرح اختلاف نہ کرنا۔ جاؤ میری طرف سے پیغام حق ادا کرو۔

اس کے بعد آپ نے قیصر روم، کسری، عزیز مصر، نجاشی اور روسائے عرب کے نام خطوط ارسال کئے۔

۱۔ قیصر روم کے نام خط | ہرقل نے ایرانیوں کو شکست دے کر تمام مفتوحہ علاقوں پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ اس کا شکر ادا کرنے کے لئے بیت المقدس آیا

ہوا تھا۔ وحیہ کلبی نے رسول کریم صلعم کا پیغام مبارک بصری میں حارث عنانی کو لاکر دیا۔ اس نے قیصر کے پاس بیت المقدس بھیج دیا۔ قیصر کو جب خط ملا تو اس نے حکم دیا کہ عرب کا کوئی شخص بلاؤ۔ اتفاق کی بات ہے ابوسفیان تجارت کے سلسلہ میں غزہ میں مقیم تھا۔ اس کو قیصر کے پاس لے جایا گیا۔ قیصر نے کھلے دربار میں ابوسفیان سے رسول کریم صلعم کے ذاتی۔ نسبی حالات اور تعلیم کے متعلق دریافت کیا۔ ابوسفیان نے راست گوئی سے کام لیا۔ قیصر ان جوابات سے بہت متاثر ہوا اور کہا سچا بنی اچھے کردار کا مالک ہوتا ہے اور اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور ہمیشہ نماز تقویٰ پر ہیزگاری اور پاک دامنی کی تعلیم دیتا ہے۔

میں سمجھتا تھا کہ ایک رسول آنے والا ہے لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا۔ ابوسفیان اگر تم نے سچ سچ جواب دیئے ہیں تو وہ ایک روز میری قدم گاہ پر قابض ہوگا۔ کاش میں ان کی خدمت اقدس میں پہنچ سکتا اور خود ان کے پاؤں دھوتا۔ اس کے بعد پڑھ کر سنایا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خدا کی طرف سے جو خدا کا بندہ اور رسول ہے۔ یہ خط ہرقل کے نام سے جو روم کا رئیس اعظم ہے۔ اس پر سلامتی ہو۔ جو ہدایت کا پیرو کار ہو۔ اس کے بعد تجھ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لا تو سلامت رہے گا۔ خدا تجھ کو ڈھرا اجر دے گا۔ اگر تو ایمان نہ لایا تو اہل ملک کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا۔ اسے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہم خدا کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کریں اور ہم میں سے کوئی کسی کو خدا نہ بنائے اگر تم نہیں مانتے تو گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔

ہرقل اس نامہ مبارک اور ابوسفیان کے جوابات سے بہت متاثر ہوا تھا۔ اس نے امر اور دہریوں کو بلا کر سمجھانے کی کوشش کی کہ اس دین میں کو مان لینے میں ہماری فلاح ہے جب ان لوگوں کو سخت متنفر پایا تو کہہ دیا کہ میں نے تمہیں آزمانے کے لئے ایسا کیا ہے اور کفر کی حالت میں مرا۔

۲۔ کسری ایران کے نام خط | کسری کے نام جو نامہ مبارک حضرت عبداللہ بن حذاف لے کر گئے تھے یہ تھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد رحم کرنے والا اور بار بار رحم کرنا والا ہے (

محمد پیغمبر کی طرف سے کسریٰ کے نام سلام ہے اس شخص پر جو ہدایت کا پیر و کار ہو۔ جو خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ اور یہی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور خدا نے مجھ کو تمام دنیا کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے تاکہ وہ ہر زندہ شخص کو خوف دلائے تو اسلام قبول کر تو سلامت رہے گا۔ ورنہ مجوسیوں کا گناہ تیری گردن پر ہوگا۔

کسریٰ بڑی جاہ و جلال کا بادشاہ تھا وہ بکتر اور نخوت کی وجہ سے یہ برداشت نہ کر سکا کہ اس کے نام کے اوپر بھی دنیا میں کسی دوسرے کا نام ہو اور بولا کہ میرا غلام ہو کر مجھ کو یوں لکھتا ہے۔ پھر نامہ مبارک کو چاک چاک کر دیا اور ساتھ گور زمین کو جس کا نام باذان تھا یہ حکم دیا کہ کسی شخص کو حجاز بھیجو کہ وہ مدعی نبوت کو پکڑ کر میرے پاس لائے۔ گور نے دو شخصوں کو مدینہ بھیجا۔ وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ کسریٰ نے تم کو بلایا ہے۔ آپ نے فرمایا کل میرے پاس آؤ۔ جب وہ دوسرے دن آئے تو آپ نے فرمایا فلاں مہینے کی فلاں رات کو میرے خدا نے آپ کے خدا کو قتل کر دیا ہے اور انکے بیٹے شیرویہ کو اس پر مسلط کر دیا ہے۔ آپ نے کہا واپس جاؤ اور اپنے بادشاہ کو کہہ دو کہ میرا دین اور حکومت کسریٰ کے پایہ تحت تک پہنچ جائے گا۔

جب دونوں میں آئے تو خبر آئی کہ شیرویہ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا ہے۔ باذان مسلمان ہو گیا اس کے بعد جلد ہی کسریٰ کی ساری سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔

۳۔ شاہ حبشہ کے نام خط | حبش کے بادشاہ کا لقب نجاشی تھا۔ یہ پہلے ہی دعوت اسلام سے متعارف تھا کیونکہ سب سے پہلی ہجرت اسی ملک کی طرف مسلمانوں نے کی تھی اور بادشاہ نے مسلمانوں کو اپنے دربار میں طلب کیا تھا اور حضرت جعفر طیارؓ نے نہایت ہی اختصار کے ساتھ تقریر میں اسلام کی تعلیم بیان کر دی۔ رسول کریم صلعم نے حضرت عمرو بن امیہؓ کو نجاشی کی طرف نامہ مبارک دے کر بھیجا تھا جس کا مضمون حسب ذیل ہے:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یہ خط پیغمبر خدا کی طرف سے نجاشی اصم بادشاہ حبش کے نام ہے تجھے سلامتی ہو میں پہلے خدا کی تعریف کرتا ہوں جو مالک قدوس و سلام مومن اور ہمین ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم اللہ کی مخلوق ہے اس کا حکم ہے جو مریم، پاک باز، پاک دامن کی طرف بھیجا گیا اور عیسیٰ کا حمل ٹھہر گیا خدا نے عیسیٰ کو روح اور نَفخ سے اسی طرح پیدا کیا جیسا کہ آدم کو اپنے ہاتھ اور نَفخ سے پیدا کیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں جو واحد لا شریک ہے اور ہمیشہ اس کی فرمانبرداری پر قائم رہو اور میری پیروی کرو اور میری تعلیم کو صدق دل سے مان لو کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں میں نے آپ کے

ملاک میں اپنے چہرے برادر کو مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ بھیجا۔ انہیں با آرام ٹھہرا لیا تم تکبر کو چھوڑ دو کیونکہ میں تمہیں اور تمہارے لشکر کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلاتا ہوں۔ میں نے اللہ کا حکم پہنچا دیا ہے اور نصیحت کر دی ہے کہ تم میری نصیحت کو قبول کرو۔ سلام اس پر جو راہ ہدایت پر چلتا ہے۔ اس خط کے پہنچنے پر نجاشی نے حضرت جعفر کے ہاتھ پر بیعت اسلام کی۔ نجاشی نے اس مضمون کا علیحدہ رسول کریم کی خدمت میں بھیجا۔

اللہ کے نام پر جو رحمن اور رحیم ہے۔ اللہ کے رسول محمد کی خدمت میں نجاشی شاہ حبشہ کی طرف سے جناب کا فرمان پہنچا۔ عیسے کے متعلق آپ نے جو تحریر فرمایا ہے خدا کی قسم وہ اس سے ذرہ بھی بڑھ کر نہیں آپ کے چچا زاد بھائی میرے پاس آرام سے ہیں۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ خدا کے سچے رسول ہیں۔ میں نے آپ کے چچا زاد بھائی کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے جناب کی خدمت میں اپنا فرزند روانہ کر رہا ہوں اگر آپ کی منشا ہو تو میں خود بھی حاضر ہو جاؤں۔“

ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ نجاشی نے اپنے بیٹے کو ساٹھ آدمیوں کے ساتھ رسول کریم مسلم کی خدمت میں روانہ کیا۔ لیکن جہاز سمندر میں ڈوب گیا۔

۴۔ شاہ مصر کے نام خط | شاہ مصر کا لقب مقوقس تھا۔ اس کی طرف حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نامہ مبارک لے کر گئے جس کا مضمون یہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - محمد اللہ کے بند سے اور اس کے رسول کی طرف سے مقوقس امیر قبط کے نام۔ سلام اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اما بعد میں تجھ کو دعوت اسلام کی طرف بلاتا ہوں تو سلام قبول کر سلامت رہے گا۔ تجھ کو اللہ تعالیٰ دو ہرا اجر دے گا۔ اگر تو نے نہ مانا تو تجھ پر قبیلوں کا گناہ بھی لازم آئے گا۔ اہل کتاب ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں۔ ہم میں سے کوئی بھی اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں۔ ہم میں سے کوئی بھی اللہ کے سوا کسی کو رب نہ بنائے اگر وہ نہ مانیں تم گواہ رہو کہ ہم اطاعت کرنے والے ہیں۔

اسی خط فرانسیسی سیاح کو ایمسم کے گرجا میں ۱۸۵۸ء میں ملا ہے۔ اب اصل خط قسطنطنیہ میں محفوظ ہے اور بڑے بڑے عیسائی محققین نے اسے اصل قرار دیا ہے منجملہ ان کے ڈاکٹر بیجر ہے خط کے خزانہ ایک بہر ثبوت ہے جس کا نقش محمد رسول اللہ ہے اس بہر نقش اور اس کی دوسری تفصیلات کے متعلق نام معتبر احادیث میں ذکر پایا جاتا ہے۔

مقوقس اگرچہ اسلام نہ لایا مگر آپ کے قاصد راہ خط کی بڑی تکریم کی۔ آپ کے سفیر حضرت حاطب نے ہاتھ بہت سے تحفے بھیجے جن میں تین کینزیں ایک غلام اور ایک سفید نچر دل دل اور کپڑا وغیرہ تھا جن

میں ماریہ قبطیہ حرم نبوی میں داخل ہوئیں دوسری کینز بنی حضرت حسان بن ثابتؓ کی زوجیت میں آئیں۔ یہ کینز مدینہ پہنچنے سے پہلے بطیب خاطر دائرہ اسلام میں داخل ہو چکی تھیں۔

۱۔ عمادین عرب کے نام خط  
 یمامہ کے حاکم ہوذہ بن علی الخنقی کے نام مبارک نامہ حضرت سید بن عمرو غامری نے کر گئے تھے۔ ہوذہ نے رسول کریم کو جواب

لکھا کہ اگر حکومت کا نصف حصہ مجھے دے دیا جائے تو میں اسلام قبول کرنے کو تیار ہوں۔ رسول کریم نے اس کے اس طمع پر لعنت کی۔ ایک سال کے بعد فوت ہو گیا۔

۲۔ حاکم بحرین کے نام خط  
 رسول کریم نے علاء بن الحضرمی کو منذر بن ساوی حاکم بحرین کے پاس نامہ مبارک دے کر بھیجا جو پڑھ کر ایمان لے آیا۔ اس کے

ساتھ ہی رعایا کا معتد بہ حصہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔

۳۔ والیان عمان کے نام خط  
 عمان پر دو بھائی جعفر اور عبد حکمران تھے۔ ان کے پاس حضرت عمرو بن العاص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک لے کر گیا دونوں

دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

۴۔ رئیس غسان کے نام خط  
 حارث بن ابی شمر غسان کا حاکم اور شام کا گورنر تھا۔ حضرت شجاع بن وہب نامہ مبارک لے کر گئے۔ خط پڑھ کر بہت

بگڑا اور کہا میں خود مدینہ پر حملہ کروں گا۔ بالآخر سفیر کو عزت کے ساتھ رخصت کیا لیکن اسلام قبول نہ کیا۔

۵۔ امیر یمن کے نام خط  
 رئیس یمن حارث حمیری کے پاس ہاجر بن امیہ مخزومی نامہ مبارک لے کر گئے۔ خط پڑھ کر بہت بگڑا اور بدتمیزی کا مظاہرہ

۶۔ بلقا کے رئیس کے نام خط  
 بلقا کے رئیس شرجیل بن عمرو نے مسلمانوں کے سفیر حارث عمیر کو قتل کر دیا یہی وہ مذموم حرکت تھی جس کے نتیجے میں

شام پر رڑائیوں کا سلسلہ شروع رکھا۔ غزوہ خیبر

۶۲۹ھ

خیبر مدینہ منورہ سے دو سو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں یہود کے مہانت مضبوط قلعے جن میں سے بعض کے آثار اب تک باقی ہیں۔

خیبر یہودی قوت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ بنو نضیر مدینہ سے جلا وطنی کے بعد آ کر آباد ہوئے تھے۔ ان کے دل اسلام کی عداوت میں جل رہے تھے تو انہوں نے تمام قبائل عرب اور قریش مکہ کو مدینہ پر حملہ آور



کے لئے براہِ نیکتہ کیا۔ جس کے نتیجہ میں معرکہ احزاب ہوا تھا۔

حی بن اخطب کے قتل کے بعد ابورافع سلام بن ابی العقیق اس کا جانشین ہوا۔ قبیلہ غطفان کی بادی خیبر سے متصل تھی۔ اور وہ خیبر کے حلیف اور ہم مہد تھے۔ سلام نے قبیلہ غطفان اور اس پاس کے بائوں کو اسلام کے خلاف اکسایا۔ ایک لشکر جبار اکٹھا کر کے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کیں۔ ایک نصاریٰ عبداللہ بن عقیق نے خیبر جا کر رسول کریم صلعم کی اجازت سے سلام کو قتل کر دیا۔ سلام کے بعد یزید زرام نے عمان ریاست اپنے ہاتھ میں لی اور غطفان اور دیگر قبائل میں دودھ کر کے ایک عظیم الشان حج جمع کی۔ رسول کریم صلعم کو یہ خبریں پہنچیں تو آپ نے عبداللہ بن رواحہ کو تیس آدمیوں کے ہمراہ تحقیق کے لئے بھیجا۔ انہوں نے چھپ کر اسی کی زبانی تمام تدابیر سنیں اور واپس آکر رسول کریم صلعم کو گوش گزار کیں۔ آپ نے دوبارہ حضرت عبداللہ بن رواحہ کو تیس آدمیوں کے ساتھ خیبر روانہ کیا۔ وہ اسیر سے ملے اور کہا کہ رسول کریم صلعم نے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ اگر تم مدینہ آ جاؤ تو خیبر کی حکومت تم کو دے دی جائے گی۔ تاہم وہ بھی تیس آدمیوں کو لے کر خیبر سے نکلا۔ قرقر پہنچ کر اسی نے عبداللہ کو قتل کرنا چاہا۔ عبداللہ نے اسیر کا خاتمہ کر دیا۔ اب مسلمان یہودیوں پر ٹوٹ پڑے اور ایک کے سوا سب کا خاتمہ کر دیا۔

یہ واقعہ ہے۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے بھی یہودیوں کو براہِ نیکتہ کیا اور کہا کہ مسلمان کمزور ہو چکے ہیں اب ان کی طاقت نہیں رکھتے اس وجہ سے حملہ کرنے کی ہمت نہ ہارنا۔

سلام بن ابی العقیق کے بھتیجے کنانہ بن الربیع بن ابی العقیق نے زمامِ امارت ہاتھ میں لے لی۔ یہ غطفان کو مسلمانوں کے خلاف اکسایا اور انہوں نے مسلمانوں سے پھیر چھاڑ شروع کر دی۔ اس کے چند آدمیوں نے عبدالرحمن بن عقبہ کی سرداری میں ذی قرہ کی چراگاہ پر چھا پہ مارا۔ اور حضرت ابوذرؓ صاحبزادے کو قتل کر دیا۔ بیس اڈھنیاں اور ان کی بیوی کو بکڑ کر لے گئے لیکن مسلمانوں کی بروقت مدد اڈھنیوں اور حضرت ابوذرؓ کی بہو کو چھڑا لیا۔ اس واقعہ کے تین دن بعد معرکہ خیبر ہوا۔

رسول کریم صلعم نے غطفان اور یہود کے حملوں کی مدافعت کے لئے محرم پر پہلے حملہ کی تیاری کی۔ **سے ایک لشکر اکٹھا کیا۔ جس کی تعداد سولہ سو تھی۔ جن میں دو سو اور باقی پیدل تھے۔ آپ نے تین علم تیار کر لئے۔ جو حضرت جناب بن منذرؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ حضرت علیؓ کو دیئے۔**

رسول کریم صلعم نے خیبر اور بنی غطفان کے درمیان مقام ربیع میں فوجیں اتاریں۔ بنو غطفان کو یہ لاحق ہوا کہ مسلمان ہماری بستیوں پر حملہ آور ہوں گے۔ اس لئے وہ اپنے گھروں میں ہی مدافعت کے موجود رہے اور خیبر کے یہودیوں کی اعانت کے لئے نہ نکلے۔

رسول کریم صلعم نے آگے بڑھ کر سب سے پہلے قلعہ ناعم فتح کیا۔ پھر چھوٹے چھوٹے قلعے جھجھجکے۔ سب سے سخت مقابلہ قلعہ قموں کی فتح میں ہوا۔ یہ قلعہ مرحب اور ابن ابی العقیق کا مسکن تھا۔ قلعہ کے فتح کرنے کے لئے ایک بعد دیگرے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو بھیجا لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ حضرت علیؓ کو بھیجا۔ حضرت علیؓ نے مرحب اور غمر سے جنگ کر کے انہیں قتل کیا۔ یہ قلعہ بیس دن کے بعد فتح ہوا۔ اس جنگ میں پندرہ مسلمان شہید ہوئے اور ۹۳ یہودی مارے گئے۔ اس قلعہ میں صفیہ بنت جی اخطب اور دوسرے بہت سے قیدی مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ صفیہ حضرت محمدؐ کے چھڑ میں آئی۔ لوگوں نے آنحضرتؐ سے کہا تے بڑے رئیس کی لڑکی آپ ہی کے شایان شان اس لئے آنحضرتؐ نے صفیہ کو آزاد کر کے اپنے عقد میں لے لیا۔

یہودیوں کی درخواست پر خیبر کی اراضیات انہیں واپس کر دی گئیں اور کل پیداوار کا نصف خرچ کے طور پر وصول کیا جاتا تھا۔

۱۔ خیبر کی فتح سے شام کی طرف ناگہانی حملے کا خطرہ ٹل گیا۔

۲۔ یہودی طاقت بالکل ختم ہو گئی اور اس معرکہ کے بعد مسلمانوں کے ساتھ چھڑ چھاڑ کرنے کا نہ رہی۔

۳۔ خرچ کی آمد کی وجہ سے مسلمانوں کی معاشی حالت بہتر ہو گئی اور فتح مکہ پر چڑھائی کے دس ہزار لشکر کے تمام اخراجات خیبر کی آمدنی سے پورے کئے گئے تھے۔

۴۔ اس جنگ میں یہودی مسلمانوں کے اخلاق عالیہ سے بہت متاثر ہوئے تھے۔

خیبر فتح ہونے کے بعد یہودیوں کی مخفی شراہیں جاری رہیں۔ سلام بن مشکم یہودی کی بیوی زینب رسول کریم صلعم کی دعوت کی اور کھانے میں زہر ملا دیا۔ آپ نے بہت کم نوش فرمایا تھا اس لئے زہر کا اثر نہ ہوا۔ لیکن ایک دوسرے صحابی بشر بن برہانہ ہلاک ہو گئے اس لئے آپ نے ان کے قتل کو قتل کر دیا۔

غزوہ خیبر کے سلسلہ میں متعدد نئے احکام جاری ہوئے۔ دندے جانور پنجہ والے پرندے اور خچر حرام قرار دیئے گئے۔ چاندی سونے کا تبادلہ بہ تفاضل حرام قرار دیا گیا۔

خیبر کے بعد مسلمان واوی القریٰ کی طرف روانہ ہوئے۔ اہل واوی القریٰ نے معمولی مقابلہ ڈال دیتے اور خیبر کی شراہ پر صلح کر لی۔

معابدہ حدیبیہ میں ایک شرط یہ تھی کہ اگلے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آکر عمرہ ادا کریں اور تین دن قیام کر کے واپس چلے جائیں اس شرط کو اعلان کر دیا کہ جو لوگ صلح حدیبیہ میں شریک تھے وہ سب بیت اللہ کی زیارت کے

جو صحابہ خیر میں شہید ہو گئے یا وفات پا گئے تھے ان کے علاوہ تمام نے یہ سعادت  
سک۔

جب مسلمان مکہ میں داخل ہو گئے تو کفار مکہ تین دن کے لئے شہر خالی کر کے پہاڑوں پر  
گئے۔ رسول کریم صلعم تین دن قیام کے بعد عمرہ پورا کر کے واپس تشریف لائے حج میں "رہل"  
نت اس عمرہ میں جاری ہوئی۔

## معکہ موتہ

جمادی الاول ۱۱ھ

رسول کریم صلعم نے شاہ بصری شرجیل بن عمرو غسانی کے نام ایک تبلیغی نامہ مبارک حضرت حارث  
عمیر کے ہاتھ بھیجا۔ بصری بیت المقدس کے قریب شام کا ایک مشہور تجارتی شہر تھا۔ شرجیل رومی  
ملکت کی طرف سے گورنر تھا۔ اس نے سیفر کو نہایت ہی بے رحمی سے بلاوجہ قتل کر دیا۔ جب مدینہ میں  
کی خبر پہنچی تو مسلمانوں کو سخت صدمہ ہوا۔ آنحضرت صلعم نے قصاص کے لئے بہم بھیجی۔ اگر آپ اس مہم کی  
مکی میں ذرا بھی تامل کرتے تو مدینہ پر حملہ ہونا ضروری تھا۔ رسول کریم صلعم نے حکم دیا کہ مسلمان اپنے اپنے  
بیارے کر موضع حرق میں جمع ہو جائیں۔ چنانچہ تین ہزار مجاہدین موضع حرق میں جمع ہو گئے۔ آپ نے اس  
مہم کی قیادت حضرت زید بن حارث کو دی۔ آپ نے فرمایا اگر زید بن حارث شہید ہو جائیں تو حضرت زید بن ابی  
لب کو امیر بنا لیا۔ اگر وہ شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ کو امیر بنا لیا اگر وہ شہید ہو جائیں تو پھر  
مسلمان جس کو مناسب سمجھیں امیر بنا لیں۔

شیفۃ الوداع تک رسول کریم صلعم خود فوج کے ساتھ گئے اور اسلامی لشکر کو میدان جنگ کی طرف  
وداع کرتے ہوئے اصول جنگ کے متعلق چند ہدایات فرمائیں کیونکہ تمام مہمات کی غرض و غانت تبلیغ  
سلام تھی۔ ارشاد ہوا کہ پہلے ان کو دعوت اسلام دی جائے۔ اگر وہ سلام قبول کر لیں تو جنگ کی ضرورت  
نہیں۔ اگر وہ جنگ پر آمادہ ہوں تو حسب ذیل وصیت پر کار بند رہیں۔

- ۱۔ راہوں سے کوئی تعرض نہ کرنا۔ ۲۔ کسی عورت پر ہرگز ہاتھ نہ اٹھانا کسی بے کو قتل نہ کرنا۔
  - ۳۔ کسی بوڑھے کو نہ مارنا۔ ۴۔ پھل دار و سرسبز درختوں کو نہ کاٹنا۔ ۵۔ کوئی مکان منہدم نہ کرنا۔
- اس کے بعد فرمایا اظہار تعزیت کے لئے اس مقام پر جانا جہاں حارث بن عمیر کو شہید کیا گیا ہے  
جب اسلامی فوج مدینہ سے روانہ ہوئی تھی تو شامی جاسوسوں نے شرجیل کو اطلاع دے دی۔

خفاق سے ہرقل قیصر روم بھی شام میں موجود تھا۔ اس کی مدد سے شرجیل نے ایک لاکھ فوج جمع کی۔  
جب حضرت زید کو ان حالات کا علم ہوا تو چاہا کہ ان حالات سے رسول کریم صلعم کو اطلاع  
دی جائے اور حکم اور مدد کا اظہار کیا جائے لیکن عبداللہ بن رواحہ نے ایمان پرور تقریر کی اور کہا

ہمارا مقصد فتح مندی نہیں بلکہ اللہ کی راہ میں شہادت پانا ہے جو ہر صورت میں ممکن ہے۔

اسلامی لشکر موتہ کے میدان کی طرف بڑھا۔ دوسری طرف سے دشمن کا جرار لشکر میدان موتہ کی طرف آگیا۔ دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ حضرت زید بن ثابتؓ شہادت کے شوق میں کفار کے لشکر جرار کی سرکوبی کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ دشمن نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ وہ ان کے تیروں کی آماجگاہ بن گئے۔ یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔

ان کی شہادت کے بعد حضرت جعفر طیارؓ نے علم اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ گھوڑے سے اتر کر پہلے کی کوئٹھیں کاٹیں۔ پھر موت سے کھیلنے ہوئے دشمن کی صفوں کے دل میں گھس گئے، چاروں طرف تیغ سنان پڑنے لگے۔ ان کا دایاں ہاتھ جس میں علم سنبھالا ہوا تھا۔ کٹ کر الگ ہو گیا مگر انہوں نے علم کو بائیں ہاتھ میں لے لیا اور شوق شہادت کے نشے میں مخمور ہو کر رڑتے رہے۔ یہاں تک کہ بائیں ہاتھ بھی کٹ گیا تو گردن سے علم لگا کر سینے سے سنبھالے رکھا۔ اسی حالت میں اپنے محبوب حقیقی جا ملے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے آگے بڑھ کر اسلامی جھنڈا اٹھام لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ بھی شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت کے بعد فوج نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو اپنا قائد منتخب کر لیا۔ وہ شام تک نہایت بہادری سے رڑتے رہے اور اس خوبی سے دشمن فوج پر حملے کئے کہ ان کی ہمتیں ٹوٹ گئیں اور میدان جنگ کو چھوڑ کر چل دیئے۔ مسلمانوں نے تھوڑی دور تک تعاقب کیا اور کچھ مال غنیمت ہاتھ آیا۔ اس جنگ میں کل بارہ صحابی شہید ہوئے۔ کفار کے مقتولوں کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہو سکی۔ اسلامی لشکر مدینہ کے قریب پہنچا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے نکل کر دو رات تک استقبال کرنے کے لئے چلے گئے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کو سینٹ اللہ کا خطاب دیا۔

نتائج و اہمیت

۱۔ جنگ موتہ سے رومی سلطنت کو پہلی بار یہ علم ہوا کہ مسلمان بھی ایک ایسے قوت کے مالک ہیں جو بڑی بڑی سلطنتوں کی جارحیت کا جواب دے سکتے ہیں۔

۲۔ موتہ کی فتح سے مسلمانوں کے جذبہ ایمانی میں اضافہ ہو گیا۔

۳۔ مدینہ اور شام کے درمیانی علاقوں میں مختلف قبائل بہت ہار گئے اور مسلمانوں کے خلاف ریشہ دو اہنہ کو ترک کر دیا۔

۴۔ اس جنگ کے بعد مسلمانوں کی طاقت میں بہت اضافہ ہو گیا۔

۵۔ جنگ موتہ، غزوہ بدر کی طرح تاریخ میں ایک روشن باب کا اضافہ ہے۔ جسے "بین الاقوامی جنگ بدر کے نام سے تعبیر کرنا بے جا نہ ہو گا۔"

## فتح مکہ

رمضان ۱۰ رمضان ۶۲۰ عیسوی

مکہ پر چڑھائی کے اسباب | رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے اہم مقصد خانہ کعبہ کو بتوں کی آلاش سے پاک کرنا تھا لیکن قریش کی دشمنی نے اب تک اس کا موقع نہ دیا تھا۔ مزید برآں اسلام کی بیخ کنی کے لئے مدینہ پر حملے بھی کئے۔ ان جنگوں کا ایک سیاسی فائدہ یہ ہوا کہ کم از کم عارضی طور پر قوت میں توازن پیدا ہو گیا۔ چونکہ اہل مکہ بدر اور خندق میں ذلت آمیز شکست کھا چکے تھے اور اسی طرح حکومت مدینہ ان کی شامی تجارت کے راستے منقطع کر رہے تھے، ان کے قائلوں پر ترک تازیں ہو رہی تھیں اس وجہ سے دونوں فریق صلح کے خواہاں تھے۔ لیکن رسول کریم صلح کا مکہ عمرہ کے لئے جانا اور کفار کا عمرہ نہ کرنے دینا فوری طور پر معاہدہ حدیبیہ کا سبب بنا۔ اس معاہدہ کی رو سے بنو خزاعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف بن گئے اور بنو بکر قریش کے دونوں قبیلوں کے درمیان پشتینی عداوت چلی آ رہی تھی۔ صلح حدیبیہ کے بعد بظاہر عداوت کی آگ ٹھنڈی ہو گئی لیکن معاہدہ پر ابھی دو سال بھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ بنو بکر نے رات کے وقت بنو خزاعہ پر حملہ کیا۔ قریش مکہ نے بنو بکر کو اسلحہ وغیرہ سے مدد دی مگر صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو نے راتوں کو بھیس بدل کر بنو بکر کے ساتھ تلواریں چلائیں۔ بنو خزاعہ نے مجبور ہو کر حرم میں پناہ لی۔ لیکن ان ظالموں نے حرم کا بھی..... احترام نہ کیا۔ وہاں بھی انسانوں کا خون بہا دیا گیا۔

قبیلہ بنو خزاعہ کا سردار عمرو بن سالم چالیس ناقہ سواروں کی جمعیت میں مدینہ پہنچا۔ رسول کریم صلح مسجد میں صحابہ کرام کے درمیان تشریف فرما تھے۔ عمرو بن سالم نے قریش مکہ کی بدعہدی اور مظالم کی شکایت ایک نہایت پر درد نظم میں بیان کی۔

آپ نے ان کی درد بھری فریاد سنی اور تسلی دینی اور کہا ہم تمہاری امداد کریں گے۔ آپ نے قریش کے پاس قاصد بھیجا اور میں شراظہ پیش کریں کہ ان میں سے کوئی منظور کی جائے۔

۱۔ معتولوں کا خون بہا دیا جائے۔

۲۔ قریش بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔

۳۔ اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا ہے۔

قرط بن عمرو نے قریش کی زبان سے کہا کہ صرف میری شراظہ منظور ہے "قاصد چلے جانے کے بعد قریش کو اپنی ناقبت نااندیشی پر تادمت ہوئی کیونکہ ان کو مستقبل کی تاریکیوں میں خطرات کے سیلاب اڑتے نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے ابوسفیان کو فوراً مدینہ بھیجا کہ وہ معاہدہ تجدید کر آئے۔

ابوسفیان مدینہ پہنچا اور اس نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت فاطمہ الزہراءؓ سے درخواست کی کہ وہ معاہدہ کی تجدید کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سفارش کریں مگر کسی نے حامی نہ بھری۔ آخر کار بے نیل مرام واپس آیا۔

**رسول اللہ کی مکہ پر چڑھائی کی تیاری**

تیاریاں شروع کر دیں۔ اتحادی قبائل کی طرف پیغام بھیجے کہ تیار ہو جائیں۔ پوری احتیاط برتی گئی کہ قریش کو تیاری کی خبر نہ ہونے پائے۔

ایک بدری صحابی حاطب بن ابی بلتہؓ نے قریش کو مسلمانوں کے حملہ آور ہونے کی اطلاع دینے کے لئے ایک خط سارہ کینز کے ہاتھ روانہ کیا۔ رسول اللہ کو اطلاع ہو گئی۔ آپ نے حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت مقدادؓ اور حضرت ابو مرثد غنویؓ کو روانہ کیا کہ فلاں عورت قریش کے نام ایک خط لے جا رہی ہے۔ اس سے خط چھین لاؤ۔ انہوں نے روضہ جناح میں پہنچ کر اس کو گرفتار کیا۔ اس کی تماشی لی تو خط کا پتہ نہ چلا۔ حضرت علیؓ نے کہا یہ نہیں ہو سکتا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر غلط ہو۔ چنانچہ انہوں نے ڈرایا اور دھمکایا تو اس نے اپنے جوڑے سے خط کو نکال کر دیا۔ قاصد خط اور عورت کو گرفتار کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ تمام صحابہ کو حاطب بن ابی بلتہ کے افشاز پر حیرت ہوئی۔ حضرت عمرؓ غصہ سے بے تاب تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ "حکم ہو کہ تو اس کی گردن اڑا دوں" رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حاطب سے وجہ پوچھی تو انہوں نے جواب دیا کہ میرے مکہ میں اعزدا قارب ہیں۔ اس لئے میں نے چاہا کہ اہل مکہ پر احسان کے طور پر حملہ کی اطلاع دے دوں۔ اگر یہ معاملہ کسی دنیاوی بادشاہ کے سامنے آتا تو طہم کی گردن زدنی کا فوراً حکم دے دیا جاتا چونکہ یہ پڑھائی انتقامی نہ تھی بلکہ عفو کے لئے تھی پھر اپنے رفقاء کی خطاؤں سے عفو کیوں نہ کیا جاتا۔ چنانچہ اس عفو کے سمندر میں کوئی غصہ کی لہر آئے بغیر حاطب کے عذر کو قبول فرما کر معاف کر دیا۔

۶۳۰ھ

**مکہ کی طرف روانگی**

۱۰ رمضان ۶۳۰ھ (یکم جولائی ۶۳۰ء) میں آپ دن ہزار قدمیوں کے جلو میں مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے اور نہایت تیز رفتاری سے منزلیں طے کرتے جا رہے تھے۔ مقام جحفہ میں پہنچے کہ آپ کے چچا حضرت عباسؓ معہ اہل و عیال مسلمان ہو کر مدینہ کی طرف آتے ہوئے ملے۔ آپ نے ان کے اہل و عیال کو تو مدینہ منورہ بھیج دیا اور حضرت عباسؓ کو اپنے ہمراہ لے لیا۔ مراظہراں جو مکہ سے چار کوس کے فاصلہ پر ہے یہ پہنچ کر سلامی لشکر نے پڑاؤ ڈالا اور مختلف دستے دور دور تک پھیل گئے۔ رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ ہر مسلمان مجاہد پڑاؤ پر آگ روشن کرے۔ چہرہ واہوں کے ذریعے قریش کو خبر پہنچی کہ وادی مراظہراں میں ایک لشکر عظیم خیمہ زن ہے۔ قریش نے یہ خبر سن کر ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بديل بن ورقا کو حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ خیمہ نبوی کے محافظ

دستہ نے ابوسفیان کو دیکھ لیا اور گرفتار کر کے بارگاہ نبوی میں لے آئے۔ تمام مسلمان ابوسفیان کے خون کے پیاسے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ کفر کے استیصال کا وقت آگیا ہے۔ حکم دیجئے کہ اس دشمن خدا کی گردن اڑا دوں۔ لیکن حضرت عباسؓ نے جان بخشی کی درخواست کی جسے رسول کریم صلعم نے قبول فرمایا۔

اس حسین سلوک کا ابوسفیان پر اتنا اثر ہوا کہ صبح رسول کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر دولت ایمان سے مالا مال ہو گیا۔

**ابوسفیان کی عزت افزائی** | حضرت عباسؓ نے رسول کریم صلعم سے کہا "یا رسول اللہ! ابوسفیان کو اس موقع پر خاص عزت بخشیں" آپ نے فرمایا: "اچھا جو شخص خانہ کعبہ میں پناہ لے گا۔ اس کو امان دی جائے گی جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوگا۔ اس کو بھی امان دی جائے گی۔ جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرے گا وہ بھی امان میں رہے گا۔ جو شخص بغیر ہتھیار لگائے راہ میں ملے گا اس کو بھی امان دی جائے گی۔"

اسی وقت قدوسیوں کا لشکر مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ مختلف دستوں کے قائد مختلف راستوں سے شہر میں داخل ہوئے۔ حضرت زبیر بن العوامؓ شمال سے حضرت خالد بن ولیدؓ جنوب سے ہاجر فوج کے قائد حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ جبل ہند سے رسول کریم صلعم خود اور انصار کے سردار حضرت سعد بن عبادہ مغرب سے مکہ میں داخل ہوئے۔ تمام دستے بغیر کسی مزاحمت کے شہر میں داخل ہو گئے۔ البتہ عکرمہ اور صفوان بن امیہ نے چند نوجوانوں کے ساتھ حضرت خالد بن ولید کے دستہ کا مقابلہ کیا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے جوابی حملہ کیا۔ اس جھڑپ میں تین مسلمان شہید ہوئے اور اٹھارہ کفار کے آدمی قتل ہوئے۔ رسول کریم صلعم نے تلواروں کی چمک دیکھی تو حضرت خالد بن ولید سے باز پرس کی۔ لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ قتال کا آغاز دشمنوں کی طرف سے ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا قضا الہی یہی تھی۔

لوگوں نے رسول کریم صلعم سے دریافت کیا "حضور کسی کے گھر میں قیام فرمائیں گے یا اپنے قدیم مکان میں؟ چونکہ عقیل نے وہ مکانات ابوسفیان کے ہاتھ فروخت کر دیئے ہوئے تھے۔ اس بنا پر رسول کریم صلعم نے ارشاد فرمایا کہ "عقیل نے گھر کہاں چھوڑا کہ میں اس میں آؤں" اس لئے مقام خیفت میں ٹھہروں گا۔ جہاں قریش نے ہمارے خلاف کفر کی تائید میں باہم عہدہ پیمان کیا تھا۔ تھوڑا سا استراحت کرنے کے بعد اپنی ناتوازی پر سوار ہو کر بیت اللہ کی طرف چلے گئے کسی جاہل بادشاہ کی طرح نہیں کہ جب وہ اپنے دشمنوں پر قابو پا لیتا ہے۔ تو نشہ نخوت میں چور ہو کر اکر تاناہوا اور سینہ تانتا ہوا چلتا ہے۔ بلکہ ابن ہشام کے قول کے مطابق "شہرتاے بارگاہ خداوندی میں سر نیاز جھکائے اور بار بار اونٹنی کے کپادے ہی پر سجدہ شکر ادا کرتے ہوئے جہاں ہے تھے" "سواری پر ہی سات بار بیت اللہ کا طواف کیا۔ بیت اللہ کے ارد گرد جتنے بت تھے ایک

ایک کو لکڑی کی ٹھوکریا تے جاتے تھے اور کہتے تھے حق آیا اور باطل بھاگ گیا اور باطل بھاگ ہی جاتا ہے۔“

اس سے فارغ ہو کر عثمان بن ابی طلحہ کو طلب کیا اور ان کے خاندان میں مدت سے کعبہ کی کلید چلی آتی تھی۔ کلید طلب کی۔ دروازہ کھلوا یا۔ عین کعبہ کے اندر بہت سے بت تھے۔ جن کو قریش خدامنتے تھے۔ داخل ہونے سے قبل حکم دیا کہ سب کو نکلوا دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے اندر جا کر سب تصاویر کو مٹا دیا۔ جب بیت اللہ تہوں اور تصاویر سے پاک ہو گیا تو آپؐ حضرت بلالؓ اور حضرت طلحہؓ کے ساتھ اندر داخل ہوئے اور نماز ادا کی۔ پھر کنبی عثمان کو واپس کر دی اور فرمایا کہ یہ ہمیشہ کے لئے تمہارے پاس اور تمہاری نسل میں رہے گی۔

اس کے بعد خانہ کعبہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا جس میں توحید الہی اور نسل انسانی کی وحدت کو بیان کیا ہے وہ خطبہ یہ ہے۔

”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچا کیا۔ اس نے بندہ کی مدد کی۔ تمام جھٹوں کو تنہا شکست دی۔ ہاں تمام مفاخر سارے انتقامات اور خون بہا میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ صرف بیت اللہ کی توبیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کا شعبہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔“

”اے قوم قریش اب جاہلیت کا کبکتر اور نسب کا فخر اللہ تعالیٰ نے مٹا دیا ہے۔ تمام لوگ آدم کی نسل سے ہیں۔ اور آدم مٹی سے ہے۔“

پھر قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

”اے لوگو! میں نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنائے کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان لیا کرو۔ لیکن خدا کے نزدیک شریف وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔ خدا جاننے والا اور واقف کار ہے۔“ اس کے بعد قریش کے ایک خاص مجمع سے خطاب کیا۔ جن میں وہ بھی شقی العقب موجود تھے جن کی تیغ و سنان نے بے کس مسلمانوں کے خون سے پیاس بجھاتی تھی۔ وہ بھی تھے جو مسلمانوں کو دہکتے ہوئے انگاروں اور تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر سینے پر بھاری پتھر رکھ دیتے تھے۔ وہ بھی کینہ پرور اور کور باطن تھے جنہوں نے سید البشرؐ کے راستے میں کانٹے بچھائے تھے۔ سوشل بائیکاٹ کر کے شعب میں مصائب و آلام کی بھٹی میں جھونک دیا تھا و عظ و نصیحت کے وقت پتھر مار مار کر پنڈلیوں کو لہو بہان کر دیا تھا جن کی زبانیں تمسخر اور گالیوں کے سوا کسی اور چیز سے آشنا نہ تھیں۔ اس پر اکتفا نہ کیا بلکہ غیظ و غضب کی آتش کو بجھانے کے لئے قتل کرنے کا منصوبہ بھی بنایا۔ نصرت الازدی سے بچ کر دوسری جگہ پناہ یعنی چاہی تو ان ظالموں نے وہاں بھی تعاقب کیا۔ بار بار حملہ آور ہو کر اسلام اور مدینہ کو تباہ و برباد کرنے کی کوشش کی یہ سب مجرم اسی سرزمین پر کھڑے تھے جو آپ کے خون کی پیاسی تھی۔ اگر کوئی اور فاتح ہوتا تو عبرت کے طور پر بہتوں کی گردنیں سر سے الگ کر کر موت کی آغوش میں



ابدی نیند سلا دیتا۔ بہتوں سے جیل خانے بھر دیتا۔ لیکن قریش کے دل گواہی دیتے تھے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے یہ سلوک نہیں کریں گے۔ جب آپ نے ان کے نام اور شہر مسار چہروں کی طرف دیکھا تو محبت بھرے لبے میں پوچھا تم کو کچھ معلوم ہے۔ میں تم سے کیا سلوک کرنے والا ہوں۔ وہ فوراً پکارا اٹھے۔ "تو شریف بھائی ہے اور شریف بھائی کا بیٹا ہے" آپ نے جواب سن کر فرمایا "اچھا میں بھی تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے مجرم بھائیوں کو کہا تھا۔" آج تم پر کوئی گرفت نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔ اس رحمۃ للعالمین کے دل میں بنی نوع انسان کے لئے کتنی محبت ہے کہ مجرموں کو بھی ایک لفظ ملامت کا نہیں کہا اور ان سے یہ وعدہ بھی نہیں لیا کہ وہ آئندہ ایسی شرارتیں نہیں کریں گے۔ صرف یہی وسعت قلبی کا ثبوت نہیں دیا۔ کفار نے ہاجرین کی جن جانداؤں پر قبضہ کر لیا ہوا تھا ان کو بھی واپس نہیں مانگا۔ بلکہ ہاجرین کو حکم دیا کہ وہ اپنی ملکات سے دستبردار ہو جائیں۔ نماز کا وقت آیا تو حضرت بلالؓ نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی، کفار رگ حیت پھڑک اٹھی عتاب بن اسید نے کہا "خدا نے میرے باپ کی عزت رکھنی کہ اس آواز کے سننے سے پہلے اس کو دنیا سے اٹھالیا۔" (اصحابہ تذکرہ عتاب بن اسید)

آپ صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور مسلمان ہونے والوں کی بیعت قبول کی۔

مسلمانوں کی کامیابی کے اسباب :- مسلمانوں کی کامیابی کے اسباب حسب ذیل ہیں۔

۱۔ نصرت الہی | مسلمانوں کی فتح کا سبب اللہ تعالیٰ کی نصرت تھی

۲۔ مسلمانوں کی تنظیمی برتری | مسلمان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیرِ کمان ایک سیہ پلائی ہوئی دیوار بن چکے تھے۔ وہ آنحضرت صلعم کے ہر حکم پر ہر قسم

کی قربانی کرنے کے لئے تیار رہتے تھے اس کے برعکس کفار کی صفوں میں انتشار اور افتراق تھا۔ مسلمانوں کی اس تنظیمی برتری کی وجہ سے کفار نے شکست کھائی۔

۳۔ سردارانِ قریش کی موٹ | مختلف جنگوں میں کفار کے بڑے بڑے سردار قتل ہو چکے تھے ان کے قتل کی وجہ سے کفار میں بددلی اور مایوسی پیدا ہو چکی تھی

۴۔ اعلیٰ سپہ سالاروں کا قبولِ اسلام | کفار کے اعلیٰ پایہ کے سپہ سالار دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے جو مسلمانوں کی مضبوطی کا باعث بنے، خالد بن ولید اور عمرو بن العاص کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۵۔ معاشی دباؤ | مدینہ کی حکومت نے شام اور عراق جانے والے تجارتی راستوں کی ناکہ بندی کر دی جس کی وجہ سے قریش کی اقتصادی حالت خراب ہو گئی

فتح مکہ کا فوری سبب لشکر اسلام کا اچانک حملہ ہے۔ اہل مکہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے نہ تیاری کر سکے اور نہ حامی قبائل کو جمع کر سکے

۶۔ اچانک حملہ

۱۔ مکہ سے مدینہ کے خلاف مسلسل حملے ہو رہے تھے جب تک اس شہر پر قبضہ نہ کر لیا جاتا جنگوں کا یہ سلسلہ ختم ہونے میں نہ آسکتا تھا۔ چنانچہ جب آپ مکہ پر قابض ہو گئے تو اس کے بعد مکہ سے پھر مدینہ پر حملہ نہیں ہوا۔

فتح مکہ کے نتائج و اہمیت

۲۔ مکہ کو عرب میں مرکزیت حاصل تھی۔ خانہ کعبہ کی موجودگی میں تمام عرب اس شہر کو مقدس مرکز سمجھتے تھے یہود اور مشرکین اہل اسلام کو طعنے دیتے تھے کہ اگر تمہارا دین آساہی سچا ہے تو تم کعبہ پر کیوں قابض نہیں ہو جاتے چنانچہ کعبہ پر قبضہ کے بعد یہودیوں اور مشرکین کو پھر یہ طعنے دینے کی ذہانت نہ آئی۔

۳۔ بہت سے قبائل اسلام قبول کرنے سے اس لئے رکے ہوئے تھے کہ وہ قریش کے حلیف تھے ان کے نزدیک اسلام لانا بمنزلہ عہد شکنی تھا۔ جب مکہ فتح ہو گیا۔ قریش کی طاقت ختم ہو گئی تو وہ قبائل جو ق درجہ دارہ اسلام میں داخل ہوتے گئے۔

۴۔ بہت سے قبائل کی رائے تھی کہ مکہ پر وہی قابض ہو گا جس کے ساتھ تائید ایزدی ہو وہ اس بات کے منتظر تھے کہ آیا مسلمان مکہ پر قابض ہوتے یا کہ نہیں۔

۵۔ بہت سے قبائل قریش کے مقابلہ میں کمزور تھے۔ اسلام قبول کرنے سے اس وجہ سے رُکے ہوئے تھے کہ وہ لوگ قریش کے غصہ کا مرکز بن جائیں گے۔

۶۔ فتح مکہ کے بعد جاہلی نظام کی عمارت پیوند خاک ہو گئی اور اسلام کے مذہبی اور سیاسی نظام کو تفوق حاصل ہو گیا۔

۷۔ فتح مکہ نے یہ عیاں کر دیا کہ رسول کریم صلعم کے سامنے کوئی بنیادی مقاصد نہیں تھے بلکہ صرف ایک ہی مقصد تھا کہ اللہ کی عبادت اور نیکی کو فروغ ہو۔

۷

۸۔ بیت اللہ بتوں کی الٹاش سے بالکل پاک ہو گیا۔

۹۔ فتح مکہ کے بعد سارا عرب متحد ہو گیا اور اسلام کی صداقت کی کہیں دوسرے ملکوں کو منور کرنے لگیں البتہ شام اور ایران نے اس بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کی کوشش کی لیکن وہ خود اس کی لہروں کی نذر ہو گئے۔ ان حملوں نے عربوں میں قوت اور اتحاد پیدا کر دیا اور وہ متحد ہو کر ان عظیم سلطنتوں سے ٹکرا گئے فتح مکہ

کا ایک یہ نتیجہ نکلا کہ ملک میں یہودیوں کی اجارہ داری ختم ہو گئی اور انہوں نے عربوں کو جس معاشی لوٹ کھسوٹ کا شکار بنایا ہوا تھا اس کا خاتمہ ہو گیا۔

۱۰۔ مکہ پہنچ کر باقی علاقوں میں شورشوں کا خاتمہ آسانی سے ممکن ہو گیا تب تک اور موتہ میں ان رہے رہے قبائل

اور ان کی سرکشی کا خاتمہ کر دیا جو ابھی تک اسلام کے خلاف سازشوں میں شریک تھے اور مسلمانوں کے خلاف محاذ بنانے میں مصروف تھے۔ ان علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد اب جزیرہ نما عرب میں مسلمانوں کا کوئی مخالف باقی نہیں رہ گیا تھا۔

۱۱۔ فتح کے بعد رسول کریم صلعم نے تبلیغ دین کا کام نہایت تیزی سے شروع کر دیا۔ جس کے نتیجے میں اردگرد کے ملکوں میں اسلام کا چرچا عام ہونے لگا اور بڑے بڑے عمائدین دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔

۱۲۔ فتح مکہ سے مسلمانوں کے لئے سیاسی، تجارتی اور مذہبی میدان میں کامیابی کے راستے کھل گئے۔

۱۳۔ فتح مکہ تاریخ اسلام میں ایک شاندار انقلاب کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔ اس معرکہ میں صرف تین مسلمان شہید ہوئے اور اٹھارہ کفار ہلاک ہوئے لیکن اس جانی نقصان کے مقابلہ میں جو عظیم فتح حاصل ہوئی اس کی مثال نہیں مل سکتی۔

۱۴۔ کافر اور مشرک گروہ اگر اسلامی حکومت کا حلیف بنا چاہے تو بہ تعاضد سے مسلم مفاد اس کو حلیف بنایا جاسکتا ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ حلیف کے مال اور اس کی جان و ابر و سب کو اپنے جان و مال، ابر کی طرح سمجھے۔

۱۵۔ اگر کسی نے دنیوی بادشاہ اور نبی الرحمۃ کے درمیان فرق معلوم کرنا ہو تو فتح مکہ اس کے لئے ایک واضح دلیل ہے۔ تاریخ سے یہ بات واضح ہے کہ جب کسی دنیوی بادشاہ نے کسی ملکہ کو بزور شمشیر فتح کیا تو اپنے دشمنوں کو تہ تیغ کر ڈالا۔ لیکن رحمۃ اللعالمین جب اپنے دشمنوں پر غالب آتے ہیں تو ان کے سنگین جرائم کے باوجود سب دشمنوں کو معاف کر دیا۔

۱۶۔ مسلمان جب کسی غیر مسلم طاقت سے معاہدہ کریں تو جس مدت کے لئے معاہدہ ہوا ہے اس مدت کو پورا کریں اور معاہدہ کی خلاف ورزی نہ کریں ہاں اگر معاہدہ خلاف ورزی کریں تو پھر مسلمان بری الذمہ ہیں بلکہ بعض حالات میں تو معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے والی طاقت کا استیصال امن کی خاطر ضروری ہے۔

## غزوة حنین

شوال ۶۲۰ھ فروری

۱۔ جب مکہ فتح ہو گیا تو تمام قبائل نے رسول کریم صلعم کو سچا نبی مان کر اسلام قبول کرنا شروع کر دیا لیکن ہوازن اور ثقیف کے قبائل نے سوچا کہ اگر ہم مسلمانوں کو شکست دے دیں تو اہل مکہ کے جس قدر باغات و جاگیرات طائف میں ہیں وہ بلاد غدغہ ہمارے ہوں جائیں گے۔

۲۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمان فتح مکہ کے بعد ان پر تہ بول کر ان کی ریاست اور امتیاز کو ختم کر دیں گے چنانچہ

ہوازن کے رئیس مالک بن عوف نے یقین اور ہوازن کی تمام شاخوں کو جنگ پر آمادہ کیا۔ تاہم کعب اور کلاب الگ رہے۔ قبیلہ جشم کے کہنہ مشق درید بن الصمہ کو بھی بحیثیت مشرک کے ساتھ لے لیا گیا۔ اس کی عمر اس وقت سو برس سے زیادہ ہو چکی تھی۔

**جنگ کی تیاری** رسول کریم صلعم کو ان واقعات کا علم ہوا تو آپ نے تصدیق کے لئے حضرت عبداللہ بن ابی بدر و دو کو بھیجا انہوں نے دشمن کی فوج میں کئی دن تک رہ کر حالات معلوم کئے۔ پھر مکہ واپس آئے تو آپ کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔ آپ نے مجبوراً مقابلہ کی تیاری شروع کی۔ عبداللہ بن ربیعہ سے تیس ہزار درہم فرض لئے۔ صفوان بن امیہ سے اسلحہ جنگ مستعار لیا اس نے سوزر میں پیش کیوں اور ساتھ ہی بقدر کفایت ہتھیار بھی مہیا کئے۔

**شوال ۶۱۰ء میں اسلامی لشکر جس کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ پورے ساز و سامان کے ساتھ حنین کی طرف بڑھا۔ اتنی تعداد اور اسلحہ کی وجہ سے بعض صحابہ کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ الفاظ پسند نہ آتے۔ اب اللہ تعالیٰ نے یہ دکھانا چاہتا تھا کہ مسلمانوں کی فتوحات محض اس کی نصرت اور فضل سے تھیں۔ آغاز جنگ میں مسلمانوں کو پسپائی سے دوچار ہونا پڑا۔**

حنین کی لڑائی جبل اوطاس کے دروں اور پڑ پڑ وادیوں کے قریب ہوئی تھی۔ دشمن لشکر اسلام کے آنے کی خبر سن کر پہاڑ کے دروں میں چھپ گیا تھا۔ جو نہی مسلمان پچیدہ گزر گاہوں میں ہو کر نشیب کی طرف اترے۔ اچانک لشکر کفار نے کین گاہوں سے نکل نکل کر تیر اندازی شروع کر دی۔ اس غیر متوقع حملہ نے مسلمانوں کو سرسیمہ اور حواس باختہ کر دیا۔ دو ہزار طلقاتے مکہ سب سے پہلے میدان چھوڑ کر بھاگے ان کو دیکھ کر مسلمانوں میں بے ترتیبی اور پسپائی کی صورت پیدا ہو گئی۔

رسول کریم صلعم صرف چند صحابہ کے ساتھ میدان جنگ میں رہ گئے اور فرما رہے تھے میں خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں! آپ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار کو آواز دو۔ انہوں نے آواز دی۔ اسے انصار کے گروہ اسے بیعت رضوان والو۔ جو نہی یہ پکارا اسلامی لشکر نے سنی۔ دفعۃً آواز کی طرف پلٹے آئے۔ ایسا سخت حملہ کیا کہ لڑائی کا رنگ ہی بدل گیا۔ بنو ہوازن کے میدان جنگ میں بہت سے آدمی مارے گئے۔ باقی بھاگ گئے۔ یقین کی ایک شاخ بنو مالک نے تھوڑی دیر میدان کا زارہ گرم رکھا۔ آخر شتر آدمیوں کو میدان جنگ میں چھوڑ کر فرار کی راہ اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے ان کا علمبردار عثمان بن عبداللہ بھی مارا گیا۔

(مال غنیمت میں چوبیس ہزار اونٹ چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی اور چھ ہزار قیدی تھے۔)

۱۔ مقدمۃ الجیش میں جو حضرت خالد بن ولیدؓ کی قیادت میں تھا

زیادہ تر فتح مکہ نے زمام نوجوان تھے۔ وہ نخوت اور غرور

**عارضی پسپائی کے اسباب**

میں اسلحہ جنگ... پہن کر نہیں تھے۔

۲۔ لشکر میں دو ہزار ایسے لوگ تھے جن کے دلوں میں اسلام راسخ نہیں ہوا تھا۔ جب ان کے پاؤں اکھڑ گئے تو پرانے صحابہ میں بے ترتیبی پیدا ہو گئی۔

۳۔ کفار نے میدان جنگ میں پہلے پہنچ کر مناسب مقامات پر قبضہ کر لیا اور تیر انداز کیبن گاہوں میں چھپ گئے تھے۔ جب اسلامی لشکر میدان جنگ میں اترتا تو تیر اندازوں نے اچانک تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔

۴۔ اس جنگ میں بعض لوگ محض اس لئے شریک ہوئے تھے کہ مسلمانوں کو عین جنگ میں دھوکہ دیں اگر موقع ملے تو آنحضرت کو قتل کر دیں۔

**غزوہ اوطاس**  
درید بن الصمہ کئی ہزار کی جمیعت نے کہ اوطاس آیا۔ حضرت رسول کریم صلعم نے ابو عامر اشعری کو تھوڑی سی فوج دے کر بھیجا۔ محصورین نے مقابلہ کیا۔ ابو عامر اشعری شہید ہو گئے۔ ان کے بعد ابو موسیٰ اشعری نے علم سنبھالا۔ جلد ہی درید قتل ہو گیا اور دشمن شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ بے شمار قیدی ہاتھ آئے۔

**محاصرہ طائف**  
حین کی بقیہ شکست خوردہ فوج طائف میں جا کر محصور ہو گئی۔ سال بھر کا رسد کا سامان جمع کر لیا۔ چاروں طرف منجیق اور تیر انداز متعین ہوئے۔ رسول کریم صلعم خود

طائف کی طرف بڑھے۔ حضرت خالد بن ولید کو مقدمتہ الجیش کے طور پر پہلے روانہ کر دیا گیا (غرض محاصرہ ہوا یہ پہلا موقع تھا کہ رسول کریم صلعم نے منجیق۔ دبابے اور اسی طرح قلعہ شکن آلات استعمال فرمائے پھر مسافری دباؤ ڈالنے کے لئے بیرون قلعہ ان کے باغات کو تباہ کرنے کی دھمکی دی۔ لیکن اہل طائف کی درخواست پر باغوں کی مزید قطع و برید روک دی گئی۔

آپ نے ایک تدبیر اختیار کی۔ وہ یہ کہ ایک اعلان کرادیا کہ دشمن کے ملک سے جو غلام بھاگ کر آئے گا اور اسلام قبول کرے گا۔ وہ آزاد سمجھا جائے گا۔ اس اعلان کا بہت فائدہ ہوا۔ ایک اور انتظام کیا وہ یہ کہ فیصل کے اطراف میں کانٹے بکھیر دیئے گئے۔

اہل طائف نے دباؤں پر لوہے کی گرم سلاخیں برسائیں اور شدت سے تیروں کی بوچھاڑ کی چنانچہ مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ بیس دن تک محاصرہ جاری رہا لیکن شہر فتح نہ ہوا۔

رسول کریم صلعم نے زوفل بن سوادہ کو بلا کر مشورہ لیا۔ انہوں نے کہا۔ لوٹری بھٹ میں گھس گئی ہے اگر کوشش جاری رہی تو پکڑی جائے گی لیکن چھوڑ دی گئی تو بھی کوئی نقصان نہیں۔ رسول کریم صلعم نے محاصرہ اٹھالینے کا حکم دیا۔

۴۴  
 محاصرہ اٹھا کر آپ جبرائیل شریف لائے اور مالِ غنیمت کی تقسیم کی۔ مالِ غنیمت  
 تقسیم مالِ غنیمت | کے پانچ حصے کئے چار حصے حسبِ قاعدہ فوج میں تقسیم کئے گئے۔ خمس  
 بیت المال اور غربا و مساکین کے لئے رکھا۔

اس تقسیم میں نو مسلمانوں کو پُرانے صحابہ کی نسبت زیادہ حصہ ملا۔ ابوسعیان اور ان کے خاندان کو تین  
 سواونٹ اور ایک سو بیس اوقیہ چاندی۔ حکیم بن حزام کو دو سواونٹ نفیر بن عارث بن کلاب ثقفی کو ایک  
 سواونٹ۔ صفوان بن امیہ کو ایک سواونٹ قیس بن عدی کو سواونٹ سہیل بن عمرو کو سواونٹ حویطب بن  
 عبدالعزیٰ کو سواونٹ دینے گئے۔

تین مسلمانوں نے حصہ میں پیادہ کوئی کس چار اونٹ اور چالیس بکریاں اور سوار کو بارہ اونٹ اور ایک  
 سو بیس بکریاں آئیں۔

انصار میں سے بعض نوجوانوں کو یہ تقسیم پسند نہ آئی تو وہ پوچھ گچھیاں کرنے لگے۔ رسول کریم صلعم  
 کو علم ہوا تو انصار کو طلب فرمایا اور ایک خطبہ دیا۔ آخر میں آپ نے یہ الفاظ کہے۔

”اے انصار! کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ لوگ اپنے گھروں کو اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں  
 اور تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو لے کر اپنے گھر جاؤ“ انصار بے اختیار چیخ اٹھے کہ ہم کو صرف محمد  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درکار ہیں۔ ان کا یہ حال تھا کہ روتے روتے دائرہ حیاں تر ہو گئیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی میدانِ جنگ کے قریب ہی ٹھہرے ہوئے تھے کہ قبیلہ ہوازن اور  
 اور ثقیف کا ایک وفد رسول کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا کہ — اور انہوں نے رحم ہی درخواست  
 پیش کی اور کہا آپ کی رضاعی والدہ حضرت عیسیٰ قبیلہ ثقیف سے تعلق رکھتی تھیں۔

رئیس قبیلہ ثقیف نے کھڑے ہو کر رسول کریم صلعم سے خطاب کر کے تقریر کی: ”ان ایسروں میں بعض  
 عورتیں آپ کی چھو بھیاں ہیں بعض آپ کی خالائیں۔ خدا کی قسم! اگر سلاطین عرب میں سے کسی نے ہمارے  
 خاندان کا دودھ پیا ہوتا تو ان سے بہت کچھ امیدیں ہوتیں اور آپ سے تو اور بھی زیادہ توقعات ہیں“  
 حضور نے فرمایا کہ میں خود تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ اسی انتظار میں تقریباً دو ہفتے ہو گئے کہ مالِ  
 غنیمت تقسیم نہ کیا گیا آپ نے فرمایا کہ ”میں خاندان عبدالمطلب کے قیدیوں کو بلا معاوضہ آزاد کرتا ہوں“  
 (بخاری)

لیکن عام رہائی کی یہ تدبیر تباہی کہ ”نماز کے بعد سب کے سامنے یہ درخواست کرو“ چنانچہ نماز ظہر کے  
 بعد ان لوگوں نے یہ درخواست پیش کی کہ آپ نے فرمایا ”مجھ کو صرف اپنے خاندان کے حصہ پر اختیار  
 ہے لیکن تمام مسلمانوں سے ایسروں کی رہائی کی سفارش کرتا ہوں۔“ تمام مسلمان بول اٹھے ہمارا حصہ بھی  
 حاضر ہے اس طرح چھ ہزار جنگی قیدی ایک لمحہ میں آزاد ہو گئے۔

دشمن کے جنگی قیدیوں سے ایسا نیک سلوک اور عمل برتناؤ کا واقعہ تاریخ عالم پیش کرنے سے عاجز ہے۔

## ✓ غزوہ تبوک یا حبشِ عسرت

(رجب ۹ھ بمطابق ۶۳۰ء) اکتوبر ۶۳۰ء

جب ملک عرب میں پاروں طرف اسلام کا غلغلہ بلند ہوا تو سلطنت روم نے اس ترقی کو حسد کی نظر سے دیکھا پہلی لڑائی موتہ کے مقام پر ہوئی۔ جس میں رومیوں کے لشکر جبار نے شکست کھائی اس ہزیمت کا انتقام لینے کے لیے قیصر روم نے عتانی خاندان کو جو شام میں رومیوں کے زیر اثر حکومت کر رہا تھا اس مہم پر متعین کیا۔

شام سے قبلی سوڈاگر مدینہ آئے انہوں نے خبر دی کہ قیصر نے مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لئے لشکر گراں جمع کیا ہے اور فوج میں سال بھر کی تنخواہیں تقسیم کر دی ہیں اس فوج میں نخم، جذام اور عساکر کے تمام عرب شامل ہیں۔ رسول کریم صلعم نے خیال کیا کہ حملہ آور فوج کی مدافعت دور سرحد پر ہونی چاہیے تاکہ اندرون ملک امن کی فضا مگر نہ ہو۔ اس بنا پر رسول کریم صلعم نے فوج کی تیاری کا حکم دے دیا مگر کئی ایک موانع اور روکیں تھیں۔ سفر لمبا تھا۔ شدت کی گرمی تھی۔ فصل بکلی ہوئی تھی اور کاٹنے کا موسم تھا اس وجہ سے یہ وقت سخت آزمائش کا تھا۔

قرآن مجید نے سورۃ التوبہ میں "ساعت" مشکل گھڑی کہا ہے مگر رسول کریم صلعم کا ارشاد جان نثاران اسلام پر اثر کئے بغیر کیسے رہ سکتا تھا۔

منافق رسول کریم صلعم کی خدمت میں آتے غدر تراشتے اور مدینہ میں رہنے کی اجازت طلب کرتے آپ کی عادت تھی کہ جب آپ کے سامنے کوئی عذر کرتا تو انکار نہ کرتے تھے اس کے علاوہ دوسروں کے حوصلے پست کرنے کے لئے منافق یہ کہتے۔

یہودی کے گھر میں منافق جمع ہوئے اور لوگوں کو لڑائی میں شمولیت سے روکنے کی تدابیر سوچتے۔

سفر لمبا تھا مسلمان بے سرو سامان تھے۔ یہ دیکھ کر نبی کریم صلعم نے اُمر سے اپیل کی کہ غریب و فادار مجاہدین کی مدد کریں۔ صحابہ میں سے حضرت عثمانؓ نے ۹۰۰ سو

مالی اعانت

اونٹ ایک سو گھوڑے اور ایک ہزار دینار چندہ میں دیئے ان کو بحضرت حبش العسرة کا خطاب ملا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے چالیس ہزار درہم دیئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اپنے گھر کا تمام اثاثہ لاکر رسول کریم صلعم کی خدمت میں پیش کر دیا اور کہا کہ اہل و عیال کو خدا کے سپرد کر آیا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے گھر کا نصف مال و اسباب آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت ابو عیسیٰ انصاری نے دو سیر چھوہارے لاکر

پیش کئے اور کہا "رات بھر پانی نکال نکال کر ایک کھیت کو سیراب کر کے چار سیر چھو پار سے مزدوری میں کماٹے ہیں۔ ان میں سے دو سیر بیوی کے لئے چھوڑ آیا ہوں اور دو سیر آپ کی خدمت میں لے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ "ان چھوہاروں کو جملہ سازد سامان پر بکھیر دو"

رسول کریم تیس ہزار کا لشکر لے کر جب ۹؎ کو مدینہ سے تبوک کی طرف روانہ ہوئے اس لشکر میں دس ہزار سوار تھے۔

تبوک ایک مشہور مقام ہے جو مدینہ اور دمشق کے وسط میں نصف راہ پر مدینہ سے چودہ منزل پر ہے لشکر میں سوار یوں کی بڑی قلت تھی۔ ۸۸ مجاہدین کے لئے ایک اونٹ مقرر تھا۔ رسد کے نہ ہونے کی وجہ سے درختوں کے پتے کھانے پڑتے تھے جس سے ہونٹ متورم ہو گئے بعض جگہ پانی میسر نہ آیا تو اونٹوں کو ذبح کر کے ان کی امعاء کا پانی استعمال کیا۔

اس موقع پر حضرت علیؓ کو مدینہ کا حاکم مقرر کیا لیکن منافقین کے طعنے دینے کی وجہ سے راستہ میں ہی اسلامی فوج سے جا ملے۔

تبوک پہنچ کر آپؐ نے ڈیرہ ڈال دیا۔ حالات کا جائزہ لیا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے جوار لشکر کو دیکھ کر غسان، جذام اور نخم وغیرہ قبائل کے حوصلے پست ہو گئے اور قیصر روم نے حالات تذبذب میں مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کا کوئی فیصلہ نہ کیا۔ غرض آپؐ نے سرحد کو امن میں پایا۔

اس اثناء میں ایلہ کے سردار یوحنا رسول کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور جزیہ دینا منظور کیا۔ جزیہ اور اذرح کے عیسائی آئے اور انہوں نے بھی جزیہ ادا کرنے کا اقرار کیا اور آپؐ نے صلح نامہ لکھ دیا۔ دو مہ الجندل کا سردار اکیدر کے مقابلہ کے لئے حضرت خالد بن ولید کو چار سو سواروں کی جمیعت کے ساتھ بھیجا۔ حضرت خالدؓ نے اس کو گرفتار کر لیا اور اس شرط پر رہائی دی کہ خود رسول کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر شرائط صلح پیش کرے۔ چنانچہ وہ مدینہ آیا۔ آپؐ نے اس کو امان دی۔

تبوک میں بیس دن قیام کر کے واپس تشریف لائے۔

۱۔ اسی سال تبوک کی مہم سے واپس آنے کے بعد آپؐ نے منافقین کی سازش گاہ جس کا نام مسجد ضرار تھا، مسمار کرنے کا حکم دیا۔

## دوسرے اہم واقعات

۲۔ اسی سال مسلمانوں نے اسلام کے زیر اہتمام حج کیا۔ اس حج کے امیر حضرت ابو بکرؓ تھے۔ اور نقیب حضرت علیؓ۔ حضرت علیؓ نے رسول کریم صلعم کا یہ اعلان پڑھ کر سنایا کہ اب کوئی مشرک کعبہ میں داخل نہ ہو سکے گا۔ اور نہ کوئی بزہنہ طواف کر سکے گا اور سورہ توبہ کی آیات تلاوت کیں۔

۳۔ اسی سال رسول کریم صلعم کی خدمت میں سفارتی وفد آئے۔ اس سال کو عام الوفود کہا جاتا ہے۔ چند کا حال درج ذیل ہے۔



بت تھا۔ مشہور بت یہ تھے۔ لات، منات، عزی، سواع، ینوث، نسر، یعوق، صیل، اسان  
ناملہ، ووتھے۔

بت پرستی کے علاوہ عرب میں دہریت بھی تھی، اس کے پیرو خدا کی ہستی، بعث بعد الموت  
جزا و سزا وغیرہ کے قائل نہ تھے۔

جب مذاہب عالم پر نظر دوڑائی جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ مذاہب عالم توحید  
سے عاری ہو چکے تھے۔ ہندو کی مقدس کتاب وید کا مطالعہ کیا جائے تو وہ بھی توحید الہی سے  
بالکل خالی تھے۔ بجز وید میں دیوتاؤں کی تعداد تیس ہے۔ رگ وید میں دیوتاؤں کی تعداد ۳۳۰ ہے  
ہندو، روح، مادہ، اکاش اور زمانہ کو بھی خدا کے برابر ازلی ابدی سمجھتے ہیں، یہودی عزیز ابن  
خیال کرتے تھے عیسائی تثلیث کے قائل تھے۔ یعنی عیسائی باپ، بیٹا اور روح القدس تینوں کو خدا خیال  
کرتے تھے۔ ان کے عقیدہ کی رو سے خدا باپ، خدا بیٹا، خدا روح القدس تینوں ایک اور ایک  
تین ہیں۔ ان حالات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کا نعرہ بلند کیا۔ مخالفین ہوئے، ایذا  
دی گئیں۔ گھ سے ہجرت کرنی پڑی، مشرکین نے توحید کے درخت کو جڑھ سے کاٹ دینے کے  
لئے حملے کئے۔ تمام مخالفتوں کے باوجود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عرب سے بلکہ دنیا کی تمام مشہور  
تہذیبوں سے شرک کو مٹا دیا۔ عرب میں توحید کا پرچم لہرا دیا۔ وہ قوم جو دن رات بتوں کے سامنے  
سرنگوں رہتی تھی، وہی عرب قوم بتوں سے متنفر ہو کر خدائے واحد کے پرستار بن گئے اور اسی کی  
عبادت میں لذت محسوس کرتے تھے۔

تمام قرآن مجید توحید باری تعالیٰ کے اثبات اور شرک کے رو سے نہجراڑا ہے قرآن  
مجید میں آتا ہے:

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ (البقرہ آیت ۲۵۵) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، هُوَ اللَّهُ الَّذِي  
لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ (الحشر آیت ۲۳) وہ اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔  
حجۃ الوداع کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(مسند احمد) لوگو! سنو تمہارا رب ایک ہے۔

اخلاقی اصلاح | رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل اہل عرب میں زنا، چوری،  
قتل و غارت، شراب نوشی، امانت میں خیانت، ناحق الزام تراشی، غیبت و  
بہتان، تکبر، مکر و فریب، قمار بازی، وعدہ خلافی، غرض کہ ہر قسم کے اخلاقی عیوب پائے جاتے  
تھے۔ آپ نے اہل عرب میں ان اخلاقی سیرے کی بجائے اخلاق حسنہ پیدا کئے وہ اہل عرب جو

ہر وقت جنگ و جدل میں مصروف رہتے تھے اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ وہی عرب اخوت، مودت کی لڑی میں منسلک ہو گئے وہ عرب جو ہر وقت زنا میں لذت لیتے تھے اپنی عربوں نے عفت اور پاک دامنی کا شعار بنایا وہ عرب جن کا دن رات کا مشغلہ غصب و نہب، لوٹ مار تھا، وہی زکوٰۃ اور صدقات دے کر غرباً کی خبر گیری کرنے لگے، وہ عرب جو بکر کے نشتر میں ہر وقت چور رہتے تھے وہی انکساری اور عاجزی کے پندے بن گئے، وہ عرب جو خیانت کے عادی تھے وہی امین بن گئے غرض کہ ہر برائی اور عیب سے توبہ کر کے اخلاق فاضلہ کے زیور سے آراستہ ہو گئے۔

عربوں کی ان تمام برائیوں کی جڑ شراب نوشی تھی آپ نے اس کی تدریجاً اصلاح کی۔ جب آخری اعلان ہوا کہ آج شراب حرام ہو گئی ہے تو مسلمانوں کے گھروں سے شراب کے ٹکے اتنے لڑے کے مدینہ کی مایوں سے شراب بہنا شروع ہو گیا۔

اسلام سے قبل انسانیت کی مٹی پلید ہو رہی تھی۔ سماج طبقات میں منقسم تھا اور اس تقسیم کو قائم رکھنے کے لئے نئے نئے طریقے اور قوانین وضع کئے جاتے تھے۔

ظہور اسلام سے قبل سب سے متمدن اور مہذب سلطنت روما کی تھی۔ اس مہذب سلطنت میں انسان کئی طبقات میں منقسم تھا اور دونوں کے درمیان متعدد طبقات تھے جن کے حقوق کا تعین رنگ، نسل، مذہب، وطن، صحت، دولت وغیرہ کے لحاظ سے کیا جاتا تھا۔ جسٹینین (JUSTINIAN) جس نے روما کا قانون مدون کیا تھا اس نے قانونی نقطہ نگاہ سے سماج کو اس طرح تقسیم کیا تھا۔

۱- HONESTIORES (ہنسٹریز) یعنی ملک کا اعلیٰ ترین طبقہ جو امرا پر مشتمل تھا۔ بغاوت کے علاوہ اس طبقہ کے کسی فرد کو کسی بھی جرم میں سزائے موت نہیں دی جاسکتی تھی۔

۲- HUMILIORES (ہومیلیز) یعنی اس طبقہ کو بعض غیر معمولی حالات میں سزا دی جاسکتی تھی۔ ورنہ عموماً قید کی سزا دی جاتی تھی۔

۳- SERVI (سروی) سب سے ادنیٰ، بیچا اور فقیر طبقہ تھا۔ جس کے افراد کو معمولی سی معمولی جرائم کی سزا میں قتل کیا جاتا تھا۔ زندہ آگ میں جھونک دیا جاتا تھا۔ وحشی جانوروں سے ہڈیاں چھوئی جاتی تھیں۔

ایران میں بھی سوکائی چارھتوں میں منقسم تھی۔

۱۔ مذہبی طبقہ (آذروان)

۲ - فوجی طبقہ (آرٹھیاران)

۳ - عمال حکومت (دبیران)

۴ - عوام پیشہ ور لوگ اور کاشت کار (استرپوشاں و متھنشان) ایران میں سوسائٹی کی تقسیم مستقل تھی۔ کوئی فرد ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ میں منتقل نہیں ہو سکتا تھا۔ آتش پرست حکومت میں بااثر بااقتدار تھے ان کو پیشہ ور طبقوں سے (بالخصوص کھاروں) خاص عداوت تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے عقیدے کے مطابق آگ اور پانی کو ملانے والا گناہ عظیم کا مرتکب ہوتا تھا اس طبقاتی تقسیم کو قائم رکھنے کی غرض سے قانون وضع کیا گیا تھا۔ عوام کو حکومت کے معاملات میں مداخلت کا کوئی حق نہ تھا۔ یہ نجی ذات کا کوئی شخص نہ سرکاری دفاتر میں ملازم ہو سکتا تھا اور نہ اعلیٰ طبقہ کے لوگوں کی جائیداد خرید سکتا تھا۔

ہندوستان کی سماجی حالت اس سے بھی خراب اور دیگر لوگوں تھی ہندی سماج چار  
ذاتوں میں منقسم تھی۔

**ہندوستان**

۱ - برہمن - ۲ - چھتری - ۳ - ویشی - ۴ - شودر

ان چار ذاتوں کے بعد عوام کا شمار تھا جن کو آنتیجا (ANTYATA) بدی (HADI)

دوم (DOMA) چندالہ (CHANDALA) بدھاتو (BADHATU) وغیرہ نام دیئے گئے تھے۔

منونے اس تقسیم کو قائم رکھنے کے لئے قانون وضع کیا اور اس میں شودر کے لئے صرف ایک ہی فرض مقرر کیا کہ وہ ان تینوں کی خدمت کرے۔  
شودر کو دوبارہ کھنے کے لئے یہ قانون وضع کیا کہ شودر جس عضو سے برہمن کی ہتک کرے وہی عضو اس کا کاٹ دیا جائے۔ اگر برہمن کے برابر بیٹھے تو کمر پر داغ لگا کر چوڑے کٹوا کر ملک سے باہر نکال دیا جائے۔

مقدس کتابوں کا کوئی لفظ شودر کے کان میں اتنا پڑ جاتا تو سیہ پگھلا کر کان میں بھر دیا جاتا۔  
چار ذاتوں کا ذکر ہی کیا ایک ہی ذات کے لوگ ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا نہیں کھا سکتے تھے۔  
منوادیر مجنوں کے قوانین اس عہد کی عام سماجی تقسیم کی برائیوں کے شاہد ہیں۔

وادی دجلہ اور فرات کی قدیم اور مشہور تہذیب ہے۔ سیری آبادی مندرجہ  
ذیل طبقات پر مشتمل تھی۔

**سیری کی تہذیب**

۱ - فرمانروا۔ اس طبقہ کے ہاتھ میں عنان اقتدار تھا۔

۲ - کابن و پجاری۔ یہ وہ مذہبی طبقہ تھا جو عوام اور خواص کا مرجع اور علوم و فنون کا واحد

اجارہ دار تھا۔ فرماؤں کو بھی اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے کامیوں کے سامنے جھکنا پڑتا تھا۔

۳۔ امرا یہ طبقہ بڑے بڑے زمینداروں، تاجروں، ساہوکاروں پر مشتمل تھا۔ بین دین، تجارت، زراعت، بنکاری غرض کہ اپنی ہمہ گیر مسمعی کی بدولت تمام مادی وسائل پر قابض تھے۔

۴۔ اہل ہنر و اہل پیشہ۔ اس طبقہ میں اطباء، قانون گو، صنایع اور ملازمین شامل تھے۔

۵۔ زرعی مزدور، کاشت کار، یہ طبقہ تہی دست اور مفلس تھا اس کی حالت غلاموں سے بہتر نہ تھی یہ طبقہ امرا کے طبقہ کے رحم و کرم پر تھا۔

۶۔ غلام۔ سوسائٹی کا سب سے گرا ہوا طبقہ تھا تمام انسانی اور شہری حقوق سے محروم تھا۔

اگر پورے عرب اور حجاز پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کی سوسائٹی میں ایک طبقہ دولت مند اور دوسرا نادار اور مفلس تھا اس مفلس طبقہ کی اکثریت غلاموں اور پسماندہ دیہاتی آبادی پر مشتمل تھی۔

عورتوں کی حالت

قرون وسطیٰ میں عورتوں کی سماجی حالت بہت ہی خراب اور گری ہوئی تھی ایران میں دو طرح کی بیویاں تھیں۔

۱۔ زن پاؤشانی ہا۔ اس قسم کی بیویوں اور ان کی اولاد کو جائیداد سے حصہ ملتا تھا۔

۲۔ زن چگاری ہا، ان کی اولاد جائیداد سے بالکل محروم رہتی تھی۔ قانون کی نظر میں عورتوں کا کوئی حق اور مرتبہ نہیں تھا۔ بیویاں آپس میں ادل بدل ہو سکتی تھیں۔ قانون نے غلام اور بیوی کو ایک درجہ پر رکھا تھا عرب میں عورت وراثت میں حصہ دار نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ شوہر کے وارثوں کی ملک تصور کی جاتی تھی۔ تعدد ازدواج کی کوئی حد نہ تھی اور حتیٰ بیویاں کوئی شخص رکھنی چاہتا تھا۔ رکھتا تھا۔ دو حقیقی بہنوں سے ایک وقت میں شادی کر لیتے تھے۔ طلاق کا عام رواج تھا۔ خاوند جب چاہتا بیوی کو الگ کر سکتا تھا۔ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینے کی رسم بھی عرب میں تھی اگر کسی کے گھر میں لڑکی پیدا ہوتی تھی تو وہ شرم کے مارے گھر سے باہر نہیں نکلتا تھا۔

عرب میں استبضاع کی رسم تھی۔ جس کی تشریح اہل لغت نے یہ کی ہے کہ عورت صرف خواہش اولاد کے لئے اپنے خاوند کے سوائے دوسرے سے تعلق پیدا کرے بلکہ لکھا ہے کہ مرد اپنی عورت یا لونڈی کو کہہ دیتا تھا۔ یعنی غلام کو کہلا بھیجے اور اس سے

اولاد حاصل کرنے کے لئے تعلق پیدا کرو۔

غلاموں کی حالت

قرون وسطیٰ میں غلام کی حالت بے حد زبردستی تھی۔ اس کی حیثیت محض پالتو جانور کی تھی لہٰذا اگر کوئی ملازم یا غلام اپنے آقا کے خلاف عدالت میں

شکایت نے جاتا تو جیٹ مین کے قانون کے مطابق اس جرات پر نزلے موت دی جاتی تھی لیکن  
 غلامی وہ لعنت کا طوق تھا۔ اگر کوئی غلام اس طوق کو گردن سے اتارنے کی ہزار کوشش  
 کرتا۔ تو قانونی دشواریوں کی بنا پر ایسا نہ کر پاتا۔ اگر ان دشواریوں کے باوجود کوئی غلام آزادی بھی حاصل  
 کر لیتا تو سوسائٹی میں اس کا قانونی اور سماجی مرتبہ تسلیم نہیں کیا جاتا تھا۔ آزادی حاصل کرنے کے بعد  
 بھی اتنی تعظیم و تکریم میں کبھی کسی کا شائبہ بھی ہو جاتا تو غلامی کا طوق گردن میں ڈال دیا جاتا تھا۔  
 مزدور کا حال بہت پتلا تھا۔ سارا دن کام میں لگا رہتا لیکن پیٹ بھر کر اس کو کھانا نصیب نہیں  
 ہوتا تھا۔ بغیر مزدوری ادا کئے جبراً کام لیا جاتا غرض کہ عالمی سطح پر دنیا کی تمدن اقوام اور ممالک میں غلام  
 و راقا۔ غریب اور امیر آجر اور اجیر، کسان اور زمیندار کے امتیازات قائم ہو چکے تھے جس طرح موشوں  
 و مصنوعات کی نمائش لگتی تھی۔ اسی طرح غلاموں کی نمائش لگتی تھی اور ان کو نیلام کیا جاتا تھا۔ ان معاشرتی  
 زبیبوں کی تاریک رات میں اقیاب رسالت طلوع کرتا ہے اور ضیاء فاش کر دیتا ہے تمام معاشرتی برائیوں  
 کا قلع قمع کر دیتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرتی تفریقات ختم کرنے اور اصلاح معاشرہ  
 کے لئے تین اصول وضع کئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امتیازات اور تفریقات کو ختم کرنے کے لئے  
 عالمگیر اخوت کا جالغیر اپنیام سنایا۔ ارشادِ الہی ہے

عالمگیر اخوت

• (النساء: ۱۰) اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو! جس نے تمہیں ایک

بان سے پیدا کیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں  
 یعنی ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے  
 غیر مسلم اہل فکر بھی اسلامی اخوت کے معترف ہیں چنانچہ ریورینڈ مرے ٹائیس بیان کرتا ہے "اخوت اسلامی  
 یہ معاشرتی اور روحانی حقیقت ہے اسلام صرف ایک عقیدہ ہی نہیں بلکہ برحق ہے ایک قانونی نظام  
 ہے اور معاشرتی نظام بھی، اسلام میں واقعی ایسی اخوت موجود ہے جو رنگ و نسل، بطنے اور قومیت میں  
 اتحاد کی حامل ہے"

بھارت کے راجیہ سبھا کے سابق صدر رادھا کرشنن نے ایک مقالہ "مشرق، مغرب، مذہب  
 کے معاملے میں" سپرد قلم کیا اس میں اسلامی اخوت کی تعریف میں رقمطراز ہے "ہم اس امر سے انکار  
 نہیں کر سکتے کہ اسلام کا نظریہ اخوت نسل اور قومیت کی تمام رکاوٹوں سے بالاتر ہو جاتا ہے  
 یہ ایسی خصوصیت ہے جو کسی مذہب میں نہیں؟"

اخوت کا لازمی نتیجہ مساوات ہے۔ اسلام نوع بشری کو نفرت، کینہ،  
 عالم گیر مساوات

تفرقہ اور تعصب سے نجات دلا کر مساوات کا سبق دیتا ہے مسئلہ

ذات پات کو جڑ سے کاٹتا ہے۔ پامال شدہ لوگوں کو لوگوں کو اٹھا کر بڑوں کے دوش بدوش کھڑا کرتا ہے۔ عبادات سے یکسانیت اور مساوات کا کام لیا گیا ہے۔ ارشاد الہی ہے

(الحجرات ۴۹: ۱۳) اسے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری شاخیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ تم میں سے اللہ کے نزدیک شریف وہ ہے جو سب سے پرہیزگار ہے اللہ جاننے والا ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اس میں اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا "لوگو! بائے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ سے"

دنیا کا مشہور مورخ ایڈورڈ لگین لکھتا ہے "ایک ناقابل فراموش انقلاب جسے کہہ ارض کی تمام قوموں پر ایک نئے اور دائمی طرز کی اثر اندازی کی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عالمگیر برادری اور مساوات کا جو کلی اصول پیش کیا ہے وہ آنا عالم اشکارا ہے کہ یہاں اس کی تشریح کی ضرورت نہیں۔"

اسلام نے اصلاح معاشرہ کے لئے تکریم انسانیت کا سبق دیا ارشاد الہی ہے **تکریم انسانیت** (بنی اسرائیل ۷۱: ۱۷) یقیناً ہم نے نبی آدم کو عزت بخشی ہے۔ معاشرتی تفریقات اور امتیازات ختم کر دیئے اور تفریقات اور امتیازات ہی معاشرتی زندگی کو گھن کی طرح کھائے جا رہے تھے۔

عورت معاشرتی زندگی کا ایک اہم جزو ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے **عورت کا درجہ** دوسری تہذیبوں کے برعکس عورت کو سوسائٹی میں ایک بلند مقام دیا اور عورتوں کو بھی سوسائٹی کا قابل احترام فرد سمجھا جانے لگا۔ روحانی حیثیت سے عورت کو مرد کے برابر قرار دیا۔ ارشاد الہی ہے

(ال عمران ۱۹۵: ۳۰) میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل مناع نہیں کرتا مرد ہو یا عورت۔ تم سب ایک دوسرے سے ہو۔ دوسری جگہ آتا ہے

(المومن ۴۰: ۲۰) اور جو نیک عمل کرتا ہے مرد ہو یا عورت تو وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ ماویٰ لحاظ سے بھی عورت کے حقوق کو مرد کے برابر قرار دیا ہے وہ مرد کی طرح روپیہ کما سکتی ہیں اور جائیداد کی مالک ہو سکتی ہیں ارشاد الہی ہے

(النساء: ۳۲) مردوں کا حصہ ہے جو وہ کمائیں عورتوں کا حصہ

ہے جو وہ کمائیں۔

عورتوں کو مردوں کی طرح ورثہ کا حق وارث ٹھہرایا ارشاد الہی ہے

(النساء: ۷) عورتوں کے لئے اس سے ایک حصہ ہے جو ان کے ماں

باپ اور قریبی رشتے دار چھوڑیں۔

اسلام نے لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے، دو جیتی بہنوں کو یک وقت نکاح میں رکھنے، عورتوں کو بے وجہ مارنے، بار بار طلاق دینے اور رجوع کرنے، لاتعداد عورتوں کو نکاح میں رکھنے، اولاد حاصل کرنے کے لئے غیر مرد سے ہم بستری کروانے، روپیہ کمانے کے لئے لونڈیوں کو پیشہ کروانے کو حرام قرار دیا اسی طرح اسلام نے بحیثیت لڑکی، بیوی، ماں وغیرہ کے حقوق متعین کئے۔

ایک مشرق اسلام میں عورت کے رتبہ کے بارہ میں لکھتا ہے ”آپ نے عورت کو ملکیت کے درجہ سے نکال کر مالیت کا درجہ بخشا۔ اور اس کو پہلا شرعی وارث قرار دیا۔ جس کے اغراض کی حفاظت قانون اسلام پر واجب ہے“

**غلام** معاشرہ کا ایک مظلوم رکن غلام تھا۔ اسلام کی تعلیم کو مسئلہ غلامی کے متعلق دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

اول۔ غلاموں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی آزادی کا بندوبست

دوم۔ مستقبل میں ہمیشہ کے لئے غلامی کو ختم کرنے کے متعلق تعلیم۔

**غلاموں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی آزادی کا انتظام** قرآن مجید میں آتا ہے ”اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ

کسی چیز کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور قریبیوں کے ساتھ بھی، اور یتیموں اور مسکینوں اور قریبی یتیم اور یتیم کے پڑوسی اور یتیم کے پڑوسی اور پاس والے ساتھی اور مسافر اور ان کے ساتھ بھی جن کے تمہارے داہنے ہاتھ ہاٹک ہوئے (غلام) (النساء: ۳۶)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں خدا نے ان کو تمہارے ماتحت کر دیا ہے تو جس بھائی بہن کو اللہ تعالیٰ اس کے ماتحت کر دے اس کو چاہیے کہ جیسا وہ خود کھاتا ہے ویسا ہی ان کو کھلائے اور جیسا خود پہنتا ہے ویسا ہی ان کو پہنائے اپنے غلاموں کو ایسا کام نہ دے جو ان کی طاقت سے باہر ہو اور کبھی ایسا کام دو تو پھر اس کام میں خود ان کی مدد کرو (بخاری)

حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا ”تمہارے غلام! تمہارے غلام! جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ جو خود

پہنو وہی ان کو پہناؤ“ (ابن سعد)

مسائل آزادی | اسلام نے غلاموں کو آزاد کرنے کے متعلق دو طریقے اختیار کئے ہیں۔

۱۔ طوعی -

ب۔ جبری

قرآن مجید میں آتا ہے

طوعی طریقہ

(البقرہ: ۹۰-۱۲-۱۳) تجھے کیا خبر کہ اپنی گھائی کیا ہے کسی گردان کا آزاد کرنا  
حدیث میں آتا ہے "جو شخص کسی ایک نفس کو آزاد کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کو غلام کے ہر  
عضو کے بدلے میں دوزخ کی آگ سے آزاد کرے گا (بخاری، مسلم)

ایک اعرابی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! آپ کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جو جنت میں داخل کر دے آپ نے فرمایا تم نے لفظ تو مختصر کہے ہیں مگر بہت  
بہت بڑی دریافت کی ہے۔ غلام کو آزاد کرو اگر اکیلے آزاد نہ کر سکو تو دوسروں کے ساتھ مل کر آزاد کرو

اسلام نے غلاموں کو آزاد کرنے کے لئے بعض گناہوں کے کفارہ میں غلام آزاد  
کرنے کا حکم دیا ہے۔ ۱۔ قتل خطا (غلطی سے قتل کر دینا) ۲۔ قسم کھا کر توڑنا

۳۔ روزہ توڑنا۔

اسی طرح اسلام نے غلاموں کو آزاد ہونے کے لئے سببوں میں ہتیا کر دی تھیں۔

یعنی جو غلام آزاد ہونا چاہتے اسلام نے اس کو یہ حق دیا ہے کہ وہ آقا کو ایک مقررہ رقم  
دے کر جو دونوں میں طے ہو جائے۔ آزادی حاصل کر سکتا ہے۔

مکاتبت

تدبیر سے مراد یہ ہے کہ آقا غلام سے کہے "تو میری موت کے بعد آزاد ہے" تدبیر سے  
بھی غلام لازماً آزاد سمجھا جاتا ہے۔

تدبیر

اسلام نے صرف افراد کو آزاد کرنے کے لئے بیت المال میں حصہ  
ترغیب نہیں دی بلکہ بیت المال میں

غلاموں کی آزادی کے لئے بیت المال میں حصہ

غلاموں کی آزادی کے لئے ایک مستقل مد مقرر کر دی ہے۔

اسلام نے غلامی کو ہمیشہ کے  
مستقبل میں ہمیشہ کیلئے غلامی کو ختم کرنے کے متعلق تعلیم  
لئے ختم کرنے کے لئے غلام

بنانا حرام قرار دیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

"بڑے لوگ وہ ہیں جو انسانوں کی خرید و فروخت کرتے ہیں" (ترمذی)

"بہت بڑے لوگ وہ ہیں جو آدمیوں کو فروخت کرتے ہیں" (بخاری)



جنگی قیدیوں کے متعلق اسلام نے یہ تعلیم دی ہے اگر جنگ میں قیدی پکڑے جائیں تو ان کی قید عارضی ہوگی۔ اختتام جنگ پر یا تو ان کو احسان رکھ کر چھوڑ دینا ہوگا یا قیدیہ لے کر قرآن مجید میں آتا ہے "سو جب تمہاری کافروں سے ڈر بھڑ ہو جائے تو گردنیں مارنا ہے یہاں تک کہ جب تم ان پر غالب آ جاؤ تو قید میں مضبوط باندھ لو۔ پھر بعد میں یا تو احسان کے طریق پر یا قیدیہ لے کر چھوڑ دو۔ یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے (محمد، ۴: ۲۷)۔

اس آیت میں جنگی قیدیوں کے متعلق واضح حکم دیا گیا ہے کہ یہ قید عارضی ہوگی جب جنگ ختم ہو جائے یا تو ان قیدیوں کو قیدیہ لے کر چھوڑ دینا ہوگا یا احسان کے طور پر۔

**مزدور** اسلام سے قبل مزدور کی حالت بہت ہی دگرگوں تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اصلاح کی۔ فرمایا "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تین قسم کے آدمی ہیں جن سے میں قیامت کے دن جھگڑا کروں گا، ایک وہ شخص جس نے مجھ کو اپنا عہد دیا اور پھر غداری کی اور ایک وہ شخص جس نے آزاد کو غلام بنا کر فروخت کیا اور اس کی قیمت کھائی، ایک وہ شخص جس نے کسی شخص سے اجرت پر کام لیا اور پورا کام کرایا مگر اس کو واجبی اجرت نہ دی۔ (بخاری)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانت فرمائی ہے کہ مزدور اور اجیر کو اس کی اجرت ملے کہے بغیر کام پر لگایا جائے۔ (زیبہقی)

فرمایا "مزدور کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دو" (ابن ماجہ)

**سیاسی اصلاح** اسلام سے قبل تمام متمدن ممالک میں بادشاہت تھی۔ اور بادشاہوں کو عام انسانی سطح اٹھا کر خدا کے قریب پہنچا دیا تھا۔ آپ نے بادشاہت کے ہتھوڑ کو ختم کر کے جمہوری نظام حکومت کی بنیاد ڈالی۔ ہر شخص بلا امتیاز مذہب و ملت رنگ و نسل ملک کے نظام میں حصہ لے سکتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ (وَأَمْدُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ) (الشوریٰ ۴۲: ۳۸) یعنی ان کا کام آپس میں مشورہ سے ہوتا ہے۔

**معاشی اصلاح** قرون وسطیٰ میں اقتصادی نظام پر نظر ڈالئے۔ تو چند برائیاں خاص طور پر نظر آتی ہیں۔ ۱) سود خوری (۲) قمار بازی (۳) تقسیم ترکہ کے قوانین نہ ہونا۔ (۴) مزدور سے بغیر مزدوری ادا کئے جبراً کام لینا۔

آپ نے ان تمام برائیوں کو ختم کر کے ایک متوازن اقتصادی نظام کی بنیاد ڈالی۔

**ملت نو کی تعمیر** رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قوت قدسیہ سے عربوں میں وہ عظیم انقلاب پیدا کیا جس کی مثال دنیا کی کبھی تاریخ میں نہیں ملتی۔ آپ کی بعثت سے قبل عرب ہر قسم کی برائی میں مبتلا تھے۔ اس کا اندازہ اس تقریر سے ہو سکتا ہے جو حضرت جعفر

طیار نے بادشاہ حبش کے دربار میں کی تھی۔ "اے بادشاہ! ہم جاہل اور گمراہ قوم تھے۔ بتوں کی پرستش کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، اپنے مہائیوں کو ستاتے تھے، بد اعمالیاں کرتے تھے، کمزوروں کا مال چھینتے تھے، تب خدا نے ہم میں ایک نبی کو مبعوث کیا، جس کی شرافت، صداقت، دیانت اور پاک بازی ہم سب پر روش تھی۔ اس نے ہمیں خدا کے واحد کی عبادت کی طرف بلایا اور ان بتوں اور پتھروں کی پوجا کرنے سے روکا۔ جن کو ہمارے آباؤ پوجا کرتے تھے، اس نے صرف ایک خدا کی اطاعت کا حکم دیا کہ اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ نماز، زکوٰۃ اور روزہ ہم پر فرض قرار دیا۔ سچ لے، امانت کو دیانت کیسا، واپس کرنے، رشتہ داروں اور ہمسایوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے، برائیوں سے بچنے، عیاشی اور خورجیوں سے احتراز کرنے کا حکم دیا۔ اس نے ہمیں نصیحت کی، کہ جھوٹ، ہرگز نہ بولو، جھوٹی گواہی نہ دو، بیانی کا مال نہ کھاؤ اور نہ عورتوں پر شبہ کرو۔ نہ ان پر سونپن رکھو۔ ہم نے اس کی تعلیم پر عمل کیا، ہم اس کی صداقت سے قائل ہو گئے۔ اور احکام الہی کی پابندی کی۔ اور اس کی توحید پر ایمان لائے۔ ہم مہنیا سے محترم ہیں۔ اور اپنا یہ کار بند ہیں۔

یہ تقریر ظاہر کرتی ہے۔ کہ عرب کن کن برائیوں میں مبتلا تھے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قلیل عرصہ میں ایک ایسی ملت نو کی تعمیر کی۔ جو ہر قسم کی برائیوں سے پاک تھی جس کا اقتدار سر ولیم میور بھی کرتا ہے۔ محمد صلعم کی تعلیم بہت مختصر اور سادہ تھی ان کی تعلیم نے حیرت انگیز تبدیلی پیدا کر دی۔ اور اہل مسیحیت سے لے کر تا این دم لوگوں میں ایسی روحانی بیداری کسی وقت بھی پیدا نہیں ہوئی۔ نہ لوگوں کے اندر ایسا ایسا جوش پیدا ہوا، کہ وہ اپنے ضمیر کی خاطر ہر قسم کی جانی، مالی قربانیاں گوارا کر سکتے۔

## وفات اللہ

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے خطبہ میں یہ اعلان فرما دیا تھا کہ "مجھے امید نہیں کہ آئندہ سال تم سے مل سکوں۔ موت کا یقینی ہو جانے کی وجہ سے آپ ضروری کاموں اور وصایا سے فارغ ہوتے رہے۔ ایک دن آپ احد تشریف لے گئے اور شہداء کی قبروں پر دعا فرمائی حضرت اللہ کو نصف شب کو آپ جنت البقیع تشریف لے گئے۔ وہاں دعا فرمائی۔

آغازِ ملامت سے ایک دن پہلے آپ نے حضرت اسامہ کی سرکردگی میں شام کی سرحد کی طرف لشکر روانہ کیا۔ ۲۹ صفر اللہ کو رسول کریم صلعم ایک جنازہ سے واپس تشریف لارہے تھے۔ راستہ میں ہی درد شروع ہو گیا۔ پھر شدید بخار ہو گیا۔ گیارہ دن تک خود نماز پڑھاتے رہے۔ آخری نماز مغرب کی پڑھائی۔ اس کے بعد آپ مسجد میں تشریف نہیں لے گئے اور حضرت ابو بکرؓ کو اپنی جگہ امام مقرر کر دیا۔ ۱۲ ربیع الاول اللہ کو طبیعت زیادہ خراب ہو گئی۔ چاشت کے وقت روح پاک جسد اطہر سے جدا ہو کر عالم قدس میں پہنچ گئی۔

تجہیز و تکفین کی خدمت خاص اعزہ و اقارب حضرت علی رضی اللہ عنہما اور ان کے دونوں صاحبزادے قثم اور فضل اسامہ بن زید اور شقران نے انجام دی۔

انصار کے اصرار پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اوس بن خولی انصاری کو حجرہ میں بلا لیا تھا۔ وہ پانی کا گھڑا بھر کر لاتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جسد اطہر کو سینہ سے لگا رکھا تھا۔ حضرت عباس اور ان کے دونوں صاحبزادے جسم مبارک کی کروٹیں بدلتے تھے۔ اسامہ اوپر سے پانی ڈالتے تھے۔ آپ کے جسد اطہر کو تین سو تکیوں میں کفایا گیا۔ ان میں قمیض اور عمامہ نہ تھا۔ تکفین سے فارغ ہونے کے بعد جسد مبارک کی آخری زیارت کرنے کے لئے پردہ ہٹا دیا گیا۔ معنوم مسلمان آخری دیدار کرنے کے لئے آنے لگے اور چشم پر نم کے ساتھ واپس لوٹنے لگے۔

نماز جنازہ پہلے قرابت داروں نے پھر مہاجرین نے پھر انصار نے پھر عورتوں اور بچوں نے ادا کی۔ رحلت کے ۳۲ گھنٹے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں دفن کر دیا گیا۔

اللهم صل علی محمد وعلی آل محمد

## اسلامی تعلیمات

عقائد | ۱۔ اللہ پر ایمان :- اس کی پہلی بنیاد توحید الہی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا لِلَّهِ، اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ اللہ پر ایمان  
لاؤ۔ اللہ کی توحید کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اپنی ذات، اپنی صفات اور اپنے  
افعال میں ایک ہے۔

رسولوں پر ایمان | انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا اصول دین میں سے ہے۔ یہ وہ  
مقدس ہستیاں ہیں جن کے دلوں پر جسیریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ  
کے احکام لے کر اترتا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔  
فرشتوں پر ایمان :- رسولوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے پیغام لانے والے کو فرشتہ کہتے  
ہیں۔ ان فرشتوں کا ماننا اور ان کو اللہ کے پیغام پہنچانے میں سچا ماننا ضروری ہے۔  
عذاب کی کتابوں پر ایمان :- اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تسلیم کے لئے رسولوں کو کتابیں  
دی ہیں۔ ان کتابوں میں اللہ کے حکم اور بھلائی کی باتیں لکھی ہیں۔ دائرہ اسلام میں داخل ہونے  
والے پر کتب سماوی پر ایمان لانا فرض ہے۔

آخرت پر ایمان :- ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ اس بات پر یقین رکھے کہ ایک  
دن ہماری دنیا مٹ جائے گی۔ اور ہم اپنے اللہ کے سامنے جائیں گے۔ اور اپنے اعمال کا

حساب دیں گے۔ اچھے عمل کرنے والے جنت میں لجا دیں گے۔ اور برے کام کرنے والے  
دوزخ میں جائیں گے۔

۱۔ کلمہ توحید:- اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا  
عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود

## ارکان اسلام

نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

۲۔ نماز :- قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَ اَقِمُوا الصَّلٰوةَ۔ نماز قائم کرو۔ ہر مسلمان کو دن میں پانچ

مرتبہ نماز ادا کرنے کا حکم ہے۔ قرآن میں ہے۔ جو نمازی اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں۔ ان پر

پھینکا رہے۔ کافروں سے پوچھا جائے گا۔ کہ تم دوزخ میں کیوں ہو۔ وہ کہیں گے کہ ہم بے نمازی تھے

۳۔ زکوٰۃ :- قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَ اَقُوا زَكٰوةً اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ اللہ تعالیٰ نے جو مال

دیسا ہے اگر وہ اس نصاب تک پہنچ جائے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان کیا

ہے۔ تو اس سے ایک خاص رقم کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو زکوٰۃ کہتے ہیں۔ معاشرے میں تقسیم

دولت کو درست رکھنے کے لئے زکوٰۃ بہترین ذریعہ ہے۔

۴۔ روزہ :- قرآن مجید میں آتا ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ۔ اس

لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔ سال بھر میں ایک مہینہ رمضان کا آتا ہے

اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ مسلمان اس مہینہ میں روزہ رکھیں۔ روزہ رکھنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ دن بھر نہ کچھ

کھائیں نہ پیئیں۔ زبان سے بری بات بھی نہ نکالیں۔ دوسری منع کی ہوئی چیزوں سے رکیں۔

۵۔ حج :- قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَ يَلْبِغُ عَلَيْكَ النَّاسِ رَجْعُ الْبَيْتِ : اور اللہ کا حق سے لوگوں

پر اس گھر کا حج کرنا۔ صاحب حیثیت مسلمانوں پر بیت اللہ کا حج کتنا فرض ہے۔ مسلمانوں کا یہ

بین الاقوامی اجتماع ہے جو ملت اسلامیہ میں اخوت اتحاد کا رشتہ مضبوط کرتا ہے۔

## سیرت و اخلاق نبوی

## اِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ

رسول کریم صلعم کے اخلاق کی تصویر حضرت عائشہ نے ان الفاظ میں کھینچی ہے:-

كَانَ خُلُقَهُ اَنْفُسًا۔ یعنی آپ کا..... خلق قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید میں کوئی حکم ایسا نہیں ہے

کی تفسیر عملی طور پر آپ نے نہ فرمادی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ کی سیرت کو مسلمانوں کے لئے اسوہ حسنہ قرار دیا ہے۔

ارشاد الہی ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 کی ذات آپ لوگوں کے لئے اسوہ حسنہ ہے۔ آپ کی حیات طیبہ ہر شخص کے لئے ایک کامل نمونہ  
 ہے۔ یتیم، تاجر، ہمسایہ، بیٹا، خاوند، مہاجر، فاتح، قاضی، مقنن، جنگ آزما سپہ سالار، رئیس مملکت  
 شد، عرض کہ تمام حالات مختلفہ میں آپ کی زندگی ہر قسم کے لوگوں کے لئے کامل نمونہ ہے۔ اس  
 لحاظ سے تاریخ عالم میں فرد واحد ہیں۔ دنیا کا کوئی آدمی بھی اپنے مذہب کے بانی کو اس حیثیت  
 سے پیش نہیں کر سکتا کہ اس کی زندگی تمام لوگوں کے لئے اسوہ حسنہ بن سکتی ہو۔ کسی کی زندگی میں شان  
 مال گریٹ نہیں پائی جاتی۔ اس لحاظ سے آپ کی زندگی تمام انبیاء علیہم السلام سے ممتاز نظر آتی ہے  
 اور آپ ان تمام اخلاق فاضلہ کے جامع ہیں جو انبیاء علیہم السلام میں متفرق طور پر پائے جاتے ہیں۔  
 آپ کے چند ایک اخلاق فاضلہ بیان کیے جاتے ہیں۔

**۱۔ صداقت** | صداقت سب نیکیوں کی جڑ ہے۔ قرآن مجید نے صدق پر بہت زور دیا ہے۔  
 ارشاد الہی ہے "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو انصاف کو قائم رکھنے والے  
 اللہ کے لئے سچی گواہی دینے والے رہو۔ گو معاملہ تمہاری ذات یا ماں باپ یا قریبیوں کے  
 خلاف ہو۔ اگر امیر ہو یا غریب تو اللہ کا دونوں کی نسبت تم پر زیادہ حق ہے۔ سو تم خواہشات کی  
 پیروی نہ کرو۔ اگر تم پیچ دار بات کر دیا پیچ سے اعراض کرو تو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے  
 جو تم کرتے ہو۔"

آپ کی صداقت سارے عرب میں مشہور تھی۔ یہی وجہ ہے جب آپ نے دعویٰ نبوت کیا  
 تو کفار میں جو لوگ آپ سے واقف تھے۔ انہوں نے آپ کو کاذب نہیں کہا بلکہ آپ کو محضوں  
 اور ساحر اور شاعر کہا۔

آپ کے شدید دشمن ابو جہل کا اعتراف ہے جب اس نے رسول کریم صلعم سے کہا ہم آپ  
 کو جھوٹا نہیں کہتے بلکہ اس پیغام کو جھوٹا کہتے ہیں جو آپ لائے۔

ایک روز قریش بیٹھے ہوئے تھے۔ رسول کریم صلعم کے خلاف مشورہ کرنے لگے تو نضیر بن حارث  
 نے کہا "محمد تمہارے سامنے بچہ سے جوان ہوا۔ وہ تم میں سب سے زیادہ پسندیدہ، صادق القول  
 اور امین تھا اور جب وہ بوڑھا ہو گیا ہے اور تمہارے پاس پیغام لایا ہے تو تم اسے ساحر، کاہن  
 شاعر، مجنون کہتے ہیں۔ خدا کی قسم وہ ساحر نہیں!"

جب خداوند تعالیٰ نے رسول کریم صلعم کو حکم دیا کہ اپنے اہل خاندان کو اسلام کی دعوت دو تو  
 آپ نے ایک پہاڑ پر چڑھ کر پکارا۔ یا معشر قریش جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا "اگر  
 میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر جبار آ رہا ہے تو تم یقین کر لو گے" سب نے کہا

ہاں کیونکہ ہم نے تم کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔

قرآن مجید میں آتا ہے **إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ** (محل) اللہ

## ۲۔ انصاف پسندی

انصاف اور بھائی کرنے کا حکم دیتا ہے۔ انصاف پسندی کو شعار بنانا بہت مشکل ہے۔ جبکہ فریقین میں سے ایک فریق دشمن ہو اور دوسرا دوست لیکن قرآن مجید میں آتا ہے اور یقیناً اللہ انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کسی فریق کی دشمنی تم کو جادہ انصاف سے منحرف کر دے۔ خبردار انصاف کو مد نظر رکھو۔ کیونکہ معدلت تقویٰ سے قریب ہے“ (قرآن مجید)

انصاف کے معاملہ میں آپ ایسے اعلیٰ اصول پر قائم تھے کہ دشمن اور دوست میں کوئی فرق نہ کرتے تھے۔

ایک دفعہ خاندان مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی۔ قریش کی عزت کے لحاظ سے لوگ چاہتے تھے کہ سزا سے بچ جائے اور معاملہ دب جائے۔ حضرت اسامہ بن زید کو رسول کریم صلعم کے پاس سفارش کے لئے بھیجا۔ آپ نے غضب آلود ہو کر فرمایا کہ بنی اسرائیل اسی وجہ سے تباہ و برباد ہوئی کہ وہ غزباً پر حد جاری کرتے اور امراء سے درگزر کرتے تھے ابن ابی عدرہ ایک صحابی تھے۔ ان پر ایک یہودی کا قرض تھا۔ صحابی بالکل مفلس اور نادار تھا۔ انہوں نے یہودی سے مہلت طلب کی وہ نہ مانا ان کو پکڑ کر رسول کریم صلعم کی خدمت میں لے گیا۔ آپ نے فرمایا کہ ان کا قرض ادا کر دو۔ انہوں نے عذر کیا۔ آپ نے فرمایا انہوں نے پھر وہی جواب دیا عرض کیا یا رسول اللہ خیر کی مہم قریب ہے۔ شاید وہاں سے واپسی پر کچھ ہاتھ آجائے تو میں ادا کر دوں۔ آپ نے پھر یہی حکم دیا کہ فوراً ادا کر دو۔ آخر اپنا تہ بند اس یہودی کو قرض میں نذر کیا۔ دوسرے عمامہ کھول کر کمر سے لپیٹ لیا۔

مہمان نوازی کی صفت آپ میں کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ مہمان نوازی میں کافر

## ۳۔ مہمان نوازی

اور مسلمان میں کوئی امتیاز نہ تھا۔ ایک دفعہ ایک کافر مہمان ہوا۔ آپ نے بکری کا دودھ پلایا۔ وہ سارے کا سارا پی گیا۔ آپ نے دوسری بکری کا دودھ پلایا وہ بھی پی گیا عرض سات بکریوں کا دودھ پلایا۔ جب تک وہ سیر نہ ہوا۔ آپ پلاتے گئے۔

حضرت خدیجہؓ نے آغاز نبوت میں رسول کریم صلعم کی ان الفاظ میں تعریف کی۔ آپ قرابت داروں سے نیک سلوک کرنے والے ہیں۔ آپ در ماندوں کو سواری دیتے ہیں۔ آپ ناداروں کی مدد کرتے ہیں۔ آپ مہمانوں کی خاطر مدارت کرتے ہیں اور آپ مصیبت زدہ لوگوں کی اعانت فرمانے والے ہیں“

رسول کریم صلعم نے مہمان نوازی کو اس قدر اہمیت دی کہ اس کو ایمان کا جز قرار دیا اور فرمایا کہ جو

شخص خدا اور قیامت کے دن پر ایمان لاتا ہے۔ اس کو چاہیے کہ وہ اپنے بہان کا جائزہ عزت کے ساتھ دے۔ کہا گیا رسول اللہ اس کا جائزہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک دن اور ایک رات اور بہانی تین دن کی ہے۔ اس کے آگے بہان پر صدقہ ہے۔

**۴۔ جو دو کرم** | قرآن مجید میں آتا ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ مَا كَانَ يَرْفَعُ رُءُوسَهُمْ** (بقرہ) اسے لوگو! جو ایمان لائے ہو اس میں سے کچھ خرچ کرو جو ہم نے تم کو دیا۔ قرآن مجید میں آتا ہے "اور سوالی کو نہ ڈانٹ" آپ سائل کو کبھی روز نہ فرماتے اور اگر کچھ بھی دینے کے لئے پاس نہ ہوتا تو سائل سے عذر کرتے گریا کوئی شخص معافی چاہتا ہے۔ ایک شخص نے بارگاہِ نبوت میں آکر سوال کیا آپ نے فرمایا کہ میرے پاس تو اس وقت کچھ نہیں۔ تم میرے نام پر قرض لے لو۔ میں پھر اسے آتا دوں گا۔ حضرت عمر نے کہا کہ خدا نے آپ کو یہ تکلیف نہیں دی کہ طاقت سے بڑھ کر کام کریں۔ آپ خاموش ہے ایک انصاری نے پاس سے کہہ دیا یا رسول اللہ داد و دہش کیجئے۔ رب العرش مالک ہے عسرت کا کیا ڈر آپ ہنس پڑے۔ روئے مبارک پر مسرت و انبساط کی لہر دوڑ گئی۔ اور فرمایا مجھے یہی حکم ملا ہے۔ ایک مرتبہ میں اقامت نماز کے وقت ایک بدو آیا اور آپ کا دامن پکڑ کر کہا کہ میری ایک حاجت باقی رہ گئی ہے خوف ہے کہ میں اس کو بھول نہ جاؤں۔ اس کو پورا کر دیجئے۔ چنانچہ آپ اس کے ساتھ تشریف لے گئے اس کی حاجت پوری کر کے آئے اور نماز پڑھی۔

**۵۔ صبر** | ارشادِ الہی ہے **وَاسْتَجِيبُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ (آل عمران)** صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔ **فَاَصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُو الْعِزْمِ مِنَ الْمُسْلِمِ (احقاف)** پس صبر کرو جس طرح اولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا۔ انسان کا بہترین وصف صبر ہے وہی دنیا میں ترقی کر سکتا ہے جو ایذاؤں اور دکھوں کو خذہ پشانی سے برداشت کرنے کے لئے تیار ہو۔ یہ وصف آپ میں بدرجہ اتم موجود تھا۔ ذاتی طور پر بہت صعوبات اٹھائے۔ آپ کی ساری اولاد سوائے حضرت فاطمہ کے آنکھوں کے سامنے نرت ہوئی۔ نہایت صبر سے کام لیا کوئی کلمہ شکایت و گلزاربان پر نہیں آیا۔

دعوتِ اسلام میں دکھوں اور مصیبتوں سے سامنا کرنا پڑا۔ دشمنوں سے دشنام سنیں ساحر کا بن بجنوں کہلویا اپنے اعز و اقارب اور دوستوں کو قتل ہوتے دیکھا مگر یہ سب کچھ خدا کی راہ میں برداشت کرتے اور انتقام کا خیال تک دل میں نہ لاتے۔

**۶۔ شجاعت** | قرآن مجید میں آتا ہے "اے ایمان والو! جب تم کافروں سے میدانِ جنگ میں مقابل ہو تو ان کو پیٹھ مت دو" (انفال) شجاعت انسان کا قیمتی جوہر ہے اس جوہر سے رسول کریم صلعم بدرجہ اتم متصف تھے۔ مصائب کی آندھیوں میں بھی گھبراہٹ اور اضطراب آپ سے کوسوں دور رہا۔ جب آپ کو مکہ سے ہجرت کر جانے کا حکم ہوا تو آپ حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ فارثور میں پھپھے

بھیجے تھے۔ دشمن طعون لگا کر فار کے منہ پر چلا گیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دشمن کے پاؤں دیکھے تو پریشانی اور اضطراب کے آثار ان کے چہرہ پر ظاہر ہوئے۔ رسول کریم صلعم نے حضرت ابو بکرؓ کو گھبراہٹ میں دیکھ کر نہایت ہی اطمینان کے عالم میں کہا: "گھبرائیے نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے" یہ وہ موقع تھا جب بڑے بڑے بہادروں کے دل بیٹھ جاتے ہیں۔

اس طرح جب سراقہ آپ کے تعاقب میں گھوڑا دوڑا کر قریب پہنچا تو حضرت ابو بکرؓ فرماتے ہیں کہ آپ نہایت اطمینان کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرتے جا رہے تھے میں بار بار پیچھے دیکھتا تھا کہ کہیں دشمن قریب تو نہیں آگیا۔

جنگِ اُحد میں جب کفار نے پیچھے سے دفعۃً حملہ کر دیا مسلمان میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ اس وقت بھی آپ کوہ گراں کی طرح نہایت شجاعت کے ساتھ میدان جنگ میں ڈٹے رہے۔ جنگ حنین میں جب تیر اندازوں نے مسلمانوں میں انتشار پیدا کر دیا اور مسلمان میدان جنگ سے پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔ لیکن رسول کریم صلعم اپنی جگہ پر کھڑے ہیں اور آواز دے رہے ہیں کہ "میں خدا کا بندہ اور رسول ہوں"۔

کسی سفر میں اکیلے درخت کے نیچے لیٹے ہوئے تھے کہ ایک دشمن تلوار لے کر آپ کے سر پر اُن پہنچا اور جگا کر کہا۔ اب کون تم کو میرے ہاتھ سے بچا سکتا ہے۔ آپ ذرا بھر بھی نہیں گھبراتے۔ نہایت پُر رعب آواز سے کہا اللہ۔ دشمن کے ہاتھ سے تلوار نیچے گر گئی۔ تب آپ نے تلوار اٹھا کر کہا۔ اب تم کو میری تلوار سے کون بچا سکتا ہے تو اس سس نے عاجزی کا اظہار کیا۔ آگ نے اسے چھوڑ دیا۔

صحابہ کرام کو رسول کریم صلعم کے ساتھ عقیدت کا یہ عالم تھا کہ آپ کے وضو کے پانی کو زمین پر گرنے نہیں دیتے تھے

## ۷۔ امتیازی سلوک سے نفرت

اس عقیدت کے باوجود آپ نے کبھی امتیازی سلوک روا نہیں رکھا۔ جنگِ خندق کے موقع پر آپ نے صحابہ کے ساتھ مل کر خندق کی کھدائی کی۔ ایک دفعہ سفر میں کھانا پکانے کا وقت آگیا۔ ہر آدمی کے سپرد کام ہوا۔ آپ نے اپنے ذمہ لکڑیاں اکٹھا کرنے کا کام کیا۔ صحابہ کرام نے ہر خد کہا کہ حضور آپ کے خادم حاضر ہیں۔ لیکن آپ نے صحابہ کرام کے ساتھ برابر کا کام کیا۔

مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت آپ نے صحابہ کرام کے ساتھ مل کر کام کیا۔

۸۔ انکساری و تواضع | رسول کریم صلعم کی طبیعت میں انکساری اور تواضع کوٹ کوٹ کر بھری تھی ایک دفعہ ایک شخص ملنے آیا لیکن نبوت کا رعب اس قدر طاری ہوا

کہ لرزٹے لگا۔ آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں میں بادشاہ نہیں ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت پکا کر کھاتی تھی۔ ایک دفعہ رسول کریم صلعم گھر سے باہر تشریف لائے لوگ تعظیماً اٹھ کھڑے ہوئے



فرمایا اہل عجم کی طرح تنظیم کے لئے نہ اٹھو۔

ایشارہ۔ رسول کریم صلعم کی زندگی میں صفت ایشارہ ایک نمایاں حیثیت رکھتی تھی ایک روایت ہے کہ حضرت زبیرؓ کی دو صاحبزادیاں اور حضرت فاطمہؓ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اپنے افلاس کی شکایت کی اور عرض کیا کہ غزوہ میں کینزیں آئی ہیں۔ ان میں سے دو ہم کو مل جائیں۔ آپ نے فرمایا بدر کے یتیم تم سے پہلے درخواست کر چکے ہیں۔

ایک صحابی نے شادی کی۔ سامان ولیمہ کے لئے گھر میں کچھ نہ تھا۔ رسول کریم صلعم نے فرمایا کہ عائشہؓ کے پاس جاؤ اور آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ۔ وہ صحابی گیا اور ٹوکری آٹے کی لے آیا حالانکہ گھر میں اس ذخیرہ کے سوا شام کے کھانے کو کچھ نہ تھا۔

ایک دفعہ ایک غفاری آکر مہمان ہوا۔ رات کو کھانے کے لئے صرف بکری کا دودھ تھا۔ وہ آپ نے مہمان کو دے دیا اور آپ تمام رات فاقہ میں بسر کی۔ حالانکہ اس سے پہلے شب بھی آپ نے فاقہ میں کاٹی تھی۔

روزمرہ کے معمولات میں سادگی کا یہ عالم تھا کہ اپنے ہاتھ سے کپڑے میں پیوند بھی لگا لیتے تھے۔ عدیؓ آپ سے ملنے کے لئے مدینہ آئے۔ وہ پہلے عیسائی تھے اور

۹۔ سادگی

قبیلہ کے سردار، رسول خدا اس وقت مسجد میں تھے۔ انہوں نے مسجد میں آکر سلام کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا۔ نام پوچھا اور ساتھ لے کر گھر کی طرف چلے۔ راستے میں ایک بڑھیا ملی۔ اس نے آپ کو روک لیا۔ اور بات چیت شروع کر دی۔ یہ باتیں کافی دیر تک جاری رہیں۔ عدیؓ حیرت میں تھے کہ یہ کیا فرما رہا ہے۔ ایک عام عورت سے اس طرح پیش آتا ہے۔ عدیؓ خود بھی رئیس تھے اور رومیوں کا جاہ و حشم والا دربار دیکھا تھا، دل نے گواہی دی کہ یہ شخص بادشاہ نہیں ہے مگر چہنچہ تو پٹے کا ایک گدا تھا۔ رسول خدا نے گدی کی طرف اشارہ کیا اور خود اس کے ساتھ اس گدے پر بیٹھ گئے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ کی عادت تھی کہ کسی کو بُرا نہ کہتے تھے۔ جب آپ کو کسی دو باتوں میں اختیار دیا جاتا تو ان میں سے جو آسان ہوتی اسے اختیار کرتے، بشرطیکہ اس میں گناہ کا شبہ نہ ہو۔ کیونکہ گناہ سے آپ دور رہتے تھے۔ کبھی اپنے ذاتی معاملے میں انتقام نہ لیا لیکن جو احکام الہی کی خلاف ورزی کرتا اس کے خلاف کارروائی کا حکم دیتے۔ یعنی احکام ربانی کے مطابق آپ اس کی سزا مقرر کرتے تھے۔ آپ نے نام لے کر کبھی کسی شخص پر لعنت نہیں کی اور کسی عمام یا لونڈی اور کسی عورت یا خادم یا جانور کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ آپ کسی کی درخواست رد نہ کرتے تھے۔ بشرطیکہ وہ ناجائز نہ ہو۔ آپ جب گھر میں تشریف لاتے تو مسکراتے ہوئے آتے۔ دستوں میں پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے۔ باتیں

ٹھہر ٹھہر کرتے تھے کہ کوئی یاد رکھنا چاہے تو رکھ سکے۔

۱۰۔ آداب گفتگو | حضرت علی کا قول ہے کہ آپ خندہ جبیں تھے اور نرم خو، سخت مزاج اور سنگدل نہ تھے، نہ شور و غل کرتے، نہ کوئی بُرا کلمہ مُنہ سے

نکلالتے، نہ عیب خور اور سخت گیر تھے۔ کوئی بات ناپسند ہوتی تو اغماض فرماتے، آپ کے نفس سے یہ تین باتیں بالکل خارج کر دی تھیں۔

۱۔ بحث و مباحثہ (۲) بے ضرورت باتیں (۳) بے مطلب باتیں پڑنا۔

آپ دوسروں کے متعلق بھی تین باتوں سے پرہیز کرتے۔

۱۔ کسی کو بُرا نہیں کہتے تھے (۲) کسی کی عیب گیری نہ کرتے (۳) کسی کی ٹوہ میں نہ لگتے۔

دوسروں کی خوش آمد پسند نہ کرتے، نہایت فیاض، نہایت راست گو۔ نہایت حلیم طبع اور نہایت خوش صحبت تھے اگر کوئی دفعتاً سامنے آجاتا تو مرعوب ہو جاتا لیکن جیسے جیسے آشنا ہو جاتا، آپ سے محبت کرنے لگتا۔

حضرت ہند بن ابی ہالہ کہتی ہیں کہ آپ نرم خو تھے۔ سخت مزاج نہ تھے کسی کی توہین روانہ رکھتے تھے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اظہارِ تشکر کرتے۔ کسی چیز کو بُرا نہیں کہتے تھے۔ کھانا جس قسم کا آتا تناول کرتے اور اس کو بُرا نہ کہتے۔ اگر کوئی کسی امر حق کی مخالفت کرتا تو آپ پسند نہ کرتے، لیکن ذاتِ معاملہ میں آپ کو کبھی غصہ نہ آتا۔ نہ کسی سے انتقام لیتے۔

۱۱۔ مروت | آپ مروت سے پیش آتے، ایک کافرہ عورت آپ کو ہر روز پریشان کرتی تھی ایک روز وہ نظر نہ آئی۔ آپ نے پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ بیمار ہے۔ آپ اس کی

عیادت کے لئے گئے وہ عورت آپ کی مروت اور اخلاق سے اتنا متاثر ہوئی کہ اسلام قبول کر لیا ابن عباس سے روایت ہے کہ قریش کے سردار آپ سے کہتے کہ یہ بلال صہیب، عمار، جناب اور ابن مسعود جیسے غریب لوگ جو آپ کی صحبت میں بیٹھتے ہیں۔ ان کے ساتھ ہم نہیں بیٹھ سکتے نہیں ہٹائیں تو ہم آپ کی مجلس میں آسکتے ہیں اور معلوم کر سکتے ہیں کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ آپ نے سردارانِ قریش کی یہ بات ماننے سے انکار کر دی۔ امام احمد نے اپنی مُسنَد میں ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے کہ ایک اور شخص آپ کی موجودگی میں ابو بکرؓ کو بے تحاشہ گالیاں دینے لگا۔ حضرت ابو بکرؓ وہ گالیاں سن کر مسکراتے رہے۔ آخر کار انہوں نے ایک سخت بات کہہ دی۔ رسول خدا وہاں سے فوراً ہٹ گئے، ابو بکرؓ پیچھے پیچھے ہو لیے اور آپ سے پوچھا کہ پہلے وہ گالیاں دیتا رہا تو آپ مسکراتے رہے میں نے اسے ایک بات کہہ دی تو آپ وہاں سے اٹھ آئے۔ حضورؐ نے جواب دیا کہ جب تک تم خاموش تھے۔ ایک فرشتہ تمہارے ساتھ رہا جو تمہاری طرف سے جواب دے رہا تھا لیکن

جب تم نے جواب دیا تو فرشتے کی جگہ شیطان آگیا۔ میں شیطان کے ساتھ تو نہ بیٹھ سکتا تھا۔

غزوہ حنین کے مالِ غنیمت میں حلیمہ کی بیٹی شیماء بھی تھیں۔۔۔۔۔ اس نے کہا کہ میں تمہارے

بہن کی رضاعی بہن ہوں۔ وہ اسے آپ کے پاس لے آئے حضور نے شیماء کو پہچان لیا اور ان کے بیٹھنے کے لئے خود چادر بچھائی۔ آپ کی آنکھوں میں فرطِ محبت سے آنسو بھر آئے اور آپ نے

اپنی رضاعی بہن کو چند اونٹ اور بکریاں عنایت فرمائیں اور کہا جی چاہے تو میرے گھر چل کر رہو اور

گھر جانا چاہو تو وہاں چلی جاؤ۔ چنانچہ عزت و احترام سے انہیں ان کی خواہش کے مطابق گھر بھیج دیا۔

آپ کی خوراک نہایت سادہ تھی۔ پرتلکاف نہ تھی جو کھانے کے لئے آنا

۱۲۔ خوراک اور لباس | کھا لیتے۔ اس میں نقائص نہ نکالتے تھے۔ لیکن طبیعت میں نفاست

تھی۔ مٹری اور بدبو دار چیز نہ کھاتے۔ برتن صاف ستھرے پسند کرتے۔ منہ سے بدبو آنے والی چیز نہ

کھاتے تھے۔ آپ سفید لباس زیب تن کرتے لیکن ریشمی لباس کو مردوں کے لئے پسند نہ کرتے تھے پوند

لگے ہوتے کپڑے پہن لیتے۔ لیکن غلیظ اور بدبو دار کپڑے نہ پہنتے تھے۔ مسواک کا روزانہ استعمال

کرتے خوشبو کا استعمال شوق سے کرتے۔ سر میں کنگھی کرنے کا بدستور شوق رہا۔ کھانے کی دعوت

قبول کر لیتے۔ لیکن بلا دعوت کسی کے گھر نہ جاتے۔ کھانا کھاتے وقت تکیہ کا استعمال نہ کرتے اور نہ

زیادہ بات چیت کرتے۔ رکابی میں اپنے سامنے سے کھاتے۔ شہد خاص طور پر مرغوب تھا۔

ارشادِ الہی ہے **وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ** (دشودی) اور قائم رہ جیسا کہ تجھے فرما دیا

۱۳۔ استقامت | حضورؐ اپنے قول و فعل پر قائم رہتے۔ ان کی ساری زندگی استقامت سے عبارت

تھی۔ جب آپ نے اعلانِ نبوت کیا تو اہل مکہ نے ابوطالب سے عرض کیا کہ وہ اپنے بھتیجے کو

اس نئے دین کی تعلیم سے باز رکھیں۔ ورنہ ہم دونوں فریقوں میں سے ایک ہلاک ہو جائے گا۔ اسی

دھمکی نے ابوطالب کو پریشان کر دیا۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ قریش اپنی بات کے پکے ہیں انہوں

نے آپ کو بلایا اور بڑے درد انگیز لہجے میں کہا کہ آنا بوجھ مجھ پر نہ ڈالو کہ جسے میں برداشت نہ کر سکوں۔

اس پر آپ نے جواب دیا کہ اے چچا۔ اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند لاکر

رکھ دیں۔ تب بھی میں اس کام کو نہیں چھوڑ سکتا۔ یہاں تک کہ خدا سے پورا کر دے یا میں خود اس گوش

میں ہلاک ہو جاؤں۔ یہ کہتے کہتے حضورؐ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور وہاں سے اٹھ کر چلے ہی تھے کہ

ابوطالب نے آواز دی اے بھتیجے ادھر آؤ۔ حضورؐ واپس آئے تو آپ نے کہا کہ تمہارا جو چہ چاہے کرو۔

میں ہرگز تمہارا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔ قریش نے عمارہ بن مغیرہ کو ابوطالب کے پیش کیا اور کہا "تم اس

ڑکے کو اپنی فرزندگی میں لے لو۔ اور اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دو" ابوطالب نے کہا کہ خوب

مشورہ ہے کہ میں اپنے فرزند کو تو تمہارے ہاتھوں ہلاک ہونے کے لئے چھوڑ دوں اور تمہارے بڑکے

کی پرورش کروں۔ اہل مکہ نے آپ کو دولت کا لایح دیا۔ شادی کے لئے حسین عورت کی پیش کش کی اور کہا اگر تم پر کوئی جن یا آسیب ہے تو بتاؤ ہم عرب کے بہترین کاہنوں، طیبوں اور جھاڑ پھونک کریموالوں کو تمہارے علاج کے لئے بلا رہے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ میں نہ مال و دولت جمع کرنا چاہتا ہوں نہ مجھے سرداری اور بادشاہت کی تمنا ہے نہ کسی عورت پر مائل ہوں نہ بیمار ہوں نہ آسیب زدہ ہوں۔ مجھے تو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ میں تمہیں اس کے عذاب سے ڈراتا ہوں، تم میرے پیغام کو قبول کر لو۔ اسی میں دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔

قریش اپنی تمام کوششوں میں ناکام ہو گئے تو آپ کو اپنے خاندان سمیت شعب ابوطالب میں محصور کر دیا۔ لیکن آپ کو لغزش نہ آئی اور اپنے ایمان میں استقامت قائم رکھی۔

قرآن مجید میں ایٹائے عہد کے متعلق آتا ہے "اور جو لوگ اپنی امانتوں اور عہدوں کی حفاظت کرتے ہیں" (۲۳: ۸) "اپنا عہد پورا کرو۔ (قیامت

۱۴۔ ایٹائے عہد

کے دن) عہد کی پوچھ ہوگی" (بنی اسرائیل) آپ وعدہ کے پکے اور اس سے انحراف نہ کرتے تھے جو شخص اپنا وعدہ پورا نہ کرے اس کو دوست نہ رکھتے تھے۔ قیصر روم نے جب ابوسفیان سے آپ کے متعلق پوچھا تو اس نے بھی جواب دیا تھا کہ آپ نے کبھی بد عہدی نہیں کی۔ ابورافع ایک غلام تھے۔ زمانہ کفر میں قریش کا کوئی پیغام لے کر مدینہ آئے اور یہاں سے جانے سے احتراز کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ میں عہد شکنی نہیں کر سکتا اور نہ قاصد کو روک سکتا ہوں۔ تم ایک مرتبہ مکہ جاؤ۔ اگر پھر تمہارا دل چاہے تو مدینہ چلے آنا۔ صلح نامہ حدیبیہ میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ مکہ کا کوئی شخص مدینہ گیا تو اسے واپس کر دیا جائے گا۔ ابھی معاہدہ کی تفصیلات طے ہو رہی تھی کہ ابوجندلؓ مکہ سے بھاگ کر آپ کے پاس آن پہنچا، وفد مکہ نے مطالبہ کیا کہ اسے ہمارے حوالے کر دیا جائے۔ ابھی معاہدہ پر دستخط نہیں ہوئے تھے لیکن آپ نے کہا کہ چونکہ ہم زبانی عہد کر چکے ہیں۔ اس لئے ابوجندلؓ کو واپس کر دیا۔ عبداللہ ابن حسا کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں نے آپ سے کوئی تجارتی معاملہ طے کیا اور تین دن کا وعدہ کر لیا تیسرے دن آیا تو آپ اس جگہ موجود تھے۔ ایٹائے عہد نہ کیا جائے تو عہد و پیمان کی قدر و قیمت باقی نہیں رہتی اسی لئے اسلام کے اجتماعی نظام میں اس کی قدر و منزلت کے لئے آپ نے اپنی زندگی کے نمونے پیش کئے۔

۱۵۔ امن پسندی

اسلام نے امن و سلامتی کا راستہ قائم کیا ہے۔ آپ نے ہمیشہ امن پسندی کی تبلیغ کی۔ معاہدہ مدینہ صرف امن و امان قائم رکھنے کے لئے طے کیا گیا تھا۔ حضورؐ نے فتح مکہ تک جتنی جنگیں لڑیں وہ جارحانہ نہ تھیں بلکہ مدافیانہ تھیں۔ البتہ جب مخالفین اور یہودیوں نے سازشیں کیں تو بعض امن و امان کی خاطر ان کے خلاف جنگیں لڑی گئیں غزوہ تبوک

کے موقع پر آپ تیس ہزار فوج لیے آگے بڑھے۔ لیکن جب دشمن مقابلہ کے لئے نہ آیا تو اس کے علاقہ پر جارحانہ حملہ نہیں کیا۔ بلکہ آپ خاموشی سے واپس آگئے۔ یہ اسلام کی امن دوستی تھی جس نے دوسروں کو تائب کر لیا تھا۔ آپ بلاوجہ جنگ سے گریز کرتے اور اسے طول نہ دیتے تھے۔ آپ کا حکم تھا کہ میدان جنگ میں بھی پہل نہ کی جائے بلکہ جب دشمن حملہ کے لئے لٹکارتے اور خود ہتھیار اٹھائے تو اس وقت جوابی کارروائی کی جائے۔ میدان جنگ میں قیدیوں کے لئے اعلیٰ سلوک کا حکم تھا جو لوگ جنگ بدر میں ہاتھ آئے۔ ان میں سے اکثر کو تعلیم دینے کے عوض رہا کر دیا گیا۔

قرآن میں آتا ہے ”إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (الحجرات: آیت ۵)  
**۱۶- اخوت اور مساوات** مومن بھائی بھائی ہیں..... آپ کی مساوات قابل تقلید

ہے۔ آپ غمی اور عربی، گورے اور کالے کے درمیان کوئی امتیاز نہ کرتے۔ آپ کہا کرتے تھے کہ سب لوگ ایک آدم کی اولاد ہیں۔ جن کا خیمہ سٹی سے اٹھایا گیا۔ مرنے کے بعد سب مٹی میں دفن ہو جائیں گے۔ کسی انسان کی بڑی اور عظمت اگر کسی چیز سے واضح ہو سکتی ہے تو وہ ہے ”تقویٰ“ آپ نے اپنے حسن اخلاق اور تقویٰ کی ایسی مثالیں پیش کیں کہ پورے تاریخ عالم میں اس کی مثال نہیں ملتی حضور امیران جنگ اور علموں کو تہ تیغ نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ان سے درگزر سے کام لیتے۔ آپ نے ہر انسان کے بنیادی حقوق تسلیم کئے اور انہیں قانون کی نظروں میں مساوی درجہ دیا۔ آپ نے امیری اور غریبی کا امتیاز ختم کیا۔ اور اسلام کا عادلانہ نظام رائج کیا۔ جہاں ہر شخص کا جان اور مال محفوظ تھا۔ آپ نے بلند منصب پر فائز ہونے کے باوجود آپ روزمرہ کے کاموں میں برابر کا حصہ لیتے۔ جنگ خندق کے موقع پر دوسروں کے ساتھ کھدائی کے کام میں شرکت کی مسجد نبوی کی تعمیر میں آپ بھی دوسروں کے ساتھ مل کر کام کرتے۔

قرآن میں آتا ہے خذ الْعَفْوَ الْعَفْوَ (۹۹) معاف کرنے کی عادت ڈالو۔ عبداللہ بن ابی  
**۱۷- عفو** مدینہ کا سب سے بڑا منافق تھا اور رسول خدا کے خلاف قریش مکہ سے ساز باز

جاری رکھتا تھا۔ قریش نے اسے لاپس دیا تھا کہ اگر تم ہمارا ساتھ دو گے تو ہم تمہیں مدینہ کا بادشاہ بنا دیں گے۔ اس نے جنگ احد میں کافی تعداد میں لوگوں کو گمراہ کیا اور جب وہیں میدان جنگ کی طرف پہنچیں تو ان کا ایک حصہ گمراہ کر کے اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اس کا لڑکا مسلمان ہو گیا۔ اور ایک دن آپ کے حضور عرض کی کہ یا رسول اللہ! اگر اجازت دیں تو میں اپنے باپ کو قتل کر دوں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں نے کچھ نہ کیا تو کوئی دوسرا میرے باپ کو قتل کر دے گا۔ اس وقت مجھے جوش بیعت میں اس آدمی کو قتل کرنا پڑے گا۔ حضور نے ارشاد فرمایا نہیں میں تمہارے باپ کو قتل نہیں کرانا

چاہتا۔ بلکہ اسے موقع دوں گا کہ وہ اپنی اصلاح کرے۔ عبداللہ بن ابی راہ راست پر نہ آیا۔ جب وہ مرا تو حضور کی شان دیکھتے کہ انہوں نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور مبارک کرتا اس کے کفن کے لئے عنایت فرمایا۔

فتح مکہ کے موقع پر جب آپ تقریر کر رہے تھے تو آپ نے لوگوں سے کہا کہ اے اہل مکہ تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے ساتھ سلوک کرنے والا ہوں (یعنی جو سلوک تم میرے ساتھ کرتے رہے ہو تمہیں پتہ ہے کہ اس کا بدلہ لیا جائے گا) اہل مکہ موقع شناس تھے۔ کہنے لگے ہم جانتے ہیں۔ آپ کریم ہیں اور کریم باپ کے بیٹے ہیں اس پر آپ نے فرمایا کہ پھر جاؤ۔ تم سے آج کوئی باز پرس نہ ہوگی۔ تم سب کے سب آزاد ہو۔

قرآن مجید میں آتا ہے ”وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا (بنی اسرائیل) اور اس کے درمیان راہ ڈھونڈو۔“ آپ کو میانہ روی بہت پسند تھی۔ آپ کا قول ہے ”خیر الامور اوسطها“ تمام امور میں میانہ روی بہتر ہے۔ آپ کھل کر ہنستے بھی نہ تھے بلکہ صرف مسکراتے تھے۔ طویل گفتگو نہ کرتے تھے۔ ضرورت سے زیادہ نہ کھاتے تھے۔ عبداللہ بن عمر روزانہ روزہ رکھتے اور ساری رات عبادت میں گزار دیتے۔ آپ نے انہیں میانہ روی اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو، روزہ بھی رکھو۔ اور کچھ وقت کے لئے چھوڑ بھی دو۔ رات کو عبادت کرو۔ لیکن سونے کا وقت ضرور نکال لو۔ دیکھو تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے۔ تمہاری آنکھ کا بھی کچھ حق ہے اور تمہاری بوی کا بھی کچھ حق ہے۔ اسی طرح حضرت عثمان بن مظعون نے جب راتیں نماز میں دن روزہ میں بسر کرنا شروع کیا تو آپ نے ان کو روکا اور فرمایا تمہارے ذمہ اور بھی حقوق ہیں۔

حضور اعلیٰ ذہانت کے مالک تھے۔ آپ خوش مزاج تھے۔ لیکن مزاج کا درجہ قائم رکھتے ایک مرتبہ ایک عورت نے آپ سے التجا کی کہ میرے لئے جنت کی دعا فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ بڑھی عورتیں جنت میں نہ جائیں گی۔ وہ عورت غلگین ہو گئی۔ آپ نے محسوس کیا کہ اس کی دل آزاری ہوئی ہے۔ فوراً فرمایا کہ جنت میں جانے سے پہلے سب کو جوان کیا جائے گا۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ نے ازراہ مذاق حضرت سوودہ کے منہ پر اٹا مل دیا۔ آپ مسکرائے اور حضرت سوودہ سے کہا کہ تم بھی عائشہ کے منہ پر اٹا مل دو تاکہ حساب برابر ہو جائے آپ ہر انسان سے خوش خلقی سے پیش آتے اور سلام میں پہل کرتے۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔ ”وَلَوْ شِئْنَا لَعَلَّيْنَا عَلَىٰ الْأَرْضِ عَدُوًّا لَّكُم مَّا كُنَّا بِكُمْ حَصَاةً“ (حشر ۵۹: ۹) اور اپنے اوپر تنگی ہی کیوں نہ ہو۔ وہ دوسروں کو اپنے سے مقدم رکھتے ہیں۔

دوسروں کی ضرورتوں کو اپنی ضرورتوں پر مقدم رکھنا یہی ایشیا ہے۔ خود بھوکا رہے دوسروں کو کھلائے۔ خود تکیف اٹھائے دوسروں کو آرام دے۔

ایک مرتبہ ایک عورت نے ایک چادر آپ کو تحفہ پیش کی اور آپ نے قبول فرمایا۔ آپ کو تحفہ پیش کی اور آپ نے قبول فرمایا۔ آپ کو اس چادر کی اشد ضرورت تھی۔ جب آپ زیب تن فرما چکے تو ایک شخص نے کہا۔ کیسی اچھی چادر ہے۔ آپ نے اتار کر اس کو دے دی۔ لوگوں نے ملامت کی اور کہا تم جانتے ہو کہ حضور کو چادر کی ضرورت تھی اور آپ نے کبھی سائل کے سوال کو رد نہیں کیا۔ پھر تم نے ایسا کیوں کیا۔ اس نے جواب دیا۔ ہاں میں یہ دونوں باتیں جانتا ہوں۔ لیکن میں نے حصول برکت کی غرض سے کیا ہے میں وصیت کر جاؤں گا کہ میرے مرنے کے بعد اس چادر کا مجھ کو کفن دیا جائے اور اس میں دفن کیا جائے (بخاری)

قرآن مجید میں رسول کریم صلعم کی مدح میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ  
ذٰلِكَ لَمَّا كَانَ يُدْرِي الْاٰنْثٰى يَنْتَحِي مِنْكُمْ رَا الْاَحْزَابَ (۵۳:۳۳) یعنی تمہاری

۲۱۔ شرم و حیا

اس بات سے رسول کو ایذا پہنچتی ہے تو تم سے شرمانا ہے۔

ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ پردہ نشین لڑکی سے بڑھ کر نبی کریم صلعم میں حیا تھی (صحیح بخاری) جب کوئی عذر خواہ سامنے آکر معافی کا طالب ہوتا تو رسول کریم صلعم شرم سے گردن جھکا دیتے (شفا و ص۵۲)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول کریم صلعم کو بر سگی میں کبھی نہیں دیکھا۔

## رسول کریم صلعم کا نظام حکومت

رسول کریم صلعم کی بعثت سے قبل تمام عرب قبائل میں بٹا ہوا تھا۔ ہر قبیلہ کا سردار الگ الگ ہوتا تھا۔ عرب میں کوئی مرکزی حکومت نہیں تھی۔ تمام قبائل ایک دوسرے سے برہر پیکار رہتے تھے۔ لٹ مار کا بازار گرم رہتا تھا۔

رسول کریم صلعم نے دعوت نبوت کے بعد تمام عرب کو اتحاد اور اخوت کی لڑی میں منسلک کر دیا۔ اور خدا سے اہام نپا کر ایک مکمل ضابطہ حیات دیا جس کا دائرہ ایک فرد کی انفرادی زندگی سے لے کر بین الاقوامی زندگی تک پھیلا ہوا ہے۔

مگر میں کفار کی سخت مخالفت کی وجہ سے ایسے حالات نہیں تھے کہ اجتماعی زندگی کا آغاز کیا جاسکے۔ جب رسول کریم صلعم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو اسلامی مملکت کی بنیاد پڑ گئی۔ اس سلسلہ کی پہلی کڑی میثاق مدینہ تھا۔ یہ معاہدہ یہود مدینہ اور مسلمانوں کے درمیان ہوا۔

جس کی بنیاد مذہبی آزادی، مشترکہ دفاع باہمی اتحاد اور مشترکہ مفاد کی نگہداشت کے اصولوں پر رکھی گئی تھی۔

رسول اکرم صلعم کے عہد مبارک میں اسلامی سلطنت کے نظام کے اہم خدوخال حسب ذیل ہیں :-

## اسلامی قانون کا سرچشمہ

۱۔ **قرآن مجید** اسلامی قانون کا سرچشمہ قرآن مجید تھا۔ جو وقتاً فوقتاً عند الضرورت اللہ تعالیٰ رسول کریم صلعم پر جبرائیل کے ذریعہ لفظاً اور معناً نازل فرماتا تھا۔ قرآن مجید تقریباً ۲۳ سال آپ پر نازل ہوتا رہا۔ اس میں اصولی طور پر ان تمام امور کو بیان کر دیا گیا ہے جو زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے۔

۲۔ **حدیث** اسلامی قانون کا دوسرا سرچشمہ رسول کریم صلعم کی اپنی ذات تھی۔ جب کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تو رسول کریم صلعم خود اس کو حل کر دیتے تھے۔ صحابہ کرام کا بھی یہی عمل تھا کہ کسی مسئلہ کے حل کرنے کے لئے پہلے قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے اگر وہاں سے کوئی واضح حکم نہ پاتے تو پھر رسول کریم صلعم کے اقوال کی طرف رجوع کرتے۔

۳۔ **اجتہاد** رسول کریم صلعم نے صحابہ کرام کو اجتہاد کرنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ حضرت اگر تمہارے سامنے کوئی فیصلہ پیش آجائے تو تم کس طرح فیصلہ کرو گے۔ انہوں نے جواب دیا کتاب اللہ کی روشنی میں اس کا فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر کتاب اللہ میں نہ ہو انہوں نے کہا جو رسول نے فیصلہ کیا ہے اس کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا وہ فیصلہ ان میں سے بھی نہ ہو۔ جس کا رسول نے فیصلہ کیا ہو تو پھر کیا کرو گے۔ انہوں نے جواب دیا اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کتابی نہ کروں گا۔ (البوداؤد - ترمذی)

یہ حدیث ظاہر کرتی ہے کہ رسول کریم صلعم کے عہد مبارک میں اسلامی قانون کے تین سرچشمے تھے۔ پہلا قرآن مجید دوسرا حدیث۔ تیسرا اجتہاد۔

۴۔ **مقتدر اعلیٰ** اس کائنات کے رنگ و بول کا خالق کون ہے؟ یہ دنیا جہاں کس کے اشارے پر قائم ہے۔ رات دن صبح شام، دھوپ، بارش، سورج اور چاند کا طلوع ہونا اور غروب ہونا۔ انسان کی موت و حیات آخر کس کے قبضہ میں ہے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ (الْأَلْحَمُّ لِلَّهِ غُلُوقِ اللَّذَاتِ) کی ہے اس لئے حکم بھی اسی کا چلے گا۔ چونکہ وہ خود



خالق ہے۔ اس لئے اس کے حکم کے مطابق ہی... کائنات کا ہر ذرہ حرکت میں آتا ہے  
 اس نے آسمان و زمین کو برحق پیدا کیا۔ پوری دنیا اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ وہی ساری کائنات  
 کا عظیم اور مالک، مدبر اور فرمانروا ہے۔ "تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے ہی زمین اور آسمانوں کو پیدا  
 کیا ہے... آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ کا ہی ہے (لقمن) وہ آسمان اور زمین کی ہر چیز  
 کا مالک ہے (سبا) کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق بھی ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا  
 ہو؟ کوئی معبود اس کے سوا نہیں (فاطر) تمہارا معبود صرف ایک ہی ہے جو زمین اور آسمان کا اور تمام  
 ان چیزوں کا مالک ہے جو زمین و آسمان میں ہیں (الصفت) اللہ ہے اکیلا اور سب پر غالب ہے،  
 (الزمر) آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے، وہ اسی کا ہے، وہ برتر اور عظیم ہے (الشوری) وہی  
 زندگی عطا کرتا ہے۔ وہی موت دیتا ہے (الدخان) پس تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو زمین اور  
 آسمانوں کا مالک ہے اور سارے جہان والوں کا پروردگار ہے۔ زمین اور آسمانوں میں بڑائی اسی کے  
 لئے ہے اور وہی زبردست اور دانا ہے"

زمین و آسمان کی مخلوقات کا کوئی خبرگیر اس کے سوا نہیں اور وہ اپنی حکومت میں کسی کو شریک  
 نہیں کرتا (الکھف) وہ جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا جس  
 کے ساتھ بادشاہی میں کوئی شریک نہیں (الفرقان)

کلام پاک میں خدا کی جو صفات بیان کی گئی ہیں۔ ان کو احاطہ علم میں لانے کے لئے ایک دفتر کی  
 ضرورت ہے۔ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات خالق ہے۔ اس نے اس کائنات  
 کو تخلیق کیا۔ اس لئے اس کے اپنے حکم کے مطابق وہی اسلامی ریاست (اور وہ اس لئے  
 کہ اس کے اس مذہب کو پسند کیا۔ اور رسول کو اسی کے لئے مبعوث کیا) کا مقدر اعلیٰ  
 ہے۔ سارے اختیارات اسی کے پاس ہیں۔ اس نے ان اختیارات کو زمین پر استعمال کرنے کے  
 لئے اپنا آخری نبی یہاں بھیجا۔

نبی خدا کی طرف سے مبعوث کئے گئے۔ اس نے اپنے رسول کے  
 ذریعہ رشد و ہدایات جاری کیں۔ یہ احکامات وحی کے ذریعے نازل  
 ہوئے۔ جو آیات مقدسہ آپ پر نزول ہوئیں۔ وہ سب کی سب کلام پاک میں درج ہیں۔ اللہ نے  
 اپنے احکامات جاری کرنے کا اختیار رسول پاک کو دیا۔ اس لئے حکم ربی ہے کہ اطاعت کرو میری  
 اور میرے رسول کی۔ مزید کہا کہ "خدا کی قسم یہ لوگ اس وقت تک ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب  
 تک وہ اپنے باہمی تنازعات میں رسول کو فیصلہ کن حیثیت نہ دے دیں اور اس کے فیصلہ کو نہ  
 مان لیں" اس طرح سے قرآنی احکامات کی روشنی میں دنیا میں رسول خدا کی حیثیت خلیفۃ اللہ کی تھی جو

منتظم بھی تھا۔ منصف بھی تھا اور فوج کا سپہ سالار بھی تھا۔ ان تمام اختیارات کا وہی سرچشمہ تھے اور وہ ان اختیارات کو اپنی مرضی سے نہیں، بلکہ خدا کے ارشاد کی روشنی میں استعمال کرتے تھے۔ موجودہ اصطلاح میں خدا کے رسول مطلق العنان آمر، جابر اور سلطان نہ تھے بلکہ ان کی حیثیت ایک نائب خدا کی تھی، وہ صرف خدا کے بھیجے ہوئے رسول تھے۔ وہ خدا جو مقدر اعلیٰ ہے۔ جو خالق کائنات ہے اس لئے رسول کی ذات کو چیلنج نہ کیا جاسکتا تھا کیونکہ ان کا اسوۂ حسنہ قابل رشک اور قابل تقلید تھا۔ احکام خداوندی کی تشریح اور وضاحت آپ ہی کے ذمہ تھی۔ کیونکہ وہی ان امور کو جانتے تھے۔ خدا کی جانب سے جو ہدایات جاری ہوتیں۔ پہلے وہ خود اس پر عمل کرتے اور پھر ان کو بن کر دوسروں کو اس کے اتباع کی تلقین کرتے۔ رسول کی اطاعت اسی لئے لازمی قرار دی گئی کہ ان کے ذریعہ ہی خدا کے احکام اور فرامین لوگوں تک پہنچتے تھے۔ پھر اگر مسلمانوں کے درمیان یا حکومت اور رعایا کے درمیان کسی وقت نزاع پیدا ہو جائے تو اس میں فیصلہ کے لئے قرآن اور سنت کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

قرآن مکمل ضابطہ حیات ہے، اللہ کی ذات مکمل اور بااختیار ہے، رسول اس کے

۶۔ شوریٰ

آخری نبی ہیں اور سربراہ مملکت ہیں۔ ان میں چیزوں کی موجودگی میں شوریٰ کی کیا ضرورت ہے۔ یعنی جب تمام احکامات بالکل واضح موجود تھے تو پھر کسی مسئلہ کے بارے میں مشورہ کی ضرورت کیوں لاحق ہوتی ہے۔ کلام پاک نے خود ہی اس کا جواب دیا ہے آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ اَلْاَعْمَرِ (آیت ۱۵۸) اور ان سے باتوں (کاموں) میں مشورہ لیتے رہا کیجئے، دوسری جگہ آتا ہے۔ دَامِرُكُمْ شُورٰی بَیْنَهُمْ (الشوریٰ آیت ۳۸) اور ان کا حکم آپس میں مشورہ سے ہوتا ہے رسول کریم صلعم فرماتے ہیں جس قوم نے باہمی مشورہ کیا اس قوم نے فلاح پائی۔ شوریٰ کا قیام ہی اسلام میں جمہوریت کی راہ ہموار کرتا ہے۔ خدا اس کے قرآن اور اس کے نبی کی موجودگی میں صلاح و مشورے دنیاوی امور میں ضروری تھے لیکن احکامات خداوندی میں ترمیم و تفسیح کے لئے جگہ نہ تھی۔ جنگ بدر کے موقع پر آپ نے شوریٰ کا اجلاس طلب کیا اور دوسری تمام جنگوں میں اصحاب سے مشورہ لیا اور ٹھیک سمت میں جنگی کارروائیاں عمل میں لائی گئیں۔ لیکن دین کے معاملہ میں کسی کے صلاح و مشورہ کی ضرورت نہ تھی۔ وہ صرف احکامات خداوندی تھے جن میں شبہ کی گنجائش ممکن نہ ہو سکتی تھی۔ مجلس شوریٰ کے اجلاس مسجد نبوی میں منعقد کئے جاتے تھے۔ اس کے لئے پہلے سے باقاعدہ اعلان کر دیا جاتا۔ حضور سب کی باتیں بڑے غور سے سنتے اور ان کے قابل عمل پہلوؤں کا جائزہ لیتے پھر کوئی فیصلہ کرتے۔ کلام پاک میں واضح کیا گیا ہے کہ مومنین کے معاملات باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں۔ (دَامِرُكُمْ شُورٰی بَیْنَهُمْ) لیکن صلح نامہ حدیبیہ کے موقع پر آپ نے جو فیصلہ کیا

۵۔ اس پر قائم رہے اور صلح نامہ کی شرائط پر دستخط کر دیئے۔ جہاں تک جنگوں کی تیاری کا تعلق تھا۔ سب سے رائے لی جاتی اور امداد طلب کی جاتی۔ لیکن میدان جنگ میں آپ ایک اعلیٰ کمانڈر کی حیثیت سے فوجوں کی خود کمان کرتے تھے۔

۷۔ اصول سلطنت | آپ سے روایت کی گئی ہے کہ میں نے امت کو ۵ چیزوں کا حکم دیا ہے۔

- ۱۔ الجماعة : اجتماعی نظم کو قائم کرو۔
  - ۲۔ والسمع : امیر کے حکم کی فرمانبرداری کرو۔
  - ۳۔ والطاعة : حکم کی تعمیل اور اطاعت کرو۔
  - ۴۔ والہجرة : اجتماعی مطلع نظر کے لئے وطن سے ہجرت کرو۔
  - ۵۔ والجهاد : خدائے واحدہ کا شریک کے راستہ میں جہاد کرو۔
- ۸۔ آپ نے فرمایا کہ جو فرد جماعت سے ایک یا پشت بھی علیحدہ ہوگا، وہ رشتہ اسلام سے لٹ جائے گا جو زمانہ جاہلیت کی طرف لوٹ جائے گا۔ اس کا مقام جہنم ہے۔
- ۸۔ فرمانروا | قرآن مجید اسی صراحت اور تکرار کے ساتھ بکثرت مقامات پر یہ بات بھی کہتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی طرف سے مقرر کئے ہوئے حاکم و فرمانروا تھے۔
- ورآپ کو یہ منصب بھی رسول نبی کی حیثیت سے عطا ہوا تھا۔

”ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا۔ مگر اس لئے کہ اس کی اطاعت کی“ (النساء: ۶۴)

”جو رسول کی اطاعت کرے اس نے اللہ کی اطاعت کی“ (النساء: ۸۰)

”اے بنی! یقیناً جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں۔ وہ درحقیقت اللہ سے بیعت

کرتے ہیں“ (الفتح - ۱۰)

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور

اپنے اعمال کو باطل نہ کرو“ (محمد - ۲۳)

”اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب کسی معاملہ کا فیصلہ اللہ اور

اس کا رسول کر دے تو پھر ان کے لئے اپنے اس معاملہ میں خود کوئی فیصلہ کر لینے

کا اختیار ہاں رہ جائے۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ کھلی

مگرابی میں پڑ گیا“ (الاحزاب - ۳۶)

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی۔

جو تم میں سے ادنیٰ الامر ہوں۔ پھر اگر تمہارے درمیان نزاع ہو جائے تو اس کو

پھر دو اللہ اور رسول کی طرف اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ اور روزِ آخر پر۔

(النساء - ۵۹)

یہ آیات صاف بتا رہی ہیں کہ رسول کوئی ایسا حاکم نہیں ہے جو خود اپنی قائم کردہ ریاست سربراہ بن بیٹھا ہو۔ یا جسے لوگوں نے منتخب کر کے سربراہ بنایا ہو۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور کیا ہوا فرمانروا ہو۔ اس کی فرمانروائی اس کے منصب رسالت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ اس کا رسول ہونا ہی اللہ کی طرف سے اس کا حاکم مطاع ہونا ہے۔ اس کی اطاعت عین اللہ کی اطاعت ہے۔ اس سے بیعت دراصل اللہ سے بیعت ہے۔ اس کی اطاعت نہ کرنے کے معنی اللہ کی نافرمانی کے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس آدمی کا کوئی عمل بھی اللہ کے ہاں مقبول نہ ہوگا جو ایمان لانے کے بعد رسول کی اطاعت کا جو اپنی گردن پر نہیں رکھتا۔

ان تمام تصریحات سے بڑھ کر صاف اور قطعی تصریح آخری آیت کرتی ہے۔ جس میں یکے بعد دیگرے تین اطاعتوں کا حکم دیا گیا ہے۔

سب سے پہلے اللہ کی اطاعت۔ اس کے بعد رسول کی اطاعت پھر تیسرے درجے میں اولی الامر کی اطاعت۔

پھر تو خطا بھی اولی الامر نہ ہوا حالانکہ فرمانِ الہی حکم اس سے پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ رسول اولی الامر میں شامل نہیں ہے بلکہ ان سے الگ اور بالاتر ہے اور اس کا درجہ خدا کے بعد دوسرے نمبر پر ہے۔ دوسری بات جو اس آیت سے معلوم ہوئی وہ یہ کہ اولی الامر سے نزع ہو سکتا ہے۔ مگر رسول سے نزع نہیں ہو سکتا۔ تیسری بات یہ معلوم ہے کہ نزاعات میں فیصلے کے لئے مرجع دو ہیں۔ ایک اللہ۔ دوسرا اس کے بعد اللہ کا رسول۔ ظاہر ہے اگر مرجع صرف اللہ ہوتا تو صراحت کے ساتھ رسول کا ذکر محض بے معنی ہوتا پھر جبکہ اللہ کی طرف رجوع کرنے سے مراد کتاب اللہ کی طرف رجوع کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے تو رسول کی طرف رجوع کرنے کا مطلب بھی اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ عہد رسالت میں خود ذات رسول کی طرف اور اس عہد کے بعد سنت رسول کی طرف رجوع کیا جائے۔

۹۔ قانون کے تابع | اسلامی حکومت میں رئیس مملکت سے لے کر عام رعایا تک قانون کے تابع زندگی بسر کرتی ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قانون کے تابع رہنے کی ہدایت کی ہے قرآن مجید میں ارشاد ہے: **فَاخِمْ بَيْنَهُمْ** بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ (المائدہ آیت ۴۹) پس تم لوگوں کے درمیان اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے کرو اور اس قانون حق کو چھوڑ کر جو تمہارے پاس آیا ہے لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ دوسری جگہ آتا ہے۔ **إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ**

اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے کرو اور اس قانون حق کو چھوڑ کر جو تمہارے پاس آیا ہے لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ دوسری جگہ آتا ہے۔ **إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ**

أُولَئِكَ فِي الْأَذْيَانِ (المجادلہ آیت ۲۰) جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے مقرر کردہ قوانین کے خلاف کرتے ہیں وہ ذلیل ترین لوگوں میں سے ہیں ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے - وَجِئْتُمْ بِحُكْمِ رَبِّكَ فَاعْلَمُوا (المائدہ آیت ۴۴) اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہ کریں تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔

۱۰۔ مرکزی حکومت | رسول خدا کو فرمانروائی کا منصب رسول کی حیثیت میں ہی حاصل ہوا تھا آپ مدلیہ، انتظامیہ اور مقننہ کے افسر اعلیٰ تھے۔ حکومت نسلی قبائلی نظام

پر نہیں بلکہ دینی وحدت اور اسلامی مساوات پر قائم ہوں تھی، مدینہ دار الحکومت قرار پایا۔ اس شہر کا نظم و نسق آپ کے ہاتھ میں تھا۔ جب کبھی آپ مدینہ سے باہر گئے تو آپ کسی نہ کسی صحابی کو اپنا قائم مقام مقرر فرما جاتے۔ مسجد نبوی سے محقر ہائش گاہ آپ کی سرکاری اتار ت گاہ تھی۔ تمام فیصلے مسجد نبوی میں طے پاتے یہی پارلیمنٹ تھی۔ اور یہی سول سکرٹریٹ اہم فیصلوں کے لئے شوریٰ کا اجلاس طلب کیا جاتا اور آپ اس کے فیصلوں کا احترام کرتے اور انہیں عملی جامہ پہناتے۔ جنگ احد کے وقت آپ شہر میں دشمن کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے لیکن عوام کی رائے کے مطابق آپ کھلے میدان میں جنگ لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ مجلس شوریٰ کے فیصلے احکام خداوندی پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ ان دنوں کوئی باقاعدہ دفتر قائم نہ تھا لیکن وحی قلم بند کرنے کے لئے مقتدر صحابہ کی خدمات حاصل کی جاتیں۔ زیر صدقات اور زکوٰۃ کا حساب رکھتے۔ میزبانی معاہدے تحریر کرتے۔ زیادتی خیر ملی خط و کتابت کے انچارج تھے۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے پاس مہر نبوت رہتی۔

۱۱۔ مدلیہ | مدینہ میں مدلیہ کے جملہ امور رسول خدا انجام دیتے۔ مقدمات کا فیصلہ قرآن کی روشنی میں کیا جاتا۔ دوسرے علاقوں میں مقدمات کا فیصلہ قاضی کیا کرتے

تھے جن کا تقرر رسول خدا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت علیؓ اور حضرت معاذ بن جبل کو حضور نے خود یمن کا قاضی مقرر کیا تھا۔ رسول کریم صلعم کی زندگی بے داغ اور شمال تھی۔ اس لئے کسی کو آپ پر انگشت نمائی کا موقع نہ ملتا۔ آپ خود ساختہ جج نہ تھے بلکہ رسول کی حیثیت سے ہی یہ منصب آپ کے ہاتھ میں تھا۔ آپ کے فیصلے عوام پر نافذ العمل تھے۔

۱۲۔ افتاء | افتاء کے فرائض آپ خود انجام دیتے تھے لیکن بعض صاحب علم بھی اس خدمت کو بجالاتے تھے۔

۱۳۔ مصالحت | جہاں نزاع ہوتی وہاں فریقین میں مصالحت کرا دی جاتی تھی، چنانچہ قبیلہ بنو عمرو بن عوف کے درمیان نزاع پیدا ہوئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ چند صحابہ کے ساتھ مصالحت کرانے کے لئے تشریف لے گئے۔

ایک دفعہ اہل قبا کے درمیان نزاع ہوئی اور لوگوں نے ایک دوسرے پر سنگباری کی حضور کو اطلاع ملی تو آپ صحابہ کے ساتھ کافی دور پیدل تشریف لے گئے۔

۱۳۔ پولیس | رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ابتدائی شکل پیدا ہو چکی تھی۔ چنانچہ یس بن سعد اس فریضہ کو انجام دیتے تھے اور ہمیشہ آپ کے ساتھ ہوتے تھے۔ باضابطہ طور پر پولیس کا محکمہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں بھی قائم نہیں ہوا۔ اس کی ابتدا بزمیر کے عہد میں ہوئی۔

۱۵۔ جلاو | مجرموں کی گردن مارنے کے لئے حضرت زبیر، حضرت علی، مقداد بن الاسود، محمد بن مسلم، عاصم بن ثابت، صفاک بن سفیان کلابی کے سپرد تھی۔

۱۶۔ محکمہ احتساب | اس محکمہ پر کوئی خاص آدمی تو بطور محتسب مقرر نہیں تھا۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود بازار میں ناپ تول اور اشیاء فوخت کا معائنہ فرماتے۔ ایک دفعہ آپ بازار میں تشریف لے گئے وہاں غلہ کا انبار لگا ہوا تھا۔ اس کے اندر ہاتھ ڈالا تو نمی محسوس ہوئی۔ مکان دار سے فرمایا یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بارش سے بھیگا ہوا ہے ارشاد ہوا کہ اس کو اوپر کیوں نہیں کر لیا تاکہ ہر شخص کو نظر آئے پھر فرمایا جو لوگ فریب دیتے ہیں وہ ہم میں سے نہیں ہیں۔

گورنروں۔ عمال کا محاسبہ بھی فرماتے تھے جب وہ زکوٰۃ اور صدقات وصول کر کے آتے تو آپ ان کا جائزہ لیتے کہ انہوں نے ناجائز طریقہ تو استعمال نہیں کیا۔ ایک بار ابن ابی اللیثہ کو صدقہ کی وصولی کے لئے مامور فرمایا۔ وہ کام سے واپس آئے تو انہوں نے کہا کہ غلام مجھے بدیہ میں ملا ہے آپ نے فرمایا ”گھر بیٹھے تم کو بدیہ کیوں نہیں ملا؟“ اس کے بعد ایک خطبہ دیا جس میں آپ نے اس کی سخت ممانعت فرمائی۔

۱۷۔ فوجی نظام | رسول خدا ایک بہترین فوجی جنرل تھے۔ آپ میدان جنگ میں خود فوج کی قیادت کرتے۔ آپ نے بدر، احد، احزاب، حنین، خیبر اور مکہ کی اہم جنگوں میں حصہ لیا۔ جن جنگوں میں آپ نے خود حصہ لیا۔

انہیں غزوہ کہتے ہیں، اور جن میں خود شرکت نہ کی۔ انہیں تشریح کہتے ہیں۔ فوجی دستے انصار اور مہاجرین پر مشتمل تھے۔ یہ فوجیں وقتی طور پر فراہم کر لی جاتی تھیں۔ زیادہ لوگ جوش جہاد میں جنگوں میں شرکت کرتے، کامیابی کے بعد فوجیوں کو مال غنیمت میں باقاعدہ حصہ دیا جاتا تھا۔ فوجی اپنے ساز و سامان خود فراہم کرتے تھے، جنگوں میں تلوار، نیزہ، برچھا، ڈھال، تیرکمان اور زرہ بکتر استعمال کئے جاتے تھے۔ اسلامی فوج کے پاس سامان جنگ اور سامان رسد کی ہمیشہ کمی رہی، لیکن اس کے

بادجو و مایید الہی سے انہوں نے اپنے کئی گنا دشمن پر کامیابی حاصل کی ۔

۱۸۔ ذرائع آمدن | رسول خدا نے اسلامی حکومت کا جو ڈھانچہ مرتب کیا تھا۔ اس کے لئے آمدن کے ذرائع بھی مہیا کئے گئے۔ آپ کے عہد

میں آمدن کے ذرائع حسب ذیل تھے ۔

۱۔ مالِ غنیمت :- جنگ جتنے کے بعد میدان جنگ میں جو سامان حاصل ہوتا اس کا ۱/۵ حصہ شہر کا جنگ میں تقسیم کر دیا جاتا۔ ۱/۵ حصہ سرکاری خزانہ میں جمع کیا جاتا۔ سوار کو پیدل سپاہی کے مقابلہ پر دو گنا حصہ ملتا۔ ۱/۵ حصہ کی آمدنی سربراہ مملکت کے اخراجات کے لئے مخصوص تھی ۔

۲۔ زکوٰۃ :- بالغ اور صاحب حیثیت افراد پر زکوٰۃ فرض قرار دی گئی۔ یہ رقم نقد پھل، پیداوار، مویشی اور اسباب تجارت پر وصول کی جاتی تھی ۔

۳۔ صدقات :- یہ وہ رقم تھی جو مال دار افراد رضا کارانہ طور پر ادا کیا کرتے تھے ۔

۴۔ جزیہ :- غیر مسلم رعایا سے ان کے جان و مال کی حفاظت کے بدلے ایک برائے نام رقم جزیہ کے طور پر وصول کی جاتی تھی، لیکن اپاہج، یتیم، بے کس اور گداگر جزیہ کی ادائیگی سے مستثنیٰ تھے ۔

۵۔ خراج :- یہ مالیہ تھا جو غیر مسلموں سے وصول کیا جاتا، خیبر کی فتح کے بعد اس کا رواج شروع ہوا جب یہودیوں سے پیداوار کا نصف بطور خراج وصول کیا جانے لگا ۔

۶۔ فتنے :- وہ مال جسے مرحوب دشمن چھوڑ جاتا ہے اور جنگ کے بغیر بیت المال کے قبضہ میں آتا ہے ۔

۱۹۔ جمع صدقات | قاضی کے فرائض میں صدقات جمع کرنا بھی تھا، چنانچہ معاذ بن جبل کو یمن کے ایک حصہ یعنی نجد کا قاضی مقرر کیا اور جو مال یمن میں تھے

ان کے صدقات جمع کرنے کی خدمت بھی ان کے سپرد تھی ۔

رسول خدا نے جو انتظام سلطنت قائم کیا۔ اس کی بنیاد میں نظریات ۱۔ اخلاق نظریہ ۲۔ معاشی نظریہ ۳۔ انتظامی نظریہ پر قائم تھی، آپ کے اہل اور تجربہ کار صحابہ نے اس نظام سلطنت کو اپنی نظروں سے قائم ہوتے دیکھا تھا۔ اس لئے آپ کے انتقال کے بعد انہی خطوط پر انہوں نے نظم و نسق قائم کرنے میں کامیابی حاصل کر لی، چنانچہ خلفائے راشدین کے دور خلافت میں اسلامی ریاست کے واضح اور نمایاں خدو خال قائم ہو گئے تھے لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اور دیگر عوامل اسلامی ریاست اور معاشرت میں داخل ہو گئے۔ اصلاحی اصول ہائے سلطنت کے عملی نفاذ میں